اسلام علیکم !

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا

تک پہنچانا چاہتے ہیں تو زوبی ناولز زون

https://www.zubinovelszone.com

https://www.znzlibrary.com/

https://www.znz.today/

آن لائن ویب سائٹ آپکو پلیٹ فارم فراہم کر رہا ہے اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا ناول، افسانہ، کالم آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ای میل کریں۔

ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل اور وٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کر سکتے ہیں

وہاٹسیپ پر رابطہ کرنے کے لئے نیچے لنک پر کلک کرے

0344 4499420

https://www.facebook.com/Zubi.Novels.Zone.10

انتباہ! اس ناول کے تمام جملہ حقوق زوبی ناولز زون کے پاس محفوظ ہیں کسی بھی طرح کاپی کرنے سے گریز کیا جائے۔

https://www.facebook.com/zubairkhanafridi2020

WHATSAPP CHANNEL LINK

Channel Join Now

موجود کیٹیگری والے ناولز پڑھنے کے لئے ناول نام یا کیٹیگری نام پر کلک کریں

Novels Categories

Web Special

Short Novels

Long Novels

Digest Novels

Romantic Novels

Facebook Novels

Ebook Novels PDF

Youtube Novels PDF

Zubi Novels Zone

تیری پریت گلی ہرجائی پیا

جے نکہت

Epi 1 & 25

ہسپتال کی سرد کاریڈور میں پڑے بینچ پر بیٹھی اس لڑکی کا وجود بھی کسی سرد خانے میں پڑی لاش کی طرح یکدم سرد پتھر ہو رہا تھا۔

سرخ آنکھوں کی پتلیاں خوفناک اندیشوں سے ساکت تھی، ذہن ہولناک وسوسوں کی آندھیوں سے نبرد آزما سائیں سائیں کر رہا تھا۔۔

وہ بار بار آس و نراش کی منجھدار میں ڈوب و ابھر رہی دھڑکنوں کو سنبھال کر حلق تر کرتی جلتی نگاہ ای سی یو کے بند دروازے پر ڈال رہی تھی، اور واپس سر جھکا کر گرم گرم آنسوؤں کو ڈوبتے دل میں اتار رہی تھی۔۔

خستہ حالی کی حد تو یہ تھی کہ اس کڑے وقت میں زبان پر کلمہ درود تک نہیں آرہا تھا،زبان لڑکھڑا رہی تھی، مفلوج ذہن کے سلیٹ پر کوئی آیت،کوئی دعا نہیں ابھر رہا تھا،وہ بے بسی و بے کسی کی انتہا پر تختہ وجود کو حرکت دیکر سجدے میں گڑگڑانے کی توفیق سے بھی اس لمحے قاصر تھی۔

اسے لگ رہا تھا ایک لمحے کیلیئے اس نے اس موت کے دروازے پر سے نگاہ ہٹا دی تو کوئی انہونی ہو جائے گی،وہ بہت قیمتی شخص کو ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے کھو دے گی یہ خوف ایسا تھا کہ وہ پتھر کی مورت کی طرح وہاں بیٹھی تھی۔

نجانے وہ مزید کتنی ہی دیر ویسے ہی بیٹھی رہی۔

دفعتاً وہ موت کا دروازہ کھلا اور نرس بھاگتی ہوئی اندر آئی،وہ بھی ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔

"سسس۔۔ سسٹر ہماری پیشنٹ۔۔۔"

"ابھی ان کے متعلق کچھ بھی بتا پانا مشکل ہے،ان کی حالت شدید تشویشناک ہے،بلڈ بے انتہا بہہ چکا ہے بی پی کنٹرول میں نہیں اور نہ وہ لگتا ہے زیادہ دیر ہوش میں رہ سکیں گی،آپ لوگ پلیز اس پیپرز پر سائن کر دیں۔۔۔۔۔"

نرس نے کہتے ہوئے ہاتھ میں تھامی فائل آگے بڑھائی جس پر ایک پیپر تھا۔۔

زرناب پورے وجود سے اس پیپر کو دیکھ کر کانپ اٹھی تھی، کب سے حلق میں اٹکے آنسوں بھل بھل ڈھلکنے لگے تھے۔

"آپ پلیز، پیشنٹ کے ہسبنڈ کو بلادیں وہ سائن کر دیں گے تو زیادہ بہتر ہو گا، پلیز، ذرا جلدی کریں، ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ہر گزرتا سیکنڈ پیشنٹ کیلئے بھاری ہے۔۔"

اسے بجائے پیپر ز کو تھامنے کے روتا دیکھ نرس مزید بولی تو لفظ 'ہسبنڈ' پر، اس کی بھتی آنکھیں یکایک سے ٹھہرتی سپاٹ ہوئی، سختی سے جبڑے بھینچتے اس نے فائل کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا۔

"دیکھیں، یہ ایک کریٹیکل کیس ہے، ہم کسی قسم کا رسک افورڈ نہیں کر سکتے، آپ پلیز ان کے شوہر کو بلا دیتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔۔۔" نرس سرعت سے فائل پیچھے کرتی مضبوط انداز میں بولی۔

جواباً زرناب کے پورے وجود میں نفرت واشتعال برقی لہر بن کر دوڑنے لگا تھا۔

من کیا کہہ دے جس ناہنجار بے قدرے ہرجائی کے بچے کو جنم دینے کیلئے وہ

لڑکی اندر زندگی اور موت کے بیچ جھول رہی ہے وہ دبئی کے کسی شاندار ہوٹل میں رنگ رلیاں منا رہا ہے۔

اپنے جیسی بدقماش، بدکردار بے حیا عورتوں کے ساتھ منہ کالا کر رہا ہے، اسے بھلا کیا ضرورت اپنی معصوم پاکباز نیک سیرت بیوی کی مشکل گھڑی میں یہاں موجود رہنے کی۔۔۔

"سسٹر! میں فادر ان لاء ہوں پیشنٹ کا، میرا بیٹا اوٹ آف کنٹری ہے کیا میں سائن کر سکتا ہوں۔۔۔؟" پہلو سے ابھری آواز پر زرناب نے ترش نظر اس شخص پر ڈالی جو قطعی اس کی نگاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے نرس کی جانب متوجہ تھے۔

جو پیشنٹ کی کنڈیشن کے متعلق چند ایک مزید معلومات دے کر سائن کرنے کیلئے پین بڑھا رہی تھی۔

انھوں نے سائن کر دیا تو وہ عجلتاً اسی دروازے کے اندر غائب ہو گئی۔ جبکہ زرناب واپس نڈھال سی بنچ پر ٹک گئی تھی۔

دل لمحہ بہ لمحہ کہیں گہری گھٹن زدہ تہوں میں ڈوبتا جارہا تھا سانس کی ڈوریاں ریشمی دھاگوں کی طرح الجھتی جارہی تھی۔

وقت کچھوے کی سست چال چلتا ہوا گزرتا جیسے اس کے اعصاب پر آسیب زدہ سا بوجھ ڈالتا جارہا تھا۔اس کا وجود خوف وہراس سے سن پڑنے لگا تھا۔

"اللہ! اسے زندگی دینا۔۔۔"

آپریشن تھیڑ کا بلب آف ہوا تو اسے لگا زندگی اس کے سامنے منہ چھپائے نادم سی فرار ہوئی ہے،تڑپ کر لرزتے دل سے دعا کرتے وہ اپنی جگہ کھڑی ہوئی۔

ایک مرتبہ پھر دروازہ کھلا،اس مرتبہ اس نرس کے ساتھ تین سبز رنگ کے مخصوص کپڑوں میں ملبوس ڈاکٹر سنجیدہ چہرہ لئے نمودار ہوئے۔۔

عباسی صاحب تیزی سے ان کی جانب لپکے لیکن اس کے قدم جیسے خوف نے زمین سے جکڑ دئے تھے۔

"ایم سوری، ہم پیشنٹ کو نہیں بچا سکے،البتہ بچہ سیف ہے۔۔۔"روح فرسا خبر مختصر الفاظ میں سنا کر حسن صاحب کا شانہ تھپتھپاتے ڈاکٹر کا املا ایک جانب بڑھ

گیا تھا۔اور وہ ناقابل تلافی زیاں پر بھربھری مٹی کی طرح اسی جگہ بیٹھتی چلی گئی۔۔

novel j nikht

چھوڑ جانے پہ پرندوں کی مذمت کی ہو
تم نے دیکھا ہے کبھی پیڑ نے ہجرت کی ہو
جھولتی شاخ سے چپ چاپ جدا ہونے پر
زرد پتوں نے ہواؤں سے شکایت کی ہو
اب تو اتنا بھی نہیں یاد کہ کب آخری بار
دل نے کچھ ٹوٹ کے چاہا کوئی حسرت کی ہو!!

جانے والے بڑی خاموشی سے اپنا وقت پورا کر کے چلے جاتے ہیں، بنا ادھوری بات مکمل کئے، بغیر اپنے عزیزوں کو الوداع کہنے کا موقع دئے۔
بنا ادھورے وعدوں کو پورا کرنے کی جھوٹی آس دئے، بس چلے جاتے ہیں۔
پلکیں ہمیشہ کیلئے بند کر، لب سی کر، پیٹھ دکھا کر چل دیتے ہیں، اپنے پیچھے بنے قدموں کے نشاں بنا دیکھے، پلٹ کر نہ آنے کیلئے۔

جانے والوں نے بھلا کب رہ جانے والوں کی ان کے بغیر ہوئی حالت کا سوچتے ہیں۔

کہاں دیکھتے ہیں ان کی پرچھائی کے پیچھے دیوانہ وار بھاگنے والوں کو،

کہاں سمجھتے ہیں یادوں کی دہلیز پر گریہ وزاری کر رہے، سسک رہے، بلک رہے انھیں یاد کر کر کے پل پل مر رہے اپنوں کے متعلق !

کس قدر عجیب ہے ناں اِس دنیا اور اُس دنیا کے قانون۔۔؟

اس دنیا میں انسان جس عزیز کے چہرے پر شکن دیکھ کر تڑپ جاتا ہے، اس دنیا کو کوچ کرتے ہی ان کے ہر دکھ درد سے بے بہرا ہو جاتا ہے۔

جن کی آنکھوں کی نمی نہیں برداشت کر سکتا، اسے اپنی داغِ جدائی سے خون کے آنسوں رلاتا ہے۔

"صدف ! کہاں چلی گئی ہیں آپ۔۔۔۔؟ "

صدف کی مسکراتی ہوئی تصویر کو گلے سے لگاتی ہوئی وہ ایک مرتبہ پھر کسی چھوٹی بچی کی طرح بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"زرناب "!!

آسیہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹ کر ان سے لپٹتی اونچی آواز میں رونے لگی تو جواباً اُسے اپنے مہربان باہوں میں سمیٹتے وہ خود بکھر بکھر گئی تھی۔۔

جوان بیٹی کو آخری غسل دیا تھا انھوں نے، رنگ برنگے خوبصورت کپڑے پہنتا دیکھنے کی عمر میں اسے سفید پوشاک میں آخری سفر کیلیئے روانہ کیا تھا، اس ماں کی دل کی حالت کی عکاسی کیلیئے الفاظ بنے ہی نہیں تھے۔

لیکن ان کی باہوں میں بلک رہی لڑکی کی حالت بھی ناگفتہ تھی ایک ہفتہ سے شجر سے ٹوٹی ٹہنی کی طرح سدھ بدھ گنوائے بس بند کمرے میں گریہ وزاری میں مشغول تھی وہ۔ دین ودنیا کا مانو اسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔

بال بکھرے ہوئے، شکن آلود کپڑے میلے ہو رہے تھے، آنکھیں رو رو کر اندر کو دھنس گئے تھے۔

اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا یہ وہی زرناب ہے جو ہمہ وقت نک سک سے تیار رہتی تھی۔

جسے شکن آلود کپڑے، الجھے بالوں سے سخت نفرت تھی۔

اور آج اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔اس پر سانحہ ہی ایسا ٹوٹا تھا،اس کی خالہ، بہن، سکھی، دوست ہمراز، ہمدم اس سے ہمیشہ کیلئے بچھڑ گئی تھی۔

وہ دونوں ایک جان دو قالب مشہور تھے۔روح اور جسم سا تعلق تھا ان کا اور روح جب جسم سے جدا ہو تو انسان تڑپتا ہے ناں۔

ان دونوں میں عمروں کا فرق بھی محض چار سال کا تھا۔

"بیٹا! جانے والوں کے ساتھ جایا تو نہیں جا سکتا،ان کے بغیر جینے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے، تم اس طرح حوصلہ ہار دو گی تو ہمارا کیا ہو گا۔۔۔؟تمہارے بابا کو بھی چپ سی لگ گئی ہے، تم تو میری بہادر بیٹی ہو بجائے انھیں سنبھالنے کے خود بکھر رہی ہو۔۔۔"

آسیہ بیگم نے دل پر پتھر رکھتے اس کی پشت سہلاتے سمجھایا۔دفعتاً باہر سے معصوم بچے کی رونے کی آواز بلند ہوئی تو انھیں باہر نکلنا پڑا۔

novel jnikht

آسیہ بیگم فاروق صاحب کی دوسری بیوی تھی، صدف ان کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔

جبکہ زرناب کی ماں سعدیہ ان کی پہلی بیوی سے۔

زرناب کی نانی کے انتقال کے بعد فاروق صاحب نے دوسری شادی نہیں کی تھی، لیکن بیٹی کو رخصت کرنے کے بعد ضرورت محسوس کرتے انھیں قسم توڑنی پڑی تھی۔یوں آسیہ بیگم ان کی زندگی میں آئی تھی۔

آسیہ بیگم نے کبھی بھی سعدیہ کو سوتیلی بیٹی نہیں سمجھا تھا نہ ہی سعدیہ بیگم نے ایسا کوئی تاثر دیا تھا وہ اپنے باپ کیلئے خوش تھی بلکہ انھوں نے ہی فاروق صاحب کو دوسری شادی کیلئے راضی کیا تھا۔

شادی کے دوسرے سال ان کے گھر صدف کی آمد ہوئی تھی۔جبکہ پورے چار سال بعد زرناب نے سعدیہ بیگم کی گود کو آباد کیا تھا۔اور پھر دو ہی سال کے اندر وہ بریسٹ کینسر کا شکار ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔جس کے بعد آسیہ بیگم ہی نے اپنی بیٹی کی طرح زرناب کو پالا تھا۔وہیں سے صدف اور زرناب ایک دوسرے کیلئے لازم ملزم ہو گئے تھے۔

پانچ سال قبل فاروق صاحب کے دیرینہ دوست کے گھر صدف بیاہی گئی تھی۔ جس کے بعد بھی ان کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا روزانہ گھنٹوں ان کا وڈیو کال چلتا تھا جس پر آسیہ بیگم دونوں کو خوب ڈانٹتی بھی تھی۔

novel jnikht

نومولود بچے کی رونے کی آواز پر اس نے درد سے پھٹتے سر کی کنپٹیوں کو سہلایا، پھر متورم پپوٹوں کو وا کر کے ارد گرد نگاہ دوڑائی کمرہ مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

مزید کچھ ساعت آنکھوں کے اندھیرے سے مانوس ہونے کا انتظار کرتی وہ اپنا نڈھال وجود گھسیٹتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی تھی۔ پھر آواز کا تعاقب کرتی ہوئی مین حال میں آئی۔ جہاں ملازمہ ادھر سے ادھر چکر کاٹتی ہوئی بچے کو خاموشی کرانے کی کوشش میں ہلکان تھی، لیکن بچہ تھا کے چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

زرناب کے اندر اچانک کہاں سے اتنی قوت آئی تھی جو وہ ایک جست میں بقیہ فاصلہ سمیٹتی بجلی کی تیزی سے بچے کو ملازمہ کے ہاتھوں سے جھپٹ گئی تھی۔۔

"وہ۔۔وہ چھوٹی بی بی، بڑی بیگم نماز پڑھ رہی ہیں اور چپ نہیں ہو رہا شائد بھوک لگی ہے، پر مجھے بوتل بنانی نہیں آتی تو۔۔۔"

اس کے انداز پر ملازمہ نے خوف زدہ ہو کر وضاحت کی، لیکن وہ اسے سن کہاں رہی تھی وہ تو اناڑی پن سے جیسے تیسے کر کے بچے کو سنبھالنے اسے چپ کروانے کی جتن کر رہی تھی۔

بچے کی آواز مستقل رونے کی وجہ سے بیٹھ گئی تھی، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، معصوم آنکھوں سے پانی کے قطرے بہنے لگے تھے۔اسے سمجھ نہ آئی تو اس نے سمیٹ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

اسے اتنے چھوٹے تو کیا کسی بھی بچے کو اٹھانے کا تجربہ نہیں تھا۔ لیکن وہ اسے سمیٹ کر اٹھانے لگی تھی اور کرشماتی طور پر اگلے چند سیکنڈ میں بچہ خاموش بھی ہو گیا تھا۔

آسیہ بیگم نماز سے فارغ ہو کر عجلتاً باہر آئی تو بچے کو اس کے سینے سے لگا پر سکون دیکھ خاموشی سے اندر چلی گئی۔

اور کچھ دیر واپسی ہوئی تو ان کے ہاتھ میں دودھ کا فیڈر تھا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"لاؤ بھوک سے رو رہا ہو گا، میں دودھ پلا دیتی ہوں۔۔"

انھوں نے نرمی سے اس کی باہوں سے بچے کو لیا تو وہ ایک مرتبہ پھر رونے کی تیاری کرنے لگا۔

"ممی، یہ واپس۔۔۔"

وہ ہراساں ہوئی۔

"ارے نہیں روئے گا، یہ سو رہا تھا تو میں نے سوچا نماز سے فارغ ہو کر دودھ بنا دوں، لیکن اس بیچ ہی یہ جاگ گئے اور پورا گھر سر پر اٹھا لیا۔۔بہت شرارتی ہیں آپ۔۔۔۔"

صوفے پر بیٹھ کر بچے کے سرخ سرخ چھوٹے ہونٹوں سے بوتل لگاتے انھوں نے اس کی ناک دبائی تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

جس پر زرناب بھیگی آنکھوں سے ہنس دی تھی۔

صدف کو بھی ایسے منہ بنانے کی عادت تھی۔۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا!!....

کسک تو دل کے ایک گوشے میں ہمیشہ کیلئے آباد ہو جاتی ہے پر وقت گزرنے کے ساتھ راحت کا سامان کر دیتا ہے، پر وقت سے بھی پہلے اس کے سنبھلنے کی وجہ وہ ننھا وجود بن گیا تھا۔

وہ ایک ہفتے سے روم میں بند صدف اور اپنی بچپن کی یادوں سے اپنی صحت خراب کر رہی لڑکی اچانک سے مضبوط بن کر اس بچے کو سنبھالنے کی کوشش میں جت گئی تھی، اسے بہلتا دیکھ آسیہ بیگم نے بھی بھرپور تعاون کرتے اس کا ساتھ دیا تھا۔

آج سے قبل ان کے یہاں کوئی بچہ آیا نہیں تھا لہٰذا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا پر آسیہ بیگم کی مدد اور صدف کی محبت بلکہ عشق کا کمال تھا کہ جلد اس نے اس ننھے سے وجود کو اپنا عادی بنا لیا تھا۔

اس دوران 'عباسی ولا' سے دو مرتبہ بامشکل پانچ منٹ کیلئے زینت بیگم اور ہر تیسرے دن باقاعدگی سے عباسی صاحب آرہے تھے، باقی دو نندیں تو میت والے دن ہی سن گلاسیز چڑھا کر آئی تھی دنیاد کھاوے کیلئے بھی جن کی آنکھوں سے آنسوں نہیں جھلکے تھے اور باہر باہر ہی سے روانہ ہو گئی تھی،اس کے بعد ایک مرتبہ کال کرکے بچے کے متعلق پوچھنے کی تک انھیں توفیق نہیں ہوئی تھی جوان کا اپنا خون تھا۔

خیر بہنوں سے کیا شکوہ کرنا جو بے حسی و کج ادائی میں اپنے بھائی کی پاسنگ بھی نہیں تھی،وہ ہرجائی صفت شخص تو سیدھا جنازے میں شریک ہونے آیا تھا اور جب وہ صدف کے جنازے کو کندھا دینے اندر آیا تو زرناب کا من کیا اس کا منہ نوچ لے،اسے دھکے دیکر صدف سے کوسوں دور کر دے،وہ کوئی حق نہیں رکھتا تھا اس کی صدف کو کندھا دینے کا۔۔

ارے اس شادی میں اس شخص نے صدف کو دیا ہی کیا تھا۔۔؟

شوہر ہونے کا کونسا حق ادا کیا تھا۔۔۔؟

اس کے آخری وقت میں تک تو وہ ظالم شقی القلب شخص اس کے ساتھ نہیں تھا۔۔؟

وہ دیوانی اسے دیوتا سمجھ کر پوجتی رہی تھی اور پتھر کا صنم اپنی بے وفائیوں سے اس کے محبت سے گندھے دل کو گھائل کرتا رہا تھا۔

مغرور، بددماغ، اپنی شہرت و حسن کے نشے میں چور شخص جسے ڈرامہ انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا تھا، اور اس نے خود کو سچ مچ کا ہی بادشاہ سمجھ کر اوروں کو کمتر رعایا سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

پر صدف اس کی ایسی دیوانی تھی کہ اسے اس کا یہ تکبرانہ تحقیر آمیز انداز بھی امرت رس لگتا تھا عنایت التفات سے زیادہ قیمتی لگتا تھا۔

جس پر اکثر زرناب اسے جھڑک دیتی تھی جواباً صدف بے خودی میں مسکراتی ہوئی کہتی تھی۔

"تم کیا جانو عشق کی لذت زرناب ڈئیر۔۔۔؟"

"میں باز آئی، ایسا شخص عشق تو دور ایک نگاہ ڈالنے کے قابل بھی نہیں ہے میری نظر میں۔۔۔" وہ تاسف سے کہتی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"اس کی بے نیازی میں التفات کی وہ لذت ہے کہ کبھی وہ بے ارادہ بھی میرا نام لبوں پر لے آتا ہے تو میرے لئے دھڑکنوں کو سنبھالنا دنیا کا مشکل ترین کام ہو جاتا ہے، وہ پہلو سے گزر جاتا ہے تو اس کی خوشبو مجھے اندر تک اتری سانسوں کو آزاد کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے، وہ کبھی بے ارادی نظر مجھ پر ڈال دیتا ہے تو مجھے لگتا ہے میرا وجود چاند کی طرح چمکنے دمکنے لگا ہے۔۔۔"

وہ ایک جذب کے عالم میں کہتی تھی، اور اس کا کھویا کھویا لہجہ بلکہ انگ انگ اس کی سچائی کی گواہی دیتا تھا۔

"یہ عشق یا محبت نہیں سراسر پاگل پن ہے، کسی کو اتنا نہیں چاہنا چاہئے کہ انسان خود کو ہی فراموش کر بیٹھے، انسان کی محبت پر پہلا حق اس کا اپنا ہوتا ہے، میرا تو ماننا ہے انسان کو اتنا خود غرض ہونا ہی چاہئے۔۔۔" زرناب جرح پر اتر آتی تھی باوجود جاننے کے کہ اثر کوئی نہیں ہونا۔

"خود فراموشی کی آخری حد کو عشق کہتے ہیں زرناب جانم! اور عشق کی کتاب میں کوئی ایسا قانون درج نہیں کہ وارفتگی کے بدلے وہی ملے، عشق تو جل جانے کا، پروانے کی طرح فنا ہو جانے کا نام ہے، اور وہ مرد ایسا ہے کہ اس پر فنا

ہو جائیں تو ملال بھی نہ ہوں۔۔"وہ کملی جھلی واقعی عشق کی معراج کو چھو آئی تھی۔

"مقابل کم از کم قدر تو کرے ناں۔۔۔"زرناب پست ہو جاتی تھی۔

"میں ان کی بیوی ہوں اور کیا قدر دانی کرے وہ۔۔۔؟"

وہ یوں فخر سے بولتی تھی جیسے جبران عباسی اسے پلکوں پر رکھتا ہو یا بڑے چاؤ سے اسے بیاہ کر لیکر گیا ہو۔۔

"بیوی نہیں دنیا کے سامنے شریف نظر آنے کا ڈھکوسلا کہو، ورنہ تم بھی خوب جانتی ہو اس کے کرتوت۔۔۔۔"زرناب چڑ کر کڑوی سچائی لبوں پر لے آتی تو اس کا چہرہ پھیکا پڑ جاتا تھا۔

"وہ جس انڈسٹری سے تعلق رکھتے ہیں، وہاں ایسے میل جول کوئی معیوب بات نہیں ہے، ان کے تعلقات ایسے ہی بنتے ہیں، باقی ہماری میڈیا کو تو جانتی ہو چیونٹی کو ہاتھی بتاتے ہیں، اور وہ کوئی حد نہیں پار کرتے۔۔۔"پر یقین لہجہ اپناتے اس کی خود آنکھیں دغا دے جاتی تھی۔

"آپ جیسی اندھی بیویوں کا تو اللہ ہی محافظ ہے۔۔۔۔"زرناب یہاں سے آگے سر نہیں پھوڑ سکتی تھی۔۔

صدف تو جبران عباسی کی اتنی بڑی دیوانی تھی کہ اس کا ایک ایک ڈرامہ ایک ایک انٹرویو سیکڑوں مرتبہ دیکھ چکی تھی لیکن دل اس کا بھرتا نہیں تھا، فون کے وال پیپر سے لیکر کی چین تک کونسی ایسی اس کی چیز نہیں تھی جہاں جبران عباسی کی حکمرانی نہیں تھی، لیکن وہ شخص اصل میں اس کا ہو کر بھی نہیں تھا۔۔

لیکن وہ دیوتا جتنے قربت کے سکے اس کی کشکول میں ڈالتا تھا اسی میں نہال ہوتی پہلے سے دگنا اس کی عشق میں گرفتار ہو جاتی تھی۔۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓣ

اے گردش ایام ہمیں رنج بہت ہے

کچھ خواب تھے ایسے کہ بکھرنے کے نہیں تھے !

وقت کی ریت تیزی سے سرک رہی تھی، صدف کو ان سے جدا ہوئے آج پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا۔اور منے کی پیدائش کو بھی، لیکن ابھی تک بچے کا نام نہیں رکھا گیا تھا سب اسے منا ہی کہہ رہے تھے۔

دنیا کے نظام کہاں ٹھہرتے ہیں غم و خوشی کہ پتھروں کے آگے، لہٰذا زرناب نے بھی جاب شروع کر دی تھی۔اور گھر میں آتے ہی اس کا ایک ایک سیکنڈ منے کے نام ہو جاتا تھا۔

اب تو وہ سلانے بھی اسے اپنے ساتھ لگی تھی، آسیہ بیگم نے منع بھی کیا تھا کہ صبح جاب پر جاتی ہو رات بچہ پریشان کرے گا لیکن وہ نہیں مانی تھی۔

وہ شام میں آکر منے کو کپڑے پہنا رہی تھی جب ملازمہ نے آکر عباسی صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔

"ہم بس آرہے ہیں، منے کو تیار کر کے۔۔"

اس نے رومپر کے بٹن لگاتے ہوئے ملازمہ کو باہر بھیجا۔

پھر رومپر پہنا کر، منے کا چہرہ ایک مرتبہ پھر وائپرز کی مدد سے نرمی سے صاف کرتی سر پر چھوٹا سا ریڈ کیپ لگا کر اچھے سے دوپٹہ شانوں پر پھیلاتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

ڈرائینگ روم سے آوازیں آرہی تھی وہ بھی اس طرح چلی آئی۔

" پھر بھائی صاحبُ نام کیا سوچا آپ نے منے کا۔۔۔؟"

ڈرائینگ روم سے آسیہ بیگم کی آواز ابھری۔

"میں نے تو کہہ دیا ہے آپ لوگوں کو جو پسند آجائے، پھر میں نے زینت سے بات کی تو وہ کہہ رہی ہیں پوتے کا نام ذرا دیکھ بھال کر رکھوں گی کوئی۔۔۔"

بھرم بنائے رکھنے کیلئے عباسی صاحب لبوں پر مستقل مسکراہٹ سجائے مزید مبالغہ آرائی کرتے کہ زرناب اندر داخل ہوتی گویا ہوئی۔

"انھیں اتنی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے انکل، منے کا نام انس ہے۔۔۔"

"پر بیٹا۔۔۔" دونوں میاں بیوی نے ٹوکنا چاہا۔

"صدف کو یہ نام پسند تھا ممی، اس بچے کا نام رکھنے کا پہلا حق صدف کا ہے، ویسے بھی کسی نے حق کی دعویداری کی بھی کہاں ہے، پھر ہم کیوں خواہ مخواہ زحمت دیں۔۔۔"

اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی عباسی صاحب نے پہلو بدلہ جبکہ دونوں میاں بیوی نے چپ رہنے پر اکتفا کیا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہے انکل۔۔۔؟"

"نہیں! نہیں بیٹا، مجھے بھلا کیوں اعتراض ہونے لگا۔ بہت بہت زیادہ خوبصورت نام ہے اور صدف بیٹی کا پسندیدہ ہے تو پھر اعتراض کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔۔"عباسی صاحب خوش دلی سے بولے۔

عباسی مینشن میں حقیقی مانو میں کسی سے صدف کا رشتہ تھا تو وہ صرف اور صرف اس شخص سے تھا۔ اس لیے بھی وہ لحاظ کر جاتی تھی، ورنہ تو دل کرتا تھا عباسی خاندان کے ہر شخص کو پتھر اٹھا اٹھا کر مارے۔

اور ہنستی کھیلتی صدف کو اس گھر سے لیجانے والا بھی یہی شخص تھا، ورنہ آج شائد حالات مختلف ہوتے، شائد صدف اس کے پاس ہوتی۔۔

اس کا دل بھاری ہونے لگا تھا۔وہ مزید کسی قسم کی تلخ کلامی سے احتیاط کیلئے منے کو آسیہ بیگم کو دے کر نکل گئی تھی۔

"ہم معذرت چاہتے ہیں زرناب کی جانب سے بھائی صاحب! صدف کے بعد کچھ تلخ سی ہو گئی ہے۔۔۔"انس کو ان کی جانب بڑھاتے آسیہ بیگم معذرت خواہ ہوئیں۔۔

"پلیز بھابی، آپ شرمندہ کر رہی ہیں، ویسے بچی نے کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا ہے جو برا منایا جائے۔۔۔۔"وہ پھیکا سا مسکرائے۔

پر وہ بیچارے اکیلے کرتے بھی تو کیا کرتے، رشتوں میں سختی بھی ایک حد سے زیادہ ہو تو دڑار بن جاتی ہے۔اور ان کے تعلق میں تو پہلے سے ہی ہزار پیوند لگے ہوئے تھے اب بس عمر اور برسوں کی کمائی عزت کا بھرم باقی تھا۔

دن بدن شوبز میں بڑھتے قد نے جبران عباسی کو تو ساتویں آسمان پر پہنچایا ہی تھا، ساتھ اس کی ماں بہن کے پیر بھی زمین پر نہیں ٹکتے تھے، آئے دن کی پارٹیاں، ایونٹ اور اس چکاچوند دنیا کے لوگوں کی ذاتی تقریبات اور کچھ نہیں تو فضول کی بیرونی ملک کا دورہ۔

پر اتنا کسی کے پاس وقت نہیں تھا کہ اس بن ماں کے بچے کی خبر گیری کر لیں۔

جبران بھی شاز و نادر ہی انھیں دستیاب آتا تھا، جب بھی ہاتھ آتا انھوں نے آڑے ہاتھوں لیا پر اس کا وہی تھا۔۔

"ڈیڈی، اتنے چھوٹے بچے سے کیسے ملا جا سکتا ہے اسے کیا پتا کون کون ہے، اور مجھے تو بچے کو اٹھانا بھی نہیں آتا۔"

جواباً عباسی صاحب اسے تاسف سے دیکھتے رہ جاتے تھے۔

اپنی پہلی اولاد کیلئے لوگ پاگل ہوتے ہیں، اناڑی پن سے ہر چھوٹے بڑے کام سیکھنے کے سو سو جتن کرتے ہیں اور ان کی اولاد کے ایسے فرمودات تھے کے کلیجہ کٹ جاتا تھا۔

novel jnikht

موسم بدلا تھا جس وجہ سے انس کی طبیعت متاثر ہوئی تھی، وہ آفس سے جلدی چھٹی کر کے اسے لیکر ہسپتال چلی آئی تھی، آسیہ بیگم نے کہا بھی تھا کہ وہ چلی جاتی ہے۔ لیکن انس کو اس نے اپنی ذمہ داری نہیں بلکہ فرض بنا لیا تھا جو وہ خوش اسلوبی سے نبھاتی تھی۔۔

وائرل چل رہا تھا لہٰذا ہاسپٹل میں ٹھیک ٹھاک بھیڑ تھی۔ نمبر لگانے کے باوجود کوفت بھرا انتظار ناگریز تھا۔

اس وقت انس کو سمیٹ کر گود میں لئے ویٹنگ ہال میں بیٹھی اپنے نمبر کا انتظار کر رہی زرناب کا موڈ سخت خراب ہو رہا تھا۔

وجہ ٹی وی اسکرین پر جگمگاتا ہوا وہ قابل نفرت چہرہ تھا۔

ٹانگ پر ٹانگ جما کر صوفے پر بیٹھا جبران عباسی اور اس کے پہلو میں بیٹھی خوبصورت سی ہیروئن، جو بات بے بات انٹرویور کی بات پر ہاہا کرتی ہوئی لہرا کر جبران کی جانب لڑھکتی ہوئی نزاکت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ رہی تھی۔

ان کا حال ہی میں ڈرامہ ختم ہوا تھا، جسے شائقین کا ذوق وشوق کامیابی کی بلندیوں پر لیکر گیا تھا جس کی خوشی میں وہ انٹرویو دے رہا تھا ورنہ تو جبران عباسی آسانی سے انٹرویو دیتا نہیں تھا۔

یہ اس کے پہلو میں بیٹھی دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسکرین کو دیکھ رہی خاتون کا تبصرہ تھا۔

"جبران! آپ کے فینز جاننا چاہتے ہیں کیا آپ کو چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھانا آتا ہے۔۔۔؟ "

ادھر ادھر کے سوالوں ہنسی مذاق بلاوجہ کے ٹھٹھے لگانے کے بعد منچلے سے اینکر نے ذرا سنبھل کر پوچھا۔

جواباً اُدھر جبران کی ادھر زرناب کی نگاہ یک ہی وقت میں اٹھی۔

"جی، آتا ہے، بٹ زیادہ دیر ہولڈ کیا نہیں۔۔۔"

مخصوص ٹھہرے گمبھیر لہجے میں اس نے جواب دیا، وہی لہجہ جس کی صدف جیسی لڑکیاں دیوانی تھی۔ صدف اکثر کہتی تھی۔

"تم جانتی ہو زری، ان کی آواز میں ایک الگ سا بھاری پن ہے بلکہ خمار ہے، بندہ نہ چاہتے ہوئے بھی مرعوب ہو جاتا ہے، مانو کسی خطرناک ڈرگ کا نشہ، جس سے کانٹیکٹ میں آتے ہی انسان مدہوش ہو جاتا ہے، میری تو سانس و دھڑکن کا تال میل ہی بگڑ جاتا ہے۔" بتاتے ہوئے بھی صدف کی آوازیوں بوجھل ہو جاتی تھی کہ زرناب کو اس پر بیک وقت غصہ اور ترس آتا تھا۔

میں درد کا گاہک ھوں، سو بُہتان تراشو
بُہتان بھی ایسا کہ کمر توُڑ کے رکھ دے
اِک درد اُٹھے پَیر کے ناخن سے اچانک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اور جسم سے ھوتا ھوا سر پھُوڑ کے رکھ دے۔!

کانوں میں ہوئی بازگشت سے زخم دل جلنے لگا تو وہ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر واپس سوئے ہوئے انس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اور مس شبرینہ آپ کو۔۔۔؟" اینکر نے شوق نگاہ پہلو میں جلوہ دکھارہی ہیروئن کی جانب اٹھائی۔

"مجھے؟ بھئی، مجھے تو بہت پسند ہے چھوٹے بچے، خاص کر بہت چھوٹے بچے، نرم ملائم سی ان کی جلد، اتنے چھوٹے سے چہرے پر آنکھ ناک ہونٹ۔۔افف، میں گھر کی چھوٹی ہوں تو جب بھی بریک پر جاؤں بھائی بہن سب کے بچوں کو اکٹھا کر کے کھیلنے لگ جاتی ہوں، سب کہتے ہیں لگتا ہی نہیں تم کہیں کی ہیروئن

ہو، بھئی! میں ایسی ہی ہوں، بچوں کے ارد گرد سب فراموش کر دیتی ہوں۔۔۔۔ "

ہیروئن صاحبہ کچھ زیادہ ہی پر جوش ہو گئی تھی۔۔

غرض محترمہ نیک، معصوم، ملنسار محبت کرنے والی ہیروئن کے کردار سے نکلی نہیں تھی ابھی تک۔

جواباً وہاں شو پر موجود شائقین اور یہاں ایل ای ڈی میں دیکھ رہی شائقین اس معصومیت اور سادگی کے صدقے واری گئے تھے۔

اینکر نے مزید اسی جواب سے چھانٹ کر چند ایک سوال کیئے۔ پھر دوبارہ سنبھل کر بولا۔

"پھر تو آپ نے ہمارے چھوٹے سے پرنس انس عباسی صاحب کو بھی گود میں اٹھایا ہو گا۔۔۔؟" ہوسٹ کے ایک مرتبہ پھر پر جوش انداز میں کیئے سوال پر زرناب نے چونک کر سر اٹھایا۔

اب اس کی آنکھوں میں واضح سرد پن تھا۔

"ہماری ایسی قسمت کہاں ؟"ہیروئن نے شاکی نگاہ صوفے کی ہتھی پر ہاتھ پھیلائے شاہانہ انداز میں بیٹھے جبران عباسی پر ڈالی۔

"بھئی ! ایسا کیوں ؟"ہوسٹ سمیت سب کی دلچسپی بڑھی۔

سیلیبرٹی سے لیکر عام آدمی تک جہاں اپنی زندگی کے ہر لمحے کو سوشل میڈیا کی زینت بنا رہے تھے ،وہیں جبران عباسی کی پرسنل لائف بند کتاب ، مقفل دروازے جیسی تھی۔ جسے جاننے کا عوام کو پاگل پن کی حد تک کریز تھا۔

حتیٰ کے صدف کی انتقال کی خبر بھی کئی دن بعد آوٹ کی گئی تھی اور انس کا نام بھی کافی ہفتے بعد اوٹ ہوا تھا۔

جبران عباسی نے غیر محسوس انداز میں پہلو بدلہ ، مطلب صاف تھا کہ اسے اپنی پرنسل لائف ڈسکس کرنا نہیں پسند تھا۔ لیکن ریٹنگ کے چکر میں ہوسٹ نے ان ڈائریکٹلی اسے گھیر لیا تھا اب پہلو تہی کرتا تو بنے بنائے امیج پر بات آجاتی۔

"انس دراصل اپنی نانو کے پاس ہوتے ہیں ، مجھے بھی کم ہی موقع ملتا ہے ان سے ملاقات کا۔۔۔"اپنا امیج بھی تو برقرار رکھنا تھا لہٰذا بڑے ہی سبھاؤ سے اس نے پردہ رکھا۔

"اہ! مطلب ہمارے پرنس وی وی ای پی ہیں، اپنے پاپا کو بھی دستیاب نہیں ہوتے۔۔۔" ہوسٹ نے حسب عادت اسے بریکنگ نیوز کے انداز میں چہک کر آڈینس کو مخاطب کیا تو جوش وولولہ کے ساتھ حال گونج اٹھا۔

احمق عوام نے یہ سوچنے کی قطعی زحمت نہیں کی تھی کہ باپ کہیں کا سپر اسٹار ہو یا عام آدمی بچے کیلئے باپ ہی ہوتا ہے، اور بچے کا حق ہے کہ اسے باپ کا قرب ملے، اس صورت جب وہ ماں بھی کھو چکا ہے۔

زرناب کو اپنے اندر لاوا ابلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

پاس بیٹھی عورت واپس تبصرہ دے رہی تھی۔

"یہی صحیح ہے، ورنہ تو آج کل کے بے غیرت چھچھڑی ٹک ٹاک سلیبریٹیز تو پریگننسی رپورٹ پازیٹو آنے سے لیکر بچے کی پیدائش تک ہر ہر سیکنڈ کی رپورٹ سٹوری پر لگاتے رہتے ہیں، بے شرم بے حیا لوگ، ایک جبران عباسی ہے، بیوی دنیا سے چلی گئی لیکن آج تک اس نے اس کی تصویر کو سوشل سائیڈ کی زینت بننے نہیں دی، نہ بیٹے کو دنیا کے سامنے لایا۔۔ مرد کو ایسا ہی ہونا چاہئے مضبوط و غیور، نا کہ ہر چیز کو ہی پی آر پیکیج کی طرح استعمال کرنے والا۔۔۔" اس کے پہلو میں

بیٹھی خاتون کا دم دار عقیدت مندانہ تبصرہ بتا رہا تھا وہ جبران عباسی کی کتنی بڑی پرستار ہے۔

جواباً زرناب کا من کیا کہہ دے بی بی تم جانتی کیا ہو اس مکار شخص کے متعلق؟ وہ فریبی آدمی تو اصل اور افسانہ دونوں ہی زندگی میں بہت بڑا ماہر اداکار ہے۔

سوشل میڈیا تو کیا اصل زندگی میں بھی اس ہرجائی صفت انسان نے بیوی کو بیوی نہیں سمجھا، وہ دنیا سے چلی گئی اور وہ بے حس دوسرے دن جنازے کو کندھا دینے غیروں کی طرح آیا تھا اور بیٹا اس کا اب پانچ ماہ کا ہونے والا ہے اسے ایک دن باپ کی زور زبردستی پر بامشکل پانچ منٹ کا وقت ملا بیٹے کو دیکھنے کیلئے۔۔

وہ تو زرناب گھر نہیں تھی جب وہ آیا تھا، ورنہ وہ اس شخص کا وہ حشر کرتی کی وہ حشر تک یاد رکھتا۔۔

وہ متنفر سوچوں کے الاؤں میں جلتی کڑھتی ضبط کی حدود کو چھو رہی تھی۔

"ویسے آپ کا بے بی کتنے ماہ کا ہو گیا ہے۔۔۔؟"

ٹی وی پر ایڈ آ رہا تھا تبھی وہ عورت اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"پانچواں لگے گا اگلے ہفتے۔۔۔" وہ سنبھل کر بولی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"ماشاءاللہ، بہت پیارا ہے بالکل فلموں والے بچوں جیسا، کیا نام ہے۔۔۔؟" اس نے سوئے ہوئے انس کے سرخ وسفید گال کو چھوا۔

"انس عباسی!" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی۔

جس پر عورت نے چونک کر اس کا بے تاثر چہرہ دیکھا پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔۔

"ہاہاہا۔۔ مطلب آپ بھی جبران عباسی کی فین ہیں، اففف! نہ پوچھیں، جب سے پتا چلا ہے جبران عباسی کے بیٹے کا نام انس ہے، میرا بھی شدید کرش آیا ہوا ہے اس نام پر، لیکن کیا کریں میری بیٹی ہوئی ہے وہ بھی جبران عباسی کے بیٹے سے دو ماہ بڑی ہے، ورنہ میں نے رکھ ہی دینا تھا، پر امید پر دنیا قائم ہے رکھنا تو ہے مجھے یہ نام۔۔۔!" وہ لجا کر بولی تو زرناب نے تاسف زدہ نظر اس پر ڈالی۔

اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ جس شدت سے وہ ہر جملے میں جبران عباسی کا نام استعمال کر رہی تھی اس کی محبت وعقیدت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔

"کیا واقعی ان کا نام انس عباسی ہے۔۔۔؟"

"یہ جبران عباسی کا ہی بیٹا ہے۔۔۔" وہ کہہ کر بیگ اور انس کو سنبھالتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

"مذاق تو نہیں کریں۔۔"

وہ عورت ہنس پڑی۔

"آپ کو لگتا ہے؟ "

زرناب کی آنکھیں سکڑی تھی۔

"واقعی؟"

وہ عورت اوراس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ ہڑ بڑا کر کھڑی ہوئی۔

"انس عباسی کو لیکر اندر آجائیں، میڈم انتظار کر رہی ہے۔۔"نرس نے آکر اطلاع دی تو وہ ایک سپاٹ نظر ہونق بنی کھڑی اس عورت پر ڈال کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

novel jnikht

موجودہ دور کے حالات کے تناظر میں 'جنگل کی آگ' کی جگہ سوشل میڈیا پر بات پھیلانے کی مثال زیادہ موقع کی مناسب سے سوٹ کرتی ہے۔

وہ انس کو ہسپتال سے لیکر ابھی گھر پہنچ کر فریش ہی ہوئی تھی کہ اس کی کلیگ سدرہ کی کال موصول ہوئی۔ جواباً اس نے واٹس میں بھیجے گئے لنکس کو اوپن کر کے دیکھنے کا کہتے فون بند کر دیا تھا۔

پورے سوشل میڈیا پر جیسے انس کے نام کا طوفان آیا ہوا تھا۔ انس کا آدھے کمبل میں چھپے چہرے والی تصویر ہر جگہ گردش کر رہی تھی۔ کوئی جبران عباسی کے نور نظر کو دیکھ کر اس زندگی کے کامیاب ہو جانے کی خوشی میں پاگل تھا تو کوئی کچھ۔ بے زاری سے اسکرول کرتے اس کی نظر ایک الگ قسم کی پوسٹ پر سے گزری جہاں ایڈمن صاحب جبران عباسی کو رگید رہا تھا کہ وہ بچے کا خیال نہیں رکھتا، اتنے بڑے سپر اسٹار کا بچہ معمولی سے ہسپتال میں دھکے کھا رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔

کمنٹ میں اندھی عوام بھی اندھی اطاعت کا ثبوت دیتی لگی ہوئی تھی، کوئی تائید کر رہا تھا تو کوئی تردید۔

زرناب نفی میں سر ہلاتی فون آف کر کے بے فکر سو رہے انس کے پہلو میں دراز ہو گئی تھی۔

وہ انس کو جس ہسپتال لیکر گئی تھی وہ شہر میں بچوں کا مشہور ہسپتال تھا، ورنہ کیا معمولی سے نزلہ زکام کیلئے امریکا سے ڈاکٹر منگوایا جاتا، صرف اس لئے کہ وہ دی جبران عباسی کی اولاد تھا۔۔؟ مطلب کی حد ہی تھی اندھی اطاعت و عقیدت کی۔۔۔

یہ احمق عوام بھی سلیبریٹز کو نجانے کیا سمجھتی ہے۔۔؟

خواہ مخواہ ہی ان سے متاثر ہونے کے نام پر انھیں ہوا بنا کر رکھا ہوا ہوتا ہے۔

وہ سر جھٹکتی آنکھیں موند گئی تھی۔

انس کے متعلق اس کے کلیگز میں صرف اس کی بہترین دوست سدرہ کو معلوم تھا اور فوٹو میں بھی انس کا چہرہ اتنا واضح نہیں تھا لہٰذا اسے کم از کم ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

البتہ جبران عباسی کی پی آر ٹیم کو اپنی نیند چین حرام کرنے کی ضرورت ضرور تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

عباسی صاحب نے گھر میں قدم رکھا تو وہاں ایک طوفان کو اپنا منتظر پایا، جواباً نا کوئی خاص رد عمل دیئے وہ جا کر صوفے پر براجمان ہو گئے تھے، ملازمہ پانی لانے چلی گئی تھی، ادھر تینوں ماں بیٹیاں سٹیشن سے چھوٹی ہوئی ریل کی طرح ایک ساتھ شروع ہو رہی تھی ایک ساتھ ٹھہر رہی تھی، جس کا ایک لفظ بھی ان کے پلے نہیں پڑ رہا تھا نہ ہی انھوں نے تگ و دو کی تھی۔

"کچھ بولیں گے بھی آپ۔۔۔؟"

انھوں نے گلاس سائیڈ ٹیبل رکھا تو تن فن کرتی ہوئی زینت بیگم آکر ان کے پہلو میں ٹکی۔

"میں کوئی احمق نہیں ہوں جو بنا سوچے سمجھے منہ آئی بات بولتا چلا جاؤں، جو معاملات میری سمجھ نہیں آتی میں خاموشی کو ترجیح دیتا ہوں۔۔"

وہ مخصوص رعب و سبھاؤ بھرے انداز میں بولے۔

"واہ! یہ بھی خوب کہی آپ نے پروفیسر صاحب، جانے تو جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے۔۔۔"

زینت بیگم تو بھڑ بھڑ جل ہی اٹھی تھی ان کے اس درجے لاعلمی پر۔

"کونسا گل کھل گیا ہے جس سے میں لاعلم ہوں۔۔۔؟"

"وہی جو آپ کے عزیزوں نے سوشل میڈیا پر کھلایا ہے۔۔" وہ تنک کر بولی۔

"سوشل میڈیا پر وقتِ کے زیاں کو میں انتہائی کوئی غیر مہذبانہ فعل سمجھتا ہوں، پر افسوس میرا تو پورا خاندان ہی فلم انڈسٹری بنا ہوا ہے، آپ کو کس عزیز پر اعتراض ہے۔اور ہے بھی تو اس سلسلہ میں بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟ آخر آپ ہی کی تو توشہ ہے ساری۔۔۔۔"

انھوں نے بے نیازی سے پہلو جھاڑے۔

"میں اور میری اولاد تو خیر ہے ہی بری، پر میں آپ کے عزیز دوست پروفیسر فاروق کی چالبازی کی بات کر رہی ہوں۔۔"

وہ عاجز آ کر انتہائی تحقیر آمیز انداز میں بولیں۔

"زبان سنبھال کر زینت بیگم، ان لوگوں کی شان میں میں کوئی گستاخی قطعی برداشت نہیں کروں گا۔۔۔"

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

پروفیسر صاحب یکایک بھڑکے تو دونوں بیٹیوں نے جھٹ آگے بڑھ کر ماں کو سنبھالا جبکہ ثمرن نے فون باپ کے آگے کیا۔

"انس کی تصویر۔۔اور یہ سب کیا ہے۔۔۔؟"

تہائی حصہ چھپا ہونے کے باوجود وہ اپنے پوتے کو پہچان گئے تھے ساتھ پوسٹ اور کیپشن دیکھ کر ان کے ماتھے پر ان گنت ناگواریت کے بل پڑے۔۔

"سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان طریقہ، کسی سپر اسٹار سے خود کو منسلک کر لو۔۔"

زینت بیگم زہر خندگی سے واپس بولی۔

"نہیں میں پوچھتی ہوں ہمیں کیا کوئی کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ہم کیا ایک بچہ نہیں پال سکتے جہاں دو درجن ملازم پال رہے ہیں اور۔۔۔"

"میرے پوتے اور ملازم کی حیثیت برابر نہیں ہے زینت بیگم۔۔"

انھوں نے غضب خیزی سے ٹوکا۔

"نہ سہی، لیکن آپ کے عزیز دوست نے حرکت تو کچھ ایسی ہی کی ہے، ارے! ہم نے تو سوچا تھا بیٹی کا غم تازہ ہے اسی لئے بچے کو ان کے پاس چھوڑ دیا، ورنہ کیا

ہم ایک نینی ہائیر کرنے کی حیثیت نہیں رکھتے؟اور اگر اتنا ہی ان پر بچہ بوجھ بن گیا تھا تو عزت سے سونپ دیتے ہمیں یا اس کے خرچے کے پیسے لے لیتے ضروری تھا یہ تماشا لگا کر میرے بیٹے کا نام خراب کرنے کی سستی کوشش کرنے کی۔اور بھلا کیا ضرورت تھی بچے کو تُجے سے ہسپتال لیکر جانے کی،ہم سے پیسہ لے لیتے اور کسی بڑے ہسپتال لیکر جاتے۔۔"

زینت بیگم کی زبان کے آگے تو گویا خندق ہی تھا جو شروع ہوئی تو پھر ساری بھڑاس نکال کر ہی چپ ہوئی۔

"ہو گیا آپ کا۔۔۔؟"

عباسی صاحب نے بڑے ضبط سے سننے کے بعد چبا کر پوچھا۔

"زرناب بیٹی مجھے بتا کر انس کو ہسپتال لیکر گئی تھی،اور جس ہسپتال لیکر گئی تھی،اس کا شمار شہر کے بہترین چائلڈ اسپیشلسٹ میں ہوتا ہے۔اور جن لوگوں کے متعلق آپ بات کر رہی ہیں،اگر آپ کے پاس دولت کی ریل پیل ہے تو سڑک چھاپ وہ لوگ بھی نہیں ہیں۔۔۔"

انھوں نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ جتایا تو تینوں ماں بیٹی نے تنفر سے ہنکار بھرا۔

"اور اگر سوشل میڈیا پر لکھا بھی گیا ہے تو غلط کیا ہے؟ کب آپ ماں بیٹی یا آپ کے سپوت کو توفیق ہوئی ہے اس معصوم جان کی خبر گیری کی۔۔؟آپ لوگوں کو تو اپنی ہی سوشل ایکٹو ٹیز سے فرصت نہیں بھلا اس بن ماں کے بچے کی آپ کیا خبر گیری کریں گی،اور بچے سینے سے لگا کر پالے جاتے ہیں نینی کے حوالے کر کے نہیں۔۔ لیکن آپ کو سمجھانا تو۔۔۔۔"

تاسف زدہ مگر کرخت نظر تینوں پر ڈال کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔

پیچھے دونوں ماں بیٹی پیچ وتاب کھاتی رہ گئی تھی۔۔

ان تینوں ماں بیٹی کیلئے جبران عباسی کی ماں بہن ہونے کا خطاب اس دنیا کی کسی بھی شئے سے زیادہ اہم تھا اس خطاب پر حرف آتا دیکھنا ان کیلئے سوہان روح تھا، دستبردار ہونے کی سوچ شائدان کی روح ہی قبض کر لے۔ معاملہ اتنا گمبھیر تھا نہیں، جتنی سنجیدگی سے ان تینوں نے لیا تھا۔

شوبز کے ستاروں کے متعلق تو مثبت و منفی خبر گردش کرتی رہتی ہے، انھیں مطلب ہوتا ہے تو فقط چرچے میں رہنے سے مثبت یا منفی بھلا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

لیکن جس مستقل مزاجی سے انھیں کالز موصول ہو رہی تھی تینوں کا دماغ بالکل ہی آوٹ ہو گیا تھا۔

novel by j nikhat

رات تینوں کی مختلف سوشل سائیڈز اسکرول کرتے دل و آنکھ جلاتے گزری تھی، جبران گھر آیا نہیں تھا جو تسلی ہو جاتی اور فون بھی اس نے آف کرر کھا تھا شائذ شو کی کامیابی کی خوشی میں رکھی گئی پارٹی کے بعد کسی ہوٹل میں سٹے کیا تھا اس نے۔

ادھر ان تینوں کا نیند چین حرام ہو گیا تھا کال رسیو کر کر کے، چند ایک لائک، فالوورز اور ویوز کیلئے لوگوں نے من آئی نیوز ہر جانب چھاپ دی تھی۔۔ جس سے ان تینوں کا بی پی بتدریج بڑھتا جارہا تھا۔

"آپ بات کریں گے ان لوگوں سے کچھ یا نہیں۔۔۔؟"

عباسی صاحب ناشتے کی ٹیبل پر آئے تو زینت بیگم نے جلے بھنے انداز میں پوچھا۔ جواباً انھوں نے ناقدانہ نظر ہمیشہ نک سک سے تیار رہنے والی اپنی بیگم پر ڈالی، نائٹ سوٹ میں بکھرے الجھے بال، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، شب خوابی

کی چغلی کھاتی سرخی مائل آنکھیں۔ نفی میں سر ہلاتے وہ ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے۔۔؟"

وہ گیلی لڑکی کی طرح سلگ رہی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا ان لوگوں سے کچھ بات کرنے جیسا ہے۔۔" بے نیازی سے شانے اچکاتے انھوں نے اخبار اٹھا لیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

وہ زہر کا گھونٹ بھرتی اتنا کہہ کر تن فن کرتی اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

novel by j nikhat

"کون آیا ہے۔۔؟ اور یہ آوازیں کیسی؟ "

وہ ابھی ابھی آفس سے آئی تھی ڈرائینگ روم سے بلند ہوتی آواز پر کچن میں لوازمات کی ٹرے تیار کر رہی ملازمہ سے پوچھا۔

"جی! وہ صدف بی بی کی ساس آئی ہے، خاصی غصہ میں لگ رہی ہیں۔۔۔"

ملازمہ نے یوں نیچی آواز میں بتایا تھا جیسے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔۔

سوائے عباسی صاحب کے عباسی خاندان کے کسی بھی بندے پر سلامتی بھیجنے کے ثواب سے وہ اجتناب ہی کرتی تھی، لیکن آج جواب دینے کا دن تھا لہٰذا بیگ وہیں سائیڈ اسٹینڈ پر رکھ کر وہ ڈرائینگ روم کی طرف بڑھی۔

"باجی، آپ نہ ہی جاؤ جی بڑوں کی باتیں ہے۔۔۔"

ملازمہ چونکہ اس کے مزاج سے واقف تھی لہٰذا ترنت مصلحتاً بولی جسے سنا ان سنا کر کے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

" یقین کریں بھابی، ہم خود حیران ہیں انس کی تصویر کب اور کس نے لی، ہمیں بھلا کیا فائدہ انس کی تصویر میڈیا کو دینے سے۔۔؟"

آسیہ بیگم لجاجت سے بولی۔

"فائدے کی تو خیر بات ہی نہیں کریں آپ، فائدے تو خیر بہت ہیں۔۔۔ "

زینت بیگم کروفرانہ انداز میں دیدے نچا کر بولی۔

"ذرا روشنی ڈالنے کا تکلف اٹھائیں گی ان فوائد پر، تا کہ ہماری ناقص معلومات بھی ذرا اپ ڈیٹ ہو جائے۔۔۔؟"

ڈور فریم میں ٹھہر کر سینے پر بازو باندھتے اس نے ان کے میک اپ سے دمکتے چہرے پر سپاٹ نظر ٹکائی۔

"جبران عباسی سے رشتے داری سے کیا کم فائدے پہنچ سکتے ہیں۔۔۔؟"

انھوں نے تنک کر تفاخر سے جتایا۔

"اچھا۔۔؟اس نے استہزائیہ ہنستے سینے پر بازو باندھے۔مثلاً کیسے فوائد۔۔؟کیا جبران عباسی کے رشتے دار ہونے کے ناتے ہمیں

بجلی،پانی،پیٹرول،آٹا،گوشت، گروسری،سبزی ترکاری سب مفت ملا کرے گی۔۔؟یا ورک ٹیکس،روڈ ٹیکس،پراپرٹی ٹیکس،لون ٹیکس،انویسٹمنٹ ٹیکس معاف کردیا جائے گا۔۔؟اگر ایسا کچھ ہے تو افسوس ہے ہم اتنے سال تک ان فوائد سے بے وجہ محروم رہے ہیں۔۔۔"

اس نے سپاٹ مگر تمسخرانہ انداز میں شانے اچکائے تو زینت بیگم تلملا کر اپنی جگہ کھڑی ہوئی۔

"لڑکی۔۔تم تم۔۔۔"

چھٹاک بھر کی لڑکی جرات پر مارے بے عزتی کے ان سے الفاظ آپس میں گڈ مڈ ہو گئے تھے۔بس نہیں چل رہا تھا وہ مقابل آنکھوں میں نفرت کے چنگاڑی لئے کھڑی لڑکی کا کیا کر دیں۔۔

"جبران عباسی کی نام و شہرت سے آپ کا دانہ پانی چلتا ہے ہمارا نہیں، لہٰذا اس کے نام کی دھونس ہم پر ڈالنے کی کوشش نہیں کریں، جبران عباسی سے کسی قسم کا واسطہ رکھنے کو کم از کم ہم اعزاز کا مقام نہیں سمجھتے، سمجھتے ہوتے تو بہت پہلے پبلکی یہ ٹھپہ لگا چکے ہوتے، ہم عزت دار اور غیور لوگ ہیں، کسی کی شناخت و سفارش کی بیسا کھی لیکر چلنا ہمارا شیوہ نہیں، یہ نام جہاں تک ہمارے لیے قابل نفرت اور اذیت کا دوسرا تعارف ہے، اس لیے یہ دھونس ہم تو ڈالیں ہی مت۔۔۔"

برسوں سے جو اس کے اندر لاوا پک رہا تھا اور فقط صدف کا چہرہ دیکھ کر وہ چپ رہتی تھی آج اس نے وہ سارے شعلے بنا کسی رکاوٹ کے اگل دیئے تھے۔

"زرناب۔۔یہ۔۔یہ کیسے بات کر رہی ہو تم۔۔۔؟"

زینب بیگم کا غصہ و اشتعال سے سرخ چہرہ دیکھ آسیہ بیگم کے ہاتھ پیر پھولے۔

"میں صرف عباسی اور فاروق بھائی کی دیرینہ دوستی کا لحاظ کر رہی ہوں

ورنہ۔۔۔"

ان سے کچھ بن نہیں پڑا تو وہ عجب سے منطق لیکر پھنکاری۔

"نہیں بھابی بچی۔۔"

"ہم بھی اب تک لحاظ ہی کرتے آرہے ہیں، پر مزید کوئی ارادہ نہیں ہے کرنے

کا۔۔۔"

آج تو گویا وہ اپنے منہ میں کلاشنگوف فٹ کر کے آئی تھی۔

"یہ۔۔یہ تربیت کی ہے آپ نے لڑکی کی۔۔۔؟"

اس دودھاری تلوار کے آگے تو زینب بیگم جیسی خرانٹ عورت کے کانوں سے

دھواں نکلنے لگا۔

"جس کی اچھی تربیت کی تھی، اسے دنیا نے روند کر منوں مٹی تلے سلا دیا ہے

،اب جو ہے یہی تربیت ہے، جس سے برداشت ہو منہ لگے جس سے نہ ہو وہ

ہماری بلا سے جہاں مرضی جائے۔۔"

وہ تنفر سے ہنکار بھر کر بولی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"کیا۔۔کیا کمی کی تھی ہم نے صدف کو۔۔۔؟"

ایک اور الزام پر وہ بلبلا ہی تو اٹھی تھی۔

"محبت کی کمی،اپنائیت کی کمی،قدر دانی کی کمی،الغرض ہر ہر چیز کی کمی۔۔گنواؤں تو وقت کم پڑ جائے،لیکن جسے خود احساس نہ ہوا سے لفظوں کی مار بھی تو نہیں لگتی۔۔۔"

وہ زہر خندگی سے جتاتی ہوئی بولی تو زینت بیگم کی بس ہی ہو گئی۔

"زرناب،چپ کرو اور اندر جاؤ فوراً۔۔بھابی اس کی طرف سے میں معافی چاہتی ہوں یہ بچی ہے۔۔آپ۔۔۔"

"ایک سیکنڈ میں یہاں نہیں رکوں گی،ارے! بڑے بڑے رئیس وامراء مجھ سے ملنے کیلئے ترستے ہیں،اور میں یہاں بے عزتی کروانے چلی آئی ہوں۔۔۔"

وہ پرس اٹھاتی تن فن کرتی ڈرائینگ روم سے نکلی۔

"بھابی پلیز،آپ سمجھنے کی کوشش کریں،اسے عقل نہیں ہے،یوں ہی اناپ شناپ بولتی ہے بچی سمجھ کر معاف کر دیں۔۔"

آسیہ بیگم ان کے برابر نکلی۔

عباس صاحب اور فاروق صاحب کی برسوں کی دوستی کہیں ایک چھڑپ کے نظر نہ ہو جائے۔

"جی! جی! بچی دودھ پیتی بچی۔۔"

انھوں نے ترش نظر بناشر مندہ ہوئے اطمینان سے کھڑی زرناب پر ڈالی۔

"بھائی صاحب کو بتا دیجئے گا اگلے ہفتے آؤں گی، انس کو لیجانے، آپ لوگوں کا خیال کر کے یہاں چھوڑا تھا، لیکن اب گنجائش نہیں رہی خیال کرنے کی، ہمارا بچہ ہے پال سکتے ہیں ہم اسے۔۔۔"

دہلیز عبور کرتے وہ آخری میزائل ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

آئی تو پختہ ارادہ کر کے سنانے تھی پر ٹھیک ٹھاک بے عزتی کروا کر جاتے مقابل کے خیمے میں آنسوں گیس پھیک کر نکلی تھی۔

"یہ۔۔یہ کیا کیا زرناب تم نے؟"

آسیہ بیگم ہراساں سی چوکھٹ سے ٹیک لگائے مطمئن کھڑی زرناب کے قریب آئی۔

"جو ہمیں بہت پہلے کرنا چاہئے تھا۔۔"

چوکھٹ کا ٹیک چھوڑ کر اس نے پشت سے نادیدہ دھول جھاڑتے کہا۔

"زرناب"!

ان کے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔

"بہت ہوگئی ممی شرافت، اچھائی، وضع داری، لیکن اب بس، اب کوئی پتھر پھینک کر مارے گا تو ہم بھی پہاڑ اٹھا کر بدلہ لیں گے، اچھائی کا زمانہ نہیں ہے یہ، یہاں اچھے لوگ یا تو 'کرب' میں ملتے ہیں یا پھر 'قبر' میں، اس لیے اب سے جیسا دیس ویسا بھیس والا اصول چلے گا۔۔۔"

عجیب سے انداز میں کہتی وہ کمرے کی جانب مڑ گئی تھی۔

"اُفف! میرے خدایا، کیا کروں میں؟ کیا ہوتا جا رہا ہے اس لڑکی کو۔۔"

آسیہ بیگم دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئی تھی، دن بدن زرناب کی شخصیت میں گھر کرتی تلخی و جارحیت نے اس کے مزاج کی شوخی و شریر کو کہیں دفن کر دیا تھا۔

ایک شام پھر یوں ہوا کہ ہواؤں کے ض

بجھتے ہوئے اک چراغ نے جلنے کی ٹھان لی

novel by j nikhat

"تو آپ کو کیا ضرورت تھی بنا میری علم میں لائے وہاں جا کر ہنگامہ کھڑا کرنے کی۔۔۔؟"

عباسی صاحب نے ناگوار نظر بیوی پر ڈالی۔

"جی! جی! آپ تو سارے الزامات کی بوچھاڑ مجھ ہی پر کریں گے، ان لوگوں نے تو جیسے بڑا لحاظ کیا، بلکہ پھولوں کے ہار ڈالے ہیں میرے گلے میں۔۔۔"

وہ جو پہلے ہی سلگ رہی تھی ان کی بات پر شعلہ بن کر بھڑک ہی اٹھی۔

"کسی شریف انسان کے گھر جا کر بے سروپا الزام لگائیں گی تو کوئی بھی انسان ردعمل دے گا ہی۔۔۔"

وہ ذرا ان کے جذباتی تقریر سے متاثر نہیں تھے۔

ایک تو وہ اپنی زوجہ کی چرب زبانی سے خوب واقف تھے، دوسرا فاروق صاحب کی زبانی ان کی بھڑک کر دی گئی دھمکی سن کر حقیقتاً وہ شرمندہ ہو کر رہ گئے تھے۔

"جی، خوب کہی آپ نے عباسی صاحب، ایک آپ کے عزیز دوست شریف اور ان کا گھرانہ شریفانہ، ہم تو پیدائشی بدقماش بدفطرت لوگ ہیں ناں، ان کی مہربانی جو انھوں نے عزت سے روانہ کر دیا، ورنہ پولیس بھی بلواتے تو آپ حق بجانب ٹھہراتے انھیں۔۔۔"

زینت بیگم کو کچھ نہ سوجھا تو آنسوں کا ہتھیار نکال لائی تھی۔

"ناحق بات نہیں کریں بیگم "!

وہ جو متاثر ہوئے ہوں۔

"جی، آپ کی ساری حق پسندی تو اوروں کیلئے ہی ہے۔ لیکن میں بھی ایک بات صاف کر دوں ایک ہفتہ کے اندر میں بچے کو لیکر آؤں گی چاہے جو ہو جائے۔۔۔"

آنسوں کا اثر نہ ہوا تو فوراً گرگٹی وہ تنفر سے بولی۔

"جی، اگر آپ فضول قسم کی پارٹی شارٹی اور بے وقت کے مہمانوں کو بھول کر بچے کو سنبھال سکتی ہیں تو شوق سے۔۔۔۔"

انھوں نے اطمینان سے ملبہ گرایا۔

"میں۔۔میں کیوں سنبھالوں بھلا۔۔؟نینی رکھیں گے کمی ہے کیا۔۔؟"

وہ یوں بدکی تھی جیسے ابھی بچہ ان کی گود میں ڈالا جارہا ہوں۔

"جی نہیں، میں اپنے پوتے کو کسی باہر والی عورت کے بھروسے نہیں چھوڑنے والا، لانا ہے تو خود ذمہ داری لیں، ورنہ سکون سے رہیں۔۔۔"

عباسی صاحب قطعیت سے بولے۔

"پروفیسر صاحب، آخر آپ کو ہمیشہ ہمارے خلاف ہی کیوں جانا ہوتا ہے۔۔۔؟"

"کیونکہ میرے پاس دماغ ہے، جو مجھے آپ لوگوں کی حمایت کی حماقت سے گریز پار کھتا ہے۔۔۔"

وہ بنا ادھار رکھے بولے تھے۔

"ٹھیک ہے ایسی بات ہے تو ہم جبران کی دوسری شادی کروادیتے ہیں۔۔۔۔"

ہمیشہ کی طرح شوہر کی قطعی انداز کے آگے انھوں نے ہتھیار ڈالتے پینترا بدلہ۔

"مجھے کبھی کبھی ناں آپ کی دماغی حالت پر شبہ ہوتا ہے۔۔۔؟"

انھوں نے عجیب سی نظر بیوی پر ڈالی۔

"کیوں؟اب میں نے کونسی انہونی بات کر دی ہے جو آپ کو میری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔۔؟اور اب صدف کے انتقال کو بھی چھ مہینے گزر چکے ہیں، آپ کیا چاہتے ہیں ساری زندگی کیلئے ہمارا بیٹا روگ لگا لے،؟میرے خیال میں یہ صحیح وقت ہے کہ جبران کی دوسری شادی کا سوچا جائے۔۔۔۔"

انھوں نے موقع غنیمت جان کر دل میں دبی بات کو الفاظ دینی چاہی۔

"ایک لمحے کیلئے جس کے چہرے پر دنیاد کھاوے کیلئے بھی غم کا سایہ نہیں لہرایا، وہ زندگی بھر کا روگ لے گا۔۔؟ بات وہ کریں جو ہضم ہونے کی ہو۔"

ہنکار بھر کر نفی میں سر ہلاتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"خیر، آپ سے اس وقت بات کرنا ہی ممکن نہیں۔۔۔"

وہ وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

"یہ۔۔یہ آدمی۔۔افففف۔۔۔۔۔"

پیچھے زینت بیگم کا تن بدن جل اٹھا تھا۔

"اس مرتبہ تو آپ کی نہیں چلے گی پروفیسر صاحب، بچہ بھی گھر آئے گا اور بہو بھی، وہ بھی میری پسند کی اونچے خاندان نام و مقام والی ناکہ۔۔۔۔"

انھوں نے تنفر سے ناک سکوڑی تھی۔

لڑکی تلاش کرنے کی خواری اٹھانے کی انھیں ضرورت ہی نہیں تھی سیکڑوں رئیس زادیاں ان کے شہزادے پر لٹو تھی، لیکن انھیں ان میں سے چننے کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انھیں ان کا گوہر نایاب مل چکا تھا۔اب ضرورت تھی تو بس گرم لوہے پر ہتھوڑا مارتے رہنے کی۔

یوں تو بچے میں انھیں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی پر زرناب کے ہاتھوں ہوئی بے عزتی کے بعد اب انس کو لانا ان کی ضد بن گئی تھی۔

Zubi Novels Zone

کبھی کبھی ہماری جذباتیت میں اٹھایا چھوٹا سا قدم ہم پر

ہماری سوچ سے بھی زیادہ بھاری پڑ جاتا ہے۔

یہی کچھ زرناب کے ساتھ ہوا تھا۔

ہسپتال میں اس نے ایسے ہی غصہ کے زیر اثر انس کے متعلق بتا دیا تھا اسے ذرا اندازہ نہیں تھا کوئی بچے کی فوٹو لیکر اتنا بڑا طوفان کھڑا کر دے گا، جس کے بعد نوبت یہاں تک آن پہنچے گی۔

زینت بیگم نے صبح واپس سے کال کر کے آسیہ بیگم کو اگلے ہفتے تک انس کو نہ صرف تیار رکھنے کیلئے کہا تھا بلکہ میڈیا میں بھی یہ بات اوٹ کر دی تھی۔

فون کال والی بات تو خیر آسیہ بیگم کا ارادہ اس سے چھپانے کا ہی تھا لیکن سوشل میڈیا پر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی خبر کا کیا۔۔؟

اس کے آفس سے گھر آ کر آسمان سر پر اٹھانے اور عباسی مِنشن جا کر وہاں کے مکینوں کا دماغ درست کرنے کی جذباتی ضد پر بڑی مشکل سے آسیہ بیگم نے اسے قابو کیا تھا۔

"ممی! آپ مجھے ایک بار جانیں دیں وہاں، اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی ان گھٹیاں لوگوں کی تو میرا نام بھی زرناب جاوید نہیں۔۔۔"

وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

بھلا وہ بے حس لوگ کون ہوتے تھے ان سے ان کی صدف کی آخری نشانی کو دور کرنے والے۔

"زرناب، سمجھنے کی کوشش کرو، زینت بیگم ذرا مختلف مزاج کی خاتون ہیں خواہ مخواہ معاملہ مزید خراب ہو جائے گا، تمہارے بابا کی برسوں کی دوستی اور انس کے مستقبل کا معاملہ ہے، تحمل سے کام لو۔۔۔۔"

آسیہ بیگم نے اس کا بازو سہلایا۔

"ان کے مزاج تو میں ایسے درست کروں گی کہ سات نسلیں توبہ کریں گی ان کی۔۔۔۔"

وہ شانت ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"زرناب، بڑی ہیں وہ، کیا یہی تربیت کی ہے میں نے تمہاری۔۔۔۔؟"

"جس نے اچھی تربیت کا ثبوت دیا اس کے ساتھ کیا ہوا دیکھا ناں آپ نے۔۔۔؟"

وہ تلخ ہوئی تھی۔

"زرناب، ایسے کفر نہیں بولو، صدف کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی، اسے ہم سے ویسے ہی بچھڑنا تھا یہی اللہ کی رضا تھی، اس میں کسی کا دوش نہیں ہے۔۔۔"

انھوں نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"میں نہیں مانتی ممی، ان سب کا دوش ہے، ان سب نے ہماری صدف کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی، سونے کا دل تھا اس کا، کبھی قدر نہیں کی ان لوگوں نے اس کی، اور مارنا صرف یہ نہیں ہوتا کے گولی مار دو، مارنا یہ بھی ہوتا ہے کہ سامنے والے کو اس کی ہی نظر میں بے مول کر دو۔۔۔" اس کی آنکھیں جھلک پڑی تھی۔

"نہیں میری بچی، ہم کسی کو خود سے محبت کرنے کیلئے، قدر کرنے کیلئے مجبور نہیں کر سکتے، یہ سب تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں قسمت کی دین ہوتی ہے۔۔۔۔"

اس کا سر سہلاتے ان کی آواز بھیگ گئی تھی۔

ان کی شہزادی بیٹی کو عباسی منشن میں ہر آسائش ملی تھی سوائے محبت و قدر اور اپنے پن کے احساس کے، جو ایک انسان کیلئے سانس لینے جتنا ہی لازم ہوتا ہے اور

'ان وانٹڈ' ہونے کا احساس کافی ہوتا ہے کسی کو اندر ہی اندر مار دینے کیلئے، انسان کو معاشرتی جانور کہا گیا ہے، وہ معاشرے سے امید کرتا ہے کہ اسے اس کی حیثیت کے مطابق قبول کیا جائے، یہ اس کی فطرت ہے۔

"تو آپ کیا چاہتی ہیں ماما صدف والی زندگی اب انس جئے۔۔۔؟"

اس نے سپاٹ بھیگی نگاہ اٹھائی تو آسیہ بیگم کا دل لرزا۔۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔۔"!!

وہ دہل اٹھی تھیں۔

"اللہ نہیں کرتا، یہ بندے ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے اشارہ پا کر بھی اندھوں کی طرح آگ میں کود پڑتے ہیں، ابھی بھی آپ وہی کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، اس وقت کچھ نہ کہنے کا مطلب تو یہی نکلتا ہے ناں ممی کہ اگلے ہفتے ہم حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق انس کو آپ کی امانت آپ کے حوالے کہہ کے سونپتے ہوئے دستبرداری قبول کر لیں گے۔۔۔۔؟"

اس نے کلیجہ چاک کر لینے والا سوال کیا تھا۔

آسیہ بیگم کو لمحے کیلئے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا، تمہارے بابا آئیں گے تو بات کریں گے ہم عباسی بھائی سے، کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔۔۔"

انھوں نے غالباً خود کو دلاسا دیا تھا۔

"حل آپ لوگ جو بھی نکالیں، انس کو میں کسی قیمت پر ان جیسے لوگوں کے حوالے نہیں کروں گی، اگر انھوں نے زور دیا تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گی لیکن ان کی مراد تو حسب منشا کسی صورت بر نہیں آئے گی۔۔۔"

وہ منتقم جذبات کی لپٹوں سے سلگتی کہہ کر سوئے ہوئے انس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو نیند میں مسکرا رہا تھا۔

novel by j nikhat

اس کی بہترین دوست اور کلیگ سدرہ کی منگنی ہونے والی تھی، اس نے تقریب کیلئے شہر کے مشہور ڈیزائنر سے لہنگا ڈیزائن کروایا تھا۔ جس کے ٹرایل کیلئے آج سدرہ اسے آفس کے بعد ساتھ بوتیک گھسیٹ لائی تھی۔

ٹرایل کے بعد سدرہ ڈیزائنر سے جیولری وغیرہ کے متعلق بات کر رہی تھی۔ جبکہ زرناب لاتعلق بنی وہاں پڑے صوفے پر بیٹھی اسٹاف کی جانب سے

پیش کیئے کافی کے سپ انجوائے کرتی ہوئی یوں ہی سوشل سائیڈ اسکرول کر رہی تھی۔

جب مانوس تفاخرانہ آواز پر اس کے کان کھڑے ہوئے، نگاہ اٹھائی تو مایوسی نہیں ہوئی، نزاکت سے سیلز گرل کو ہینگرز تھما رہی محترمہ جبران عباسی کی چھوٹی بہن صنوبر ہی تھی، ساتھ ساس محترمہ بھی جلوہ افروز تھیں۔ جن کی عقابی نظر اس پر پڑتے ہی انھوں نے ہنکار بھرا تھا۔

زرناب انھیں صاف نظرانداز کرتی ہوئی واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی تو وہ خود کو یوں صاف نظرانداز کیئے جانے پر جلتی کڑھتی ہوئی اس کے پاس چلی آئی۔

"پروفیسر صاحب ہیں جو فاروق منزل والوں کی تمیز و اخلاق کے گن گاتے نہیں دکھتے، جبکہ اصلیت یہ ہے کہ بات کی بات تو کرو ہی نہیں، سلام تک کرنے کی تمیز نہیں ہے۔۔۔"

وہ نخوت سے کہتی آکر اس کے مقابل صوفے پر براجمان ہوئی تھی ساتھ اسٹاف کو کافی لانے کا کہا تھا۔

"وہ کیا ہے ناں ہم منافق نہیں ہیں، ہم سلامتی بھی ان ہی پر بھیجتے ہیں جن کی سلامتی کی دل سے خواہاں ہوں، دکھاوانہ ہماری تربیت میں ہے ناں فطرت میں۔۔"

فون سے نظر ہٹائے بغیر اس نے طمانیت بھرے جواب سے پتنگے ہی تو لگا دئے تھے۔

جواباً اُن کی تلملاہٹ میک اپ کی ٹھیک ٹھاک موٹی پرت بھی چھپانے میں بری طرح ناکام ٹھہری تھی۔

اس سے قبل کی وہ پھٹ پڑتی اسٹاف کافی لیکر قریب چلا آیا تو انھیں خون کا گھونٹ بھرنا پڑا۔

"ہونہ، ہمیں تمہاری خیر خواہی کی ضرورت ہے بھی نہیں، بہت ہیں ہم پر سلامتی بھیجنے والے۔۔۔"

وہ خشونیت سے ناک سکیڑ کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔۔"

اس کی نگاہ ہنوز سکرین پر تھی۔

زینت بیگم کے منہ میں موجود خوش ذائقہ کافی اس لڑکی کی اکڑ و جرات سے بدذائقہ ہوئی تھی، جس کے آثار چہرے پر بھی نظر آرہے تھے۔ لیکن زرناب کی بے نیازی اپنے عروج پر تھی۔

"خیر۔۔"

انھوں نے ہنکار بھرتے طویل سانس آزاد کی۔

"میں نے تمہاری نانی کو تاریخ دے دی ہے، اسی ہفتے ہم انس کو لینے آئیں گے، اسے عباسی منشن میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی، اس کے باپ کا گھر ہے، پھر عنقریب ہم جبران کی دوسری شادی کا بھی سوچ رہے ہیں تو۔۔۔"

"دوسری شادی۔۔۔؟"

یکدم سے اسکرین پر سے زرناب کی سپاٹ نگاہ اٹھی تھی۔

"ہاں! دوسری شادی، اب میرا بیٹا ساری زندگی کیلئے صدف کا روگ تھوڑی لگائے گا، ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی؟"

وہ تنک کر بولی۔

"روگ وہ لگاتے ہیں، جو باوفا اور پابند رہے ہوں۔۔"

اس کی صاف گوئی پر زینب بیگم چیخ پڑی تھی۔

"دیکھو لڑکی، جبران کو صدف میں کبھی کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں، اسے اس کے باپ نے اپنی ناجائز ضد کی طرح میرے بیٹے پر مسلط کیا تھا، جس کی جبران کی زندگی میں گھر میں پڑے فرنیچر سے زیادہ اہمیت نہیں تھی، اور انس بھی صدف ہی کے بطن سے پیدا ہوا ہے، کیا تم چاہتی ہو انس جبران کی زندگی میں صدف کی جگہ لے؟ کسی بے کار اور ان چاہی شئے کی طرح پڑا رہے، جس سے جبران کی کوئی دلی وابستگی ہی نہ ہو۔۔۔؟"

دنیا کا سب سے خطرناک ہتھیار زبان اور گھاتک وار الفاظ لگاتے ہیں آج جب مقابل بیٹھی سفاک عورت کے الفاظ نے جگر چھلنی کیا تو اسے یقین آیا تھا۔

میں موم کا مجسمہ پتھر کی دیس میں

آیا تو سنگ تراش نے پتھر بنا دیا

پر جوابا بھڑک اٹھنے کے بجائے یکدم کسی خیال سے اس کے پیوست لب تبسم میں ڈھلے تھے، پراسرار تبسم۔

جو تباہیاں سمیٹ کر کھلتی ہے۔

"اس لیے کہہ رہے ہیں بچہ ہمارے حوالے کردو، شبرینہ اچھی لڑکی ہے، اس کی اگر انس سے انسیت ہوگئی تو وہ جبران کو بھی انس کے قریب کردے گی۔۔"

وہ فرصت سے بہت سے فوائد گنوا رہی تھی، زرناب ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے لبوں پر تبسم سجائے تحمل سے ان کی فکر وافکار پر مبنی تقریر سنتی رہی تھی۔

پھر بیٹی کے آواز لگانے پر وہ پرس سنبھالتی اٹھی تو اس نے بھویں اچکا کر انھیں دیکھا کہ اور کچھ؟

"سمجھا دو اپنے نانا نانی کو بھی، ہم عباسی کی دیرینہ دوستی کو ایک جھڑپ کے نذر نہیں کرنا چاہتے۔۔"

بڑے احسان کرنے والے انداز میں جتاتے وہ چل دی تھی۔

"جی ضرور "!

اس نے تعبداری سے سر خم کیا تھا۔

پھر پشت پیچھے صوفے سے لگاتے گردن کو تھوڑا جھٹکا دیا۔۔

"مسلط ہونا کہتے کسے ہیں اور ان چاہے شخص کے بوجھ کو ساتھ گھسیٹنے کی اذیت ہوتی کیا ہے،اس کا اندازہ اگر میں نے جبران عباسی سمیت اس کے خیر خواہوں کو نہ لگایا تو میرا نام بدل دینا۔۔۔ "!!

اس کی لہو رنگ آنکھوں میں انتقام کی تلوار سب تہس نہس کر دینے کیلئے چمک رہی تھی۔۔

"کیا کہہ رہی تھی آنٹی جی؟اور ان کے ذکر پر بھی تمہارے چہرے پر بارہ بج جاتے تھے آج یہ کلیاں کیسے کھل رہی ہیں؟"

سدرہ اس کی مسکرہٹ دیکھ حقیقتاً حیران تھا۔

"اب یہ مسکراہٹ تم ہمیشہ میرے لبوں پر دیکھو گی۔۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب کو رہنے دو۔یہ بتاؤ کام ہو گیا تمہارا؟"

"ہاں،لیکن۔۔"

"چلو پھر۔"

وہ بیگ اٹھاتی ہوئی ایک جانب چل دی تو الجھی الجھی سی سدرہ کو اس کی تقلید کرنی پڑی۔

novel by j nikhat

بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی،

یہ مصرعے کو لکھتے ہوئے نجانے شاعر کن حالات سے گزر رہا تھا، لیکن اس کی زندگی میں درپیش حالات فل وقت مکمل طور پر اسی شعر کی عکاسی کر رہی تھی۔

انٹرنیٹ حقیقتاً دنیا بھر میں برپا اسّی فیصد تباہیوں کی وجہ ہے، حالات جب اس قدر ہاتھ سے نکلنے لگے تب اسے شدت سے اس چیز کا احساس ہوا تھا۔انس کی ایک فوٹو کا وائرل ہونا غضب ہو گیا تھا ان سب کی تو زندگی ہی درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔

زینت بیگم اپنی ضد میں حدود و قیود بھولنے لگی تھی، حد تو یہ کہ انھوں نے آسیہ بیگم کو فون کر کے دھمکی دی تھی کہ اگر انھوں نے انس کو خاموشی سے ان کے حوالے نہیں کیا تو وہ میڈیا والوں کو ان کے گھر کا پتا بتا دیں گی۔

اگر وہ عباس صاحب کی دیرینہ دوستی کا احترام کر رہی ہیں تو وہ لوگ بھی ان کے ساتھ تعاون کریں اور انس کو ان کے حوالے کر دیں، تاکہ وہ انس کو لا کر جبران کی دوسری شادی کیلئے راستے ہموار کر سکیں۔۔

چونکہ آفس کا وقت تھا زرناب اور فاروق صاحب دونوں ہی گھر موجود نہیں تھے جب زینت بیگم کی کال آئی تھی، آسیہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح زرناب سے بات چھپانے کیلئے رات فاروق صاحب کو سب بتا دیا تھا جس کے بعد وہ بھی کافی پریشان ہو گئے تھے۔

وہ لوگ سادہ مزاج سادگی بھری زندگی جیتے آئے تھے، یہ نام نہاد شہرت کے نام پر بے ہنگم زندگی کا تصور بھی ان کیلئے محال تھا، صدف کا رشتہ بھی وہ جبران عباسی سے کرنے کیلئے ہچکچا رہے تھے، لیکن دوست کو بہت پہلے زبان دے رکھی تھی، جس سے وہ مکر بھی جاتے لیکن عباسی صاحب کے اصرار اور یقین دہانی پر کہ جبران کی شہرت ان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو گی سے مجبوراً انھیں حامی بھرنی پڑی تھی۔

پر اب، نہ وہ انس سے دستبردار ہونا گنوارا کر سکتے تھے اور نہ زینت بیگم کی دی گئی دھمکی کو حقیقت بن کر روبرو کھڑا دیکھ سکتے تھے۔

دونوں شوہر بیوی سخت پریشان تھے، لیکن زرناب کا آتش فشاں مزاج دیکھتے بول کچھ نہیں رہے تھے یہ جانے بغیر کی زرناب کی جاسوس ملازمہ من و عن اسے سب بتا چکی ہے۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

بامشکل دو دن گزرے تھے جب عباسی صاحب پشیمان سے چلے آئے تھے۔ آسیہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح ریفریشمنٹ کا پر تکلف انتظام کیا تھا جسے انھوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اپنی تیز طرار زوجہ کی حرکتوں پر وہ بے انتہا نادم ہو رہے تھے۔

"اب تم سے کیا چھپا ہے فاروق، میں تو سخت عاجز ہوں اس عورت سے، اس نے تو جیسے قسم اٹھائی ہے میری نسل کا بیڑہ غرق کرنے کی، اب بضد ہے وہ جبران کی شادی اس کی ساتھی اداکارہ سے کروانے کیلئے، کہتی ہے یا تو میں انس کو ہفتے کے اندر لیکر آؤں یا پھر وہ اس لڑکی کو بیاہ کر لے آئے گی، اس عمر میں سختی کروں بھی

تو کتنی، تھک گیا ہوں دو دو محاذ پر لڑتے ہوئے، صحیح کہتے ہیں لوگ نیک شریف ہم سفر بھی اک نعمت ہے۔۔۔"

تھکن عباسی صاحب کے لہجے سے ہی نہیں جھکے شانوں سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔

آسیہ بیگم اور فاروق صاحب کو اس شخص پر ترس آیا تھا۔

"جبران جس قدر اپنی اولاد سے لاپرواہ شہرت کی بلندیوں کو چھوتا جا رہا ہے کہیں کل انس بھی صدف کی طرح۔۔۔"حزن و ملال میں لپٹے لہجے میں کچھ کہتے کہتے وہ سختی سے لب بھینچ گئے تو کمرے میں یکدم سے سکوت چھا گیا۔

جس میں توقف سے مضبوط مگر سپاٹ آواز گونجی۔

"بہت فکر ہے ناں انکل آپ کو انس کی؟ میں انس کیلئے آپ کے بیٹے سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں، کیا آپ منا پائیں گے اپنے بیٹے اور بیوی کو۔۔۔؟"

"زرناب کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔؟ "

غیر متوقع دھماکے پر تینوں اپنی جگہ آنکھیں پھاڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔

" صحیح سنا آپ نے۔۔۔۔"

وہ پتھریلے تاثرات لئے اندر آگئی تھی۔

"انھیں بھی انس چاہئے اور ہمیں بھی انس چاہئے، انھیں انس اپنے سپر اسٹار بیٹے کی پازیٹو امیج کیلئے چاہئے اور مجھے انس کی سیفٹی چاہئے، اور انکل میرے حامی ہیں تو کیوں نہیں ہو سکتا۔۔۔؟"

اس کا ذہن بالکل صاف تھا کہیں کوئی دورائے نہیں تھی۔

"زرناب تمہیں اندازہ ہے تم کیا بول رہی ہو۔۔۔؟"

آسیہ بیگم نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

"جی ممی، بخوبی اندازہ ہے۔۔۔"

"تو پھر کیوں اول فول بول رہی ہو، تمہیں تو نفرت ہے ناں اس شخص سے۔۔۔۔؟"

آسیہ بیگم کو لگا ان کا سر پھٹ جائے گا اس دھچکے سے۔

"جی ماما، شدید نفرت ہے مجھے اس شخص اور اس شخص سے جڑے لوگوں سے، لیکن انس سے مجھے عشق ہے، وہ ہماری صدف کی نشانی ہے، اسے میں ان

بے حس مطلبی لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بننے دے سکتی۔۔۔"اس کا فیصلہ قطعی اور چٹان سے مضبوط تھا۔

"اور تمہارا کیا۔۔۔؟"

"انکل آپ کو منظور ہے یا نہیں۔۔۔؟"

بابا کا سوال نظر انداز کرتے اس نے پریشان کھڑے عباسی صاحب کی مشکل بڑھائی۔

"میں سوچ کر بتاتا ہوں۔۔۔"

وہ بس یہی کہہ سکے تھے۔

"شوق سے، انھیں کہیئے گا انس چاہئے تو اسے حاصل کرنے کی یہی ایک شرط ہے ورنہ چار پیسے پھیک کر میڈیا کو خریدنا ہمیں بھی آتا ہے، وہ کسی غلط فہمی میں نہیں رہیں، ہم مڈل کلاس ضرور ہیں، لیکن دبنے والے نہیں ہیں، جان پر بن آئی تو ہم بھی شرافت کا چولا اتار کر شیطان بن سکتے ہیں۔۔۔"

اپنی بات کہہ کر تینوں کو صدمہ میں چھوڑ وہ جس طرح آئی تھی اسی طرح چلی بھی گئی تھی۔۔

"پاگل ہوگئی ہوں تم، سنائی دے رہا ہے تمہیں۔۔۔؟"

آسیہ بیگم دندناتی ہوئی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"تمہیں صدف کی زندگی میں ہی اس شخص سمیت وہاں کی ہر ایک شئے سے شدید نفرت تھی، پھر تم کیسے اتنی بڑی بات بنا سوچے سمجھے کر سکتی ہو۔۔۔؟"

انھوں نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

"تھی کیا ہوتا ہے؟ ہے مجھے شدید نفرت۔۔۔"!

اس کے سرد لہجے میں جیسے آتشِ انتقام سلگ رہا تھا۔

"پھر، کیوں بکواس کر کے آئی ہو۔۔۔؟"

آسیہ بیگم کو اپنی کنپٹیاں پھٹتی ہوئی معلوم ہوئی تھی۔

"بکواس نہیں کی ممی، میں سنجیدہ ہوں۔۔۔"

وہ واقعی سنجیدہ تھی۔

"زرناب"!!

"زرناب"!

"زرناب! میری پیاری بچی زری، کیوں امتحان لے رہی ہوں میری ممتا کا؟ تم تو میری سمجھدار بیٹی ہوناں۔۔؟ کیوں ماں کا کلیجہ چیر رہی ہو، ایک بیٹی اس جوے میں ہم ہار چکے دوسری کی بازی لگانے کی سکت نہیں ہے ہم میں، سمجھو تم، اور جاکر اپنے لفظ واپس لے آو عباسی بھائی ابھی تک بیٹھے ہیں، خدارا اماں کو تکلیف نہیں دو۔۔۔"

اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے ان کے اندر کا درد قطرہ قطرہ آنکھوں سے بہنے لگا تھا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا ممی، صدف کے ساتھ جو ہوا اس کی قسمت تھی، پھر کیسا جوا کیسی تکلیف؟ اور اب میرے ساتھ جو ہوگا یہ میری قسمت ہوگی۔۔۔"

وہ گویا پتھر ہو چکی تھی۔

"تقدیر اور تدبیر میں فرق ہوتا ہے۔۔۔"

وہ ہار کر بیڈ کی پائیتی پر بیٹھ گئی تھی۔

زرناب سے بحث میں جیتنا آسان نہیں تھا،اس کی فرمانبرداری ایک طرف اور ضدوہٹ دھرمی ایک طرف۔

"بے شک ہوتا ہے ممی،وہ تقدیر کا فیصلہ تھا جس میں آپ لوگوں نے مجھے کچھ نہیں کرنے دیا،یہ تدبیر کا فیصلہ ہے میرا,سود سمیت ان کا حساب لوٹاؤں گی،نہ ایک پیسہ کم نہ ایک زیادہ۔۔۔"

وہ بیڈ پر پر سکون نیند سورہے انس پر نگاہیں ٹکائے زہر خندگی سے سوچتی قدم در قدم چلتی ان کے قریب آکر قالین پر گھٹنے ٹکاتی ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دو زانوں بیٹھی تھی۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں،اس شرط کو زینت عباسی مانے گی ہی نہیں اور خود بخود انس سے دستبردار ہو جائے گی۔آپ فکر نہیں کریں۔۔۔"

اس نے آنکھوں سے تسلی دی۔

"اور جو مان گئی تو۔۔۔؟"

ان کی بھیگی آنکھوں میں خوف تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔۔"

ان کا ہاتھ ہاتھ لیکر میں دباتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

novel by j nikhat

وقت کے پار جا سکو تو سنو!!

میرے کچھ لوگ وہاں رہتے ہیں۔۔

ان سے کہنا بہت اداس ہوں میں

ان سے کہنا یہ دل نہیں لگتا

ان سے کہنا بہت اکیلی ہوں

ان سے کہنا میں رویا کرتی ہوں

ان سے کہنا مجھے قرار نہیں

ان سے کہنا ہے انتظار بہت

ان سے کہنا وہ مجھ سے بات کریں

ان سے کہنا زبان سوکھ گئی

ان سے کہنا کلام باقی ہے

ان سے کہنا میری یہ دو آنکھیں

ان سے کہنا ترس گئیں ان کو

ان سے کہنا وہ اب ملیں مجھ سے

ان سے کہنا مجھے بلائیں کبھی

وقت کے پار جا سکو تو سنو!!

میرے کچھ لوگ وہاں رہتے ہیں۔

گھور سیاہ رات ڈھیروں حبس و گھٹن اپنے اندر لیکر اتری تھی، حبس کا ایسا عالم تھا کہ ہر طرف بھاپ نکل رہی تھی، پیڑ پودے یوں اپنی اپنی جگہ ساکت و صمات کھڑے تھے مانو کسی بدعا کے زیر اثر ہوں، کوئی ظالم ان کے سروں پر چابک لیکر کھڑا ایک پتے کو بھی پلک مارنے کی اجازت نہیں دے رہا ہو۔

انس بھی گرمی سے بے چین ہو رہا تھا، اس نے اس کا بدن نم کپڑے سے پوچھنے کے بعد ہلکے کپڑے پہنا کر اسے بیڈ پر ڈالا تھا، کمرے میں اے سی موجود تھی، لیکن ایک ہفتہ پہلے ہی اس کا زکام ٹھیک ہوا تھا لہٰذا وہ کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی۔

آسیہ بیگم سے بحث کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

عشاء کی نماز ادا کر لینے کے بعد بیڈ پر غوں غاں کرنے میں مصروف انس پر ایک مطمئن نظر ڈال کر وہ اپنے کمرے سے منسلک بالکنی میں نکل آئی تھی۔

یہ شادی سے پہلے تک ان دنوں کا مشترکہ کمرہ تھا، شادی کے بعد بھی صدف آکر اسی کے ساتھ رہتی تھی، علیحدہ کمرہ تیار کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی، کیونکہ دی سُپر اسٹار جبران صاحب کو کبھی اتنی فرصت ہی میسر نہیں آئی تھی جو وہ اپنی بیوی کے ساتھ آکر روایتی سسرالی خاطر و مدارات سے لطف اٹھاتے۔

ابتدائی چند مہینے تو عباسی صاحب خود صدف کو لینے لیکر جانے آتے تھے اس کے بعد ہمیشہ وہ ڈرائیور کے ساتھ ہی آئی تھی، جبران پانچ سال کی شادی میں شائد پانچ مرتبہ بھی فاروق منزل نہیں آیا تھا۔

تنفر سے سر جھٹکتے اس نے سوئچ پر ہاتھ مارا تو بالکنی میں بیل کو لپیٹ لپیٹ کر لگائی گئی فینسی لائٹ کی روشنی نے پوری بالکنی کو پل میں روشن کر دیا۔

زرناب کو یہ رنگ برنگی لائٹیں بالکل پسند نہیں تھی، لیکن صدف نے ضد کرکے خود لگائی تھی، جس پر دونوں کی ٹھیک ٹھاک بحث بھی ہوئی تھی اس کے

بعد دونوں نے بالکنی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنی اپنی پسند کے مطابق ترتیب دے دیا تھا۔

ان کے درمیان محبت جتنی تھی، جھگڑے بھی اتنے ہی ہوتے تھے، آخر دونوں کی پسند ناپسند میں فرق ہی ایسا ارض وسماں جیسا تھا۔

زرناب والے حصے میں کیکٹس، آلوویرہ کے علاوہ دو اور بغیر پھولوں والے پودے تھے ساتھ کین کی کرسی تھی۔

جس پر صدف نے منہ ٹیڑھا کرتے کہا تھا۔

"انتہائی کوئی بدذوق لڑکی ہو تم زرناب! پھول، تتلی، غزلیں اور ڈزنی لینڈ کی کہانیاں تو لڑکیوں کی سکھی سہیلی ہوتی ہے۔۔"

صدف نے ناقدانہ نظروں سے اس کی خالی خالی سائیڈ کو دیکھتے کہا تھا۔

"اسے بدذوق ہونا نہیں سادگی پسند ہونا کہتے ہیں صدف صاحبہ، اور بالکنی ریلیکس ہونے کی جگہ ہوتی ہے، پودے لگانے کیلئے بندہ صحن جیسی کھلی جگہ کا استعمال کر سکتا ہے، اور یہ پھول، تتلی، غزلیں اور ڈزنی لینڈ کی کہانیاں لڑکیوں

کی صرف ایکسپیکٹیشن (امیدیں) بڑھاتی ہے جو بعد میں انھیں خون کے آنسو رلاتی ہے، اس لیے ایسی احمقانہ خوش ذوقی سے میں بدذوق بھلی۔۔"

زرناب کے بے نیازی سے کہنے پر وہ منہ ٹیڑھا کرتی اپنے چھوٹے موٹے باغیچے میں جا کر اپنے پیڑ پودوں سے زرناب کی خشک مزاجی و بدذوقی کی باآواز بلند چغلی کرنے لگی تھی۔

صدف کی جانب ڈھیر سارے رنگ برنگے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ پودے اوپر سے نیچے تک لدے ہوئے تھے، اس میں درمیان سے بل کھا کر جاتی ہوئی الڑھ دوشیزہ کی شریر لٹ جیسی بیل، ساتھ دیوار سے چسپاں چھوٹا سا لکڑی کا ریک، جس میں اس کی پسندیدہ ناولز کی کتابیں اور وہ ساری میگزین ہوتی تھی جس میں جبران عباسی کا انٹرویو وغیرہ چھپا ہوتا تھا۔ جسے وہ پاگل لڑکی بار بار پڑھ و دیکھ کر بھی نہیں اکتاتی تھی۔

وہ ایسی ہی تھی بے حد عام سی لڑکی، خوابوں خیالوں کی باسی، افسانوی باتیں، فلسفے، اسے بڑا اپیل کرتے تھے، اس نے سائیکالوجی میں ماسٹرز کیا تھا، بقول زرناب وہ کبھی اپنی سائیکالوجی نہیں سمجھ پائی تھی۔

جس پر اکثر زرناب کہتی تھی۔

"کیا فائدہ آپ کے سائیکالوجی پڑھنے کا، نفسیات پڑھ کر بھی 'محبت' جیسی نفسیاتی بیماری کا شکار ہو گئی ہیں، وہ بھی ایک ایسے شخص سے جو قابل ہی نہیں آپ کی ریاضت کے، اس سے بہتر تو آپ میرے ساتھ سول انجنئیرنگ کر لیتی۔۔۔"

اس کے جھلا کر کہنے پر وہ پہلے اسے گھورتی تھی پھر کھلکھلا کر ہنس دیتی تھی۔

"ہائے! میری شادی کے بعد تمہارا ذوق خاصا امپروو ہو گیا ہے۔ تم محبت کو نفسیاتی بیماری کہہ رہی ہو، ماشاءاللہ نظر نہ لگے اس ترقی کو۔۔۔"

وہ بات ہوا میں اڑاتی اسے چھیڑنے لگتی تھی۔

"صدف، آپ کو معلوم ہو گا ناں، ایک قسم کی نفسیاتی بیماری میں مبتلا لوگوں کو 'ساڈسٹ' کہتے ہیں، جو اوروں کو تکلیف دیکر تسکین حاصل کرتے ہیں، آپ اس کی الٹ ہیں، آپ خود کو تکلیف دیکر ہنس رہی ہیں، انجوائے کر رہی ہیں، کس کام کی آپ کی سائیکالوجی کی ڈگری جب آپ اپنی مینٹل ہیلتھ کا ہی خیال نہیں رکھ سکتی، صدف! ہم کوئی ایسے گرے پڑے لوگ نہیں ہیں، آپ ایک مرتبہ بابا سے بات کریں، اگر اس شادی میں ساتھ نہیں ہے تو اسے ختم۔۔۔"

"خدارا زرناب! ایسے تو نہیں کہو۔۔"

وہ تڑپ گئی تھی۔آنکھوں میں آنسو کا سمندر آن ٹھہرا تھا۔

"اس شادی میں سب شادی جیسا ہے،اور ساتھ بھی، تم خواہ مخواہ حساس ہو رہی ہو۔۔"

یہ صدف کی شادی کے ڈیڑھ سال بعد والی گفتگو تھی۔جب ایک رات جبران کی کسی ساتھی اداکارہ کے ساتھ چھپی تصویر اور اس کے نیچے ان کے مداحوں کی جانب سے لکھے گئے ہزاروں کمنٹ پڑھ کر صدف دل برداشتہ ہوئی تھی اتنی کہ ضبط کا باندھ توڑتے اس نے زرناب کو وہ سب کچھ بتا دیا تھا جو ڈیڑھ سال سے وہ ہنس کر ٹالتی چھپاتی رہی تھی، جو زرناب کی زیرک نگاہ نے بہت پہلے بھاپ لیا تھا۔

"کیسا ساتھ ہے؟ شوٹ کے نام پر مہینوں وہ گھر سے غائب رہتا ہے اور آپ کے پاس اتنا حق نہیں ہے کہ آپ پوچھ سکو کہاں ہو، کب آو گے، کتنے دن کا قیام ہے؟ کس کے ساتھ ہو، یا یہ کہ مجھے ساتھ لے چلو، ارے! فون تو دور وہ مقابل ہو تو آپ کی گھگھی بندھ جاتی ہے، اللہ میاں کی گائے کی طرح اس سمیت اس کی

ماں بہن کی اطاعت وفرنبرداری میں لگی رہتی ہیں۔۔اسے آپ ساتھ کہتی ہیں؟
ساتھ میں ناں برابری ہوتی ہے حق ہوتا ہے،سوال کرنے کا جواب مانگنے کا،ہاتھ تھام کر روک لینے کا، بازو تھام کر ساتھ ہو لینے کا،لیکن یہاں تو بس سمجھوتہ ہے وہ بھی ایک طرفہ۔۔ "

زرناب کے برس پڑنے پر وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے پودوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

مار ڈالے نہ کہیں یہ دل کا گھاؤ مجھ کو
کاش! ہوتا نہ تجھ سے یہ لگاؤ مجھ کو

برتن اٹھا کر صدف کے پودوں کو پانی دیتے ہوئے آج زرناب کی آنکھیں بھی ویسے ہی ڈبڈبائی ہوئی تھی،لیکن ان میں بے بسی نہیں بلکہ انتقام کی چنگاری تھی۔ وہ صدف کے ہر اس آنسو کا ان سے سود سمیت حساب لینے کا ٹھاں چکی تھی،جو صدف نے اس ہرجائی شخص کی بے لوث محبت میں بے مول کئے تھے۔

پانی کا برتن جگہ پر ٹانگتے اس کی نگاہ ریک پر پڑی تھی۔ الٹے ہاتھ سے دونوں آنکھ رگڑتے ہوئے اس نے ریک کا چھوٹا سا دروازہ کھولا تھا۔ اندر سے ڈھیروں میگزین اٹھاتے ہوئے وہ کمرے سے ہوتی ہوئی واش روم گئی تھی۔

واش روم کے ڈسٹ بن میں حقارت سے میگزینز کو پھینکتے سائیڈ دراز میں موم بتی کے ساتھ پڑے ماچس کو اٹھا کر اس نے میگزین کو سلگا دیا تھا اور پھر وہیں کھڑی ان میگزینز کے جلنے کے نظارہ کرتی رہی تھی۔ جس کے فرنٹ پیج پر جبران عباسی کا خوبرو چہرہ دمک رہا تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے راکھ ہو گیا تھا۔

ان میگزینز کو صدف نے نجانے کتنے سالوں سے متاع حیات کی طرح سنجو کر رکھا تھا۔ جن کی شان میں گستاخی کی زرناب کو بھی اجازت نہیں تھی۔

"زری، تم بتاؤ شادی کے بعد اگر یہ سب میں نے انھیں دکھایا تو ان کا ری ایکشن (ردعمل) کیا ہو گا۔۔؟"

بن مانگی دعا کی طرح آئے جبران عباسی کے رشتے کا سن کر اس نے حیا سے گلال عارضوں پر بھاری مژگان جھکاتے پوچھا تھا۔

"کیسا ہو گا۔۔؟"

زرناب نے الٹا پوچھا تھا۔

"تم تو ہو ہی ایک نمبر کی ان رومانٹک لڑکی، تم سے تو پوچھنا ہی فضول ہے، میں جب انھیں دکھاؤں گی تب خود تمہیں آکر بتاؤں گی۔۔"

وہ حیا آلود نگاہ جھکا کر شرمگی مسکراہٹ کے ساتھ بولی، پھر پانچ سال گزر گئے یہ میگزین اسی ریک میں ویسے ہی پڑے رہے۔ نوبت ہی نہیں آئی دکھانے کی وہ تو زمینی خدا اپنا مزاج ساتویں آسمان پر رکھتا تھا ناں۔۔

"قسم ہے مجھے صدف کی جبران عباسی، ایسے ہی تمہارے چین و سکون کو جلا کر راکھ کروں گی میں، بس! چند دن انتظار کرلو۔"

تحقیر آمیز نظر ڈسٹبن میں موجود راکھ پر ڈالتی ہوئی وہ کمرے میں آئی تھی۔

جہاں انس کھیلتے کھیلتے دنیا جہاں کی معصومیت سجائے اوندھا ہو کر سو گیا تھا۔

اس کے معصوم چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے اعصاب خود بخود ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"جو کچھ آپ کی مام کو نہیں ملا وہ سب کچھ آپ کو ملے گا، میرا وعدہ ہے آپ سے، اس کیلئے میں کسی بھی حد تک جاؤں گی وہ بھی بنا ہچکچائے، آپ بس ایسے ہی سکون سے رہیں۔۔۔"

سیدھا کر کے جگہ پر نرمی سے لٹاتے اس نے انس کی چھوٹی سی پیشانی پر لب رکھتے اپنے چٹانوں سے مضبوط ارادوں سے اس معصوم کو آگاہ کیا تھا۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

رات عباسی منشن میں سکس پارٹی کے نام پر دیر رات تک شور شرابہ خواہ مخواہ کی ہنسی ٹھٹھولی عروج پر رہی تھی۔پروفیسر صاحب حسب دستور اپنا کھانا کھا کر سو گئے تھے۔ان کا اس طرح کی تقریبات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا جس پر زینت بیگم کڑھتی بھی تھی لیکن وہ کان نہیں دھرتے تھے۔

یوں تو جبران کی کسی بھی شو کی کامیابی کی خوشی میں کئی پارٹیاں رکھی جاتی تھی، کاسٹ اینڈ کروکی، جبران کے دوستوں کی، اسپانسرز کی اور اس سے بھی صبر نہیں ہوتا تو اس کی ماں بہنیں گھر میں ایک دکھاوا پروگرام رکھ کر میلا لگا لیتی تھی۔

صبح وہ کمرے سے باہر نکلے تو حسب توقع پورا گھر خالی سنسان پڑا تھا۔سارے فجر تک جاگ کراب نیندیں پوری کررہے تھے۔

اپنے گھر کی خستہ حالی پر دل ہی دل کلستے ہوئے وہ یونیورسٹی کیلئے نکل گئے تھے۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

ڈھائی بجے ان کی واپسی ہوئی تو سارے نائٹ سوٹس میں ملبوس لوازمات سے سجے ڈائینگ ٹیبل کے گرد نظر آئے۔

"آیئے پروفیسر صاحب! ابھی شبرینہ آپ ہی کا پوچھ رہی تھی، آیئے ساتھ میں ہی کھالیتے ہیں۔۔"

ان پر نظر جاتے ہی زینت بیگم کے منہ میں گل کی ڈلی گھلی تھی، وجہ بلاشبہ پہلو میں براجمان ان کی نہ ہونے والی بہو تھی۔

"کل زبردستی ہم لوگوں نے روک لیا تھا شبرینہ کو، وہ تو پارٹی کے بعد فوراً ڈرائیور کو بلوا کر جانے لگی تھی، میں نے کہاں اپنا گھر ہے کوئی پرایا تھوڑی ہے جو وہ اتنی رات گئے اکیلی جائے یہاں سے۔۔۔"

انھیں ملازمہ کو بریف کیس تھماتا دیکھ وہ مزید فدائیہ نظر شبرینہ پر ڈال کر بولی۔

"السلام علیکم انکل"!

"وعلیکم السلام "!

جواب دیتے ایک اچٹی سی نظر اس پر ڈال کر انھوں نے تیزی سے ہٹائی تھی۔

وجہ اس کا حلیہ تھا۔

جو کہ ان کی بیوی اور بیٹیوں کی طرح ہی اس وقت بے بی پنک کلر کی سلک کی دیدہ زیب نائٹی میں ملبوس تھی، بالوں کا مسیّ سا جوڑا ڈال رکھا تھا۔

جس میں کوئی بیہودگی تو بظاہر نہیں تھی، لیکن ایک باحیا اور غیور مرد کی نگاہ ایک سے دوسری مرتبہ اس جانب اٹھنا گوارا نہیں کر سکتی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے انکل آپ کی۔۔؟ آنٹی بتا رہی تھی پچھلے دنوں آپ کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔"

ان کے بیٹھتے ہی شبرینہ نے اک ادا سے سوپ کا بول ان کی جانب کھسکاتے پوچھا۔

"بہتر "!

سوپ چھوڑ کر انھوں نے روٹی پلیٹ میں اتاری تھی۔

ان کے خشک جواب پر شبرینہ کا یکدم سے پھیکا پڑا چہرہ دیکھ کر زینت بیگم بڑی طرح تلملائی تھی۔

"گُڈمارننگ" !

تناؤزدہ فضامیں جبران عباسی کی فسوں خیز بھاری لہجہ گونجا تھا۔

"گُڈمارننگ"!

سب کی مسکراہٹ بحر منجمد شمالی سے لیکر جنوبی تک پھیلی تھی، جو دوسرے ہی پل عباسی صاحب کے جواب سے سمٹ گئی تھی۔

"ہماری گھڑی گُڈ آفٹر نون بتارہی ہے۔۔"

اچٹی نظر اپنی کلائی پر ڈالتے انھوں نے مقابل آکر بیٹھے اپنے بیٹے پر سرسری سی نظر ڈالی، جس کی وجاہت کی تجلیاں چاروں جانب بکھر رہی تھی، ہلکی بڑھی ہوئی شیف، گندمی چمکتی ہوئی رنگت، گہری بھوری رنگ کی روشن روشن آنکھیں، اس پر مڑی ہوئی پلکوں کا پہرا، ماتھے پر یوں ہی بے پروائی سے بکھرے گیلے سلکی بال، ہاف سلیوٹی شرٹ سے نظر آتے مضبوط بازو۔

وہ سر سے لیکر پیر تک حسن پرستوں کی معیار پر پورا اترتا تھا۔ایسے ہی تو کاسٹنگ ڈائریکٹر نے چلتے پھرتے اسے سلیکٹ نہیں کر لیا تھا۔ورنہ تو پروفیسر صاحب کی سات نسلوں میں کسی کا تعلق انٹرٹیمنٹ انڈسٹری سے نہیں رہا تھا۔

"جبران! یہ یہ رشین سیلیڈ لو ناں،بہت ٹیسٹی بنا ہے۔۔۔"

"بیٹا! آپ لیجیے مہمان آپ ہیں،جسے جو چاہیۓ وہ خود لے سکتا ہے۔۔"

شبرینہ کے سیلڈ کی پلیٹ اٹھانے سے قبل ہی پروفیسر صاحب نے ٹوکا تو شبرینہ اپنا سا منہ لیکر رہ گئی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں پروفیسر صاحب! شبرینہ کوئی مہمان تھوڑی ہے،مستقبل میں جبران کا خیال تو اسے۔۔۔"

"خیال سے یاد آیا بیگم،مجھے آپ سب خاص طور پر جبران سے بات کرنی تھی۔۔۔"

بر وقت ان کا جملہ قطع کرتے پروفیسر صاحب نوالا واپس پلیٹ میں رکھتے جبران کی طرف مڑے تو زینت بیگم کا تن بدن ان کے انداز پر جل کر راکھ ہوا تھا۔

"جی"!

فوک واپس پلیٹ میں رکھتے اس نے ایک نظر ماں پر ڈال کر باپ کو دیکھا۔

"تمہاری ماں بتا رہی تھی چھ مہینے تک صدف کی جدائی کا غم منا کر تم میری سات نسلوں پر خیر سے احسان کر چکے ہو اور اب وقت آ گیا ہے کہ تمہاری دوسری شادی کا سوچا جائے، تاکہ انس کی زندگی میں ماں اور تمہاری زندگی میں بیوی کی کمی پوری ہو جائے۔۔"

انھوں نے بڑے ہی عام سے انداز میں اس قدر گمبھیر موضوع کو چھیڑا تھا۔

جس پر جبران نے نافہم نگاہ ماں پر ڈالی جو خشمگیں نگاہوں سے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔

"خیر! اس کیلئے مجھے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑی ہے، ایک موزوں بلکہ انتہائی معقول انتخاب مل گیا ہے، میں آج کل میں بات کرنے ہی والا تھا، پر جب اب بات چل پڑی ہے تو کر لیتے ہیں۔۔۔"

ان کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

"کک۔۔ کیا مطلب۔۔؟"

زینت بیگم کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔وہ اس مسکراہٹ اور لہجے کا مطلب خوب جانتی تھیں، صنوبر اور ثمرن کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔جبران کے جبڑے بری طرح بھینچ گئے تھے۔

اور شبرینہ،اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سپید پڑ رہا تھا۔

"مطلب،آپ کیلئے بہو،آپ کے بیٹے کیلئے بیوی اور انس کیلئے ماں ڈھونڈ لی ہے میں نے خیر سے۔۔۔"

ان کی مسکراہٹ تناؤزدہ ماحول کے برعکس گہری ہوئی تھی۔

"ک۔۔کون۔۔؟"

زینت بیگم کے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگی تھی۔

"زرناب،فاروق کی نواسی،صدف کی بھانجی،اور وہ لڑکی جو گزشتہ چھ مہینے سے بنا کسی غرض کے انس کو ماں بن کر پال رہی ہے۔۔۔"

انھوں نے بڑے ہی اطمینان سے سب کی سماعتوں پر دھماکہ کیا تھا۔

"کیا۔۔۔؟"

ردعملاً تینوں ماں بیٹی چیخ مارتی ہوئی اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ جبکہ جبران اور شبرینہ ویسے ہی ساکت وجامد بیٹھے تھے۔

"فاروق کو میں نے آنے والے جمعہ کی تاریخ دے دی ہے۔ نکاح سادگی سے ہوگا، باقی ولیمہ کی تقریب ہم جیسی چاہیں رکھ لیں گے، عباسی منشن میں تو خیر سب صدف کا سوگ منا منا کر تھک چکے ہیں۔ لیکن فاروق کے گھر ابھی یہ غم تازہ ہے، میرا ہو گیا آپ لوگ آرام سے ناشتہ کریں۔"

سب کے دھواں دھواں چہرے پر ایک اچٹی سی نظر ڈال کے وہ آرام سے کرسی کھسکاتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔

ان کے پیچھے ہی زور سے پلیٹ کھسکا کر جبران تن فن کرتا ہوا نکلا تھا۔

باقی سب ہنوز غم وغصہ سے پیچ وتاب کھاتے کھڑے تھے۔ پھر دھیان شبرینہ کی طرف گیا تو سب چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

کچھ ذات کے ٹکڑے باقی ہیں

کچھ حرف ہیں ٹوٹے بکھرے سے

اک دل کا حصہ خالی سا۔۔۔ !

اک آنکھ کا شور وہ پانی سا

کچھ نقش ھیں تیرے مجھ میں ابھی

یہ کس نے کہا ھم بچھڑے ھیں؟

آسیہ بیگم خود اس کے پیچھے سر پھوڑ کر تھک چکی تھی، تو آج انھوں نے ایک موہوم سی امید کے تحت سدرہ کو اسے عقل کے ناخون دینے کیلئے بلوایا تھا۔

"تمہیں تو شدید نفرت تھی ناں اس شخص سے، تم تو یہاں تک کہتی تھی کہ، اگر ایک قتل کی معافی ملے تو تم پہلی فرصت میں جبران عباسی کو شوٹ کرو گی، پھر اب ایسا کیا بدل گیا ہے جو اس شخص کو اپنا مقدر بنانے پر تلی ہو، وہ بھی سب کے خلاف جا کر۔۔۔"

سدرہ نے زچ ہو کر اسی کے تلخ خیال اسی کو لوٹائے تھے۔

"کس نے کہا کچھ بدلہ ہے؟اب بھی میں اپنی بات پر قائم ہوں،پر حقیقت تو یہ بھی ہے ناں کہ ہمارے ملک میں قتل معاف نہیں ہے،اور اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر بقیہ زندگی جیل میں کاٹنا میں افورڈ کر نہیں سکتی،سو وہ طریقہ اپنا رہی ہوں جو میں افورڈ کر سکتی ہوں۔۔۔"

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ یوں غیر سنجیدگی سے بولی تھی،جیسے نیوز پیپر کی غیر اہم خبر کی ہیڈلائن ہو۔

"اور وہ طریقہ کیا ہے؟"

"ان سب کی زندگی جہنم بنا دینا۔۔۔"

اس نے آنکھ کا کونہ دبایا۔

"اور جو تمہاری زندگی ان کے ساتھ جہنم ہو گی اس کا کیا؟"

سدرہ کو طیش آیا تھا۔

"کیا؟کچھ نہیں۔۔"

اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"زرناب!! فار گاڈ سیک! عقل کے ناخون لو، تمہیں اندازہ ہے تم کیا بول رہی ہو، کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟ پاگل لڑکی، تم آگ سے کھیلنے کی خواہش کر رہی ہو، سمجھ آ رہی ہے تمہاری کچھ۔۔۔؟"

سدرہ اس کے اطمینان پر اپنے بال نوچتی ہوئی کھڑی ہوئی تھی۔

"میں جانتی ہوں، انتقام کی آگ سلگانے والے کو سب سے پہلے اس کا ایندھن خود بننا پڑتا ہے، اور میں نے اپنا ذہن بنا لیا ہے، میں اب پیچھے نہیں ہٹوں گی۔۔۔"

اس کے مضبوط ارادے چٹان کی مانند اٹل تھے، جسے کسی دلیل یا واسطے کی ہوا نہیں ہلا سکتی تھی۔

"یو رہوپ لیس زرناب! تم اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہو، تمہیں سمجھانا نری حماقت ہے، تم اس قدر شدت پسند ہو چکی ہو کہ تمہیں آنٹی انکل کی حالت پر تک رحم نہیں آ رہا، جن کا تم آخری سہارا ہو، جن کی بڑھاپے کی آخری امید ہوں تم، اپنے جگر کا ایک گوشہ وہ کھو چکے ہیں، اب ان کے پاس جو بچا سرمایہ ہے وہ صرف تم ہو۔۔ لیکن تم۔۔۔"

سدرہ پھٹ پڑی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"تو پھر کیا کروں؟

ہاتھ پر ہاتھ دھری بیٹھی رہوں؟

چڑھنے دوں اس معصوم جان کو جبران عباسی کی سو کالڈ پازیٹو امیج اور زینت خاتون کی ضد کی بھینٹ، لیجانے دوں انھیں انس کو، تاکہ وہ اسے لیجا کر کسی چند ٹکے کی نینی کے حوالے کر کے بھول جائیں، اور انس بھی صدف کی طرح عباسی منشن کا ایک اضافی حصہ بن کر رہ جائے، اور جبران عباسی اپنی نئ بیوی کے ساتھ خوش باش زندگی گزارے، اس کی شہرت پسند ماں، بہنیں اپنی شوبز کی روشن ستارہ بہو کا شو آف کرتی گھومیں، ہمارا بچہ عدم توجہی کی اندھیروں میں کھو جائے، اور ہم اپنے بچے کی ایک جھلک کو ترس جائیں؟ بتاؤں ناں یہی چاہتے ہو تم لوگ۔۔۔؟"

اس نے تلخ کسی قدر تکلیف دہ پہلو آگے رکھا تو سدرہ یکدم سے لب بھینچ گئی۔

"وہ عباسی انکل۔۔۔"

"کچھ نہیں کر پائیں گے وہ، وہ ایک ہیں ان کے مقابل چار کھڑے ہیں، اور پھر جبران عباسی کی دوسری شادی کوئی ناجائز مطالبہ نہیں ہے جو وہ سختی کر سکیں، اس سب میں جو رلے گا وہ انس ہے بس"!

اس نے ہاتھ پیر مار رہے معصوم انس پر اپنی جلتی ہوئی کرب زدہ نگاہ ڈالی۔

"اور تمہارا کیا؟"

سدرہ کی آواز پست ہوئی تھی۔

کچھ کہنے سمجھانے کو بچا ہی نہیں تھا اس کے پاس ہر دلیل کے جواب میں دلیل تھی، ہر سوال کو لاجواب کرتا ہوا جواب تھا۔

"میرا کیا؟"

وہ چڑ گئی تھی۔

"میری ٹینشن کیوں لے رہے ہو تم لوگ میری سمجھ نہیں آرہی، میں صدف نہیں ہوں، میں زرناب ہوں، مجھے کوئی تھپڑ مارنے کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اگلے لمحے اس کے گال پر میرا فنگر پرنٹ چھپا ہوتا ہے، مجھے اینٹ کے جواب میں پتھر مارنا آتا

ہے، مجھے اچھی، تمیز دار، سلیقہ شعار بچی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تم جانتی ہو۔۔۔"

سدرہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، اس کا لفظ لفظ صحیح تھا وہ ایسی ہی تھی۔

کالج میں سب اسے لڑاکو طیارہ کہتے تھے۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے تک اس سے بچ کر رہنے میں عافیت جانتے تھے لحاظ وہ مشکل سے ہی کسی کا کرتی تھی۔۔

"لیکن زرناب، یہ بہت بڑا قدم ہے، شادی ہے، تم اس شخص کی حیثیت کو نہیں جھٹلا پاؤ گی۔۔"

سدرہ نے دبے لفظوں میں اسے کچھ سمجھانا چاہا۔

"ہونہہ! بھلا تو وہ مجھے ساری زندگی نہیں پائے گا، میں اس کی زندگی اس قدر اجیرن کردوں گی کہ وہ خود مجھے طلاق دے گا میری شرائط پر، تب میں اس گھر میں انس کی مستحکم جگہ اور اس کے کسی قابل بننے تک کی سرپرستی مانگوں گی، اس کے بعد وہ میری بلا سے جہنم واصل ہو جائے، مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔"

وہ بہت آگے تک منصوبہ بندی کر چکی تھی۔

سدرہ لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ جوانس کیلئے تھرمس سے گرم پانی لیکر فیڈر بنا رہی تھی۔

یہ وہی زرناب تھی، جیسے وہ اور صدف، کاہل، سست، کام چور کہا کرتے تھے۔ جسے اٹھ کر پانی پینا بھی پہاڑ سر کانے جتنا مشکل لگتا تھا۔

اسکول کینٹین سے لیکر یونیورسٹی تک اور اب آفس میں بھی اس کی بلیک کافی تک اس سے بنوا کر پینے والی زرناب جاوید، یکدم سے کتنی ذمہ دار ہو گئی تھی۔ ایک بچے کی مکمل ذمہ داری اٹھا رہی تھی بناماتھے پر شکن لائے۔ جس نے چھوٹے بچے کو اپنے ارد گرد کبھی دیکھا تک نہیں تھا۔

"سدرہ! میں جانتی ہوں تم، ممی، بابا سب میرا بھلا چاہتے ہیں، لیکن میں تم لوگوں کو کس طرح سمجھاؤں؟ میرے اندر ایک آگ جل رہی ہے، میری روح کسی گیلی لکڑی کی طرح سلگ رہی ہے، مجھ سے آپریشن تھیٹر میں جاتی ہوئی صدف کی وہ آنکھیں نہیں بھولتی، جس میں امید باقی تھی، آس پھڑ پھڑا رہی تھی، میرے کانوں میں صدف کی حسرتیں گونجتی ہے، ان کے جانے کے بعد میں ایک رات چین سے نہیں سو پائی ہوں، میں نے انس کے وجود میں اپنی

بے کلی کا علاج ڈھونڈنا شروع کیا تو اب وہ لوگ اسے بھی ہم سے جدا کرنا چاہتے ہیں، فقط اپنے فائدے کیلئے، کیسے بخش دوں انھیں۔۔؟"

اس کے لہجے میں کرب واذیت کے شکستہ موسم ٹھہرے ہوئے تھے۔ سدرہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا تھا۔

کچھ آنسو سدرہ کے کچھ اس کے، ایک دوسرے کے شانے پر جذب ہوئے تھے۔

"اللہ تمہیں ہمت دے، بھولنا مت میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔۔"

سدرہ سچے دوست کی طرح اس کا شانہ تھپتھپاتی الگ ہوئی تھی۔

دہلیز کے اس پار کھڑی آسیہ بیگم اور فاروق صاحب بھی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے واپسی کیلئے مڑ گئے تھے۔ انھیں جواب مل گیا تھا۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

عباسی صاحب سب کے سروں پر بم پھوڑ کر لنچ کے فوراً بعد ہی عباسی منشن سے نکل کر سیدھا اپنے چھوٹے بھائی کے پاس چلے گئے تھے۔ دوسرے دن کسی وجہ سے چھٹی بھی تھی یونیورسٹی کی، لہٰذا وہ بھی مسئلہ نہیں تھا۔

ادھر جیسے تیسے شبرینہ کو رخصت کر کے ان پر بھرے بادل کی طرح پھٹنے کیلئے تیار زینت بیگم ساری رات سارا دن گھن گرج کرتی رہ گئی تھیں۔

اور پھر دوسرے دن بڑے ہی ادب و احترام کے ساتھ دیورانی کی جانب سے موصول ہوئی مبارک باد کی کال نے تو پتنگے ہی لگا دیئے تھے۔

جیسے تیسے زہر کا گھونٹ بھرتے ہوئے انھوں نے چند ایک بات کر کے کال رکھی تھی۔چرب زبانی کا ثبوت نہیں دے سکتی تھی، کیونکہ پھر عباسی صاحب نے بھی آگے سے لحاظ نہیں کرنا تھا۔

فون رکھ کر وہ کھولتی ہوئی جبران کے کمرے کی طرف بڑھی تھی جو عرصہ بعد گھر موجود تھا۔

novel by j nikhat

"جبران! تم یہاں پڑے سو رہے ہو، وہاں تمہارے والد محترم نے سارے خاندان میں خوشی کی خبر مٹھائی کے ڈبوں کے ساتھ پھیلا دی ہے، اب بس میڈیا کو دعوت دیکر پریس کانفرنس کرنے کی کسر باقی ہے۔۔"

وہ دندناتی ہوئی فل اے سی میں بیڈ پر اوندھے پڑے سو رہے جبران کے سر پر سوار ہوئی تھی۔

"اس گھر میں میں اپنی مرضی سے سو سکتا ہوں یا اس پر بھی آپ اور بابا محاذ کھڑا کر کے جیتنے والے کی مرضی مجھ پر مسلط کر دیں گے۔۔۔؟"

وہ ناگواریت کے بل ماتھے پر نمودار کرتا ہوا اٹھ کر بیٹھتا سرہانے پڑا ٹی شرٹ اٹھا کر پہننے لگا تھا۔

"جبران! میں تمہاری بھلائی۔۔۔"

"مت سوچا کریں میری بھلائی، خدارا مت سوچا کریں میری بھلائی، مجھے راس نہیں آتی دوسروں کی سوچی ہوئی بھلائی۔۔۔"

اس نے درشت انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کر ان کے آگے جوڑے تھے۔

اس کی کچی نیند سے جاگی سرخ آنکھوں میں کوفت و بیزاریت کے ساتھ جھنجھلاہٹ تیر رہی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو، میں اس مرتبہ انھیں من مانی کرنے نہیں دوں گی، زیادہ زور دیا انھوں نے تو میں۔۔۔"

"میں کیا۔۔۔؟"

اس نے پیشانی کو تنفر سے مسلتے ہوئے پوچھا۔

"تو میں تمہاری شبرینہ سے شادی کردوں گی۔بلکہ میں ایسا کرتی ہوں آج ہی شبرینہ کے والدین سے جاکر بات کرتی ہوں، راضی ہوگئے تو شام تک تمہارے باباکے آنے سے پہلے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کردیں گے، ایک مرتبہ نکاح ہوگیا تو پھر وہ کچھ نہیں کرپائیں گے۔۔اور انس بھی آجائے گا، ہے ناں بہترین آئیڈیا۔۔؟"

یکدم سے دماغ میں لائحہ عمل ترتیب دیتے انھوں نے داد طلب نگاہ جبران پر ڈالی جو انھیں ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا جیسے اسے ان کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"کیاہوا تمہیں آئیڈیا پسند نہیں آیا۔۔۔؟ "

"پہلے توآپ مجھے یہ بتائیں، آپ سے کس نے کہامیں شبرینہ سے شادی کرناچاہتا ہوں؟ "

اس نے انتہائی سرد انداز میں پوچھا تھا۔

"کیا مطلب ؟ اتنی پیاری ہے، خوبصورت ہے، کامیاب ہے، اخلاق والی ہے، سب سے اہم تمہارے شعبے سے تعلق رکھتی ہے، تمہیں سمجھے گی، تمہاری تو اچھی دوستی بھی ہے اس سے، جبکہ صدف سے تو تم۔۔۔"

"مام پلیز، پلیز کہہ رہا ہوں میں، آپ لوگ مت دخل دیں میری زندگی میں۔۔"

"میں کہاں، وہ تو تمہارے بابا۔۔۔"

"بابا کو مدعا اور موقع دونوں آپ دیتی ہیں، انس اور شادی دونوں کا ذکر ایک ہفتہ تک کہیں نہیں تھا گھر میں، اچانک سے بابا کو یہ کیسے یاد آگیا۔۔۔؟"

اس نے ماں کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"بھائی، اس میں مام کی تو کوئی غلطی نہیں ہے، انس کی پکچر وائرل کر کے ان لوگوں نے آپ کی امیج خراب کرنے کی کوشش کی تھی، مام نے تو بس ردعملاً انس کو لانے کی بات کی ہے، تا کہ آپ کی پوزیشن کلئیر ہو سکے، اور افواہ پھیلانے والوں کا منہ بند ہو سکے۔۔۔"

صنوبر اور ثمرن دفاعی دستہ بن کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"فار گاڈ سیک! میں پی آر ٹیم کو مفت خوری کے پیسے نہیں دیتا ہوں، وہ لوگ اسی کام کیلئے ہائیر کئے گئے ہیں، اور وہ اپنا کام کر بھی رہے تھے، لیکن آپ لوگوں نے بیچ میں اپنی عقل لگا کر سب خراب کر دیا ہے، تضاد یہ ایک نئی مصیبت۔۔۔"

وہ غصہ سے تکیہ پٹختا ہوا بیڈ سے کھڑا ہوا تھا۔

تینوں ماں بیٹی اس کے جلال کے آگے بھیگی بلی بنی لب دبا گئی تھی۔

"اور ایک بات۔۔۔واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ مڑا تھا۔

نہ مجھے آپ کی شبرینہ سے شادی میں دلچسپی ہے، نہ بابا کی زرناب مناب میں۔۔لہٰذا مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔۔۔"

کہہ کر واش روم میں بند ہوتے اس نے دھاڑ کی آواز سے دروازہ بند کیا تھا۔

novel by j nikhat

اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔اس لیے بجائے خود آفس جانے کے اس نے اپنے منیجر اور اسسٹنٹ کو گھر ہی بلوالیا تھا۔ورنہ عموماً ڈائریکٹر وغیرہ سے ملاقات ہو یا کوئی بھی کام سے جڑی بات وہ آفس میں ہی کرنے کا عادی تھا۔

ابھی وہ ڈرائینگ روم میں شاہانہ انداز میں ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھا بلیک کافی کے سپ لیتا ہوا منیجر سے کمرشیل پروجیکٹ کی بابت معلوم کر رہا تھا۔

جب اندر سے بلند ہوئی آواز پر کپ جگہ پر رکھتا ہوا ڈرائینگ سے نکلا۔

حسب توقع زینت بیگم، عباسی صاحب سے بحث میں الجھی ہوئی تھی۔

" صحیح وقت پر آئے ہو۔میری بات سنتے جاؤ۔۔ "

وہ سختی سے جبڑے بھینچتا ہوا مڑنے ہی لگا تھا کہ عباسی صاحب کے آواز لگانے پر نہ چاہتے ہوئے بھی قدم تھامنے پڑے۔

"فاروق کو میں نے جمعہ کے دن، بعد نماز عصر کا وقت بتایا ہے، خاندان کی عزت و ناموس کا ذرا سا بھی لحاظ ہو تو شرکت کر لینا، ورنہ اگلی صبح میں اپنا مختصر سامان اٹھا کر اس سنیما گھر کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دوں گا، مجھ سے اب اور اس گھر کے نام پر تماشا گھر بن چکے مینشن میں مزید فنکاروں کی شمولیت دیکھی نہیں جائے گی، زندگی میں جو کمایا ہے عزت ہی کمائی ہے، اسے یوں نیلام ہوتا نہیں دیکھ سکتا میں۔۔۔"

عباسی صاحب نے انتہائی درشتگی آمیز انداز میں فیصلہ سنایا تھا۔

"آپ پھر سے اسے دھمکی دے رہے ہیں، اس سے پہلے بھی ایسے ہی دھمکی دیکر آپ نے اسے مجبور کیا تھا، اور اب دوبارہ سے اس پر اپنا فیصلہ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟"

زینت بیگم زخمی ناگن کی طرح بل کھا اٹھی تھی۔

"میں کوئی دھمکی نہیں دے رہا، دھمکی دینا آپ کا پسندیدہ فعل ہے۔ میں بس بتا رہا ہوں۔۔۔"

انھوں نے ناگوار نظر بیوی پر ڈالی۔

پھر ضبط کی انتہا پر طنطنا اٹھے سرخ چہرہ لیے کھڑے بیٹے کو دیکھا۔

"میں تم پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کر رہا ہوں، کیونکہ اب مجھ میں اس خاندان کا قبلہ درست ہونے کی خوش گمانی باقی نہیں رہی ہے، میں نے بس تمہاری ماں کے بلاوجہ پھیلائے رائتے کو سمیٹنے کی مصلحتاً ایک راہ نکالی تھی، آگے تم ماں بیٹے کی مرضی۔۔۔"

انھوں نے صاف اپنے پہلو جھاڑے تھے۔

"اور آپ کی مصلحت کی راہ یہ ہے کہ آپ خالہ کے بعد اب بھانجی کو میرے بیٹے کے گلے کی گھنٹی بنادیں۔۔۔؟"

زینت بیگم چمک کر بولی تھی۔

"پہلے تو آپ اپنا لہجہ درست کریں۔۔"

انھوں نے ناگواریت سے ٹوکا تھا۔

"اور جو آپ انھیں میڈیا میں ان کا ایڈریس آوٹ کرنے کی دھمکی دیکر آئی ہیں ناں، میں بتادوں، ان لوگوں نے میرا اور ہماری برسوں کی دوستی کا لحاظ کیا ہے، ورنہ جب ایک شریف اور عزت دار انسان کی عزت اور شرافت کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو انجام کس قدر سنگین ہو سکتا ہے لگ پتا جاتا آپ کو۔ بلکہ پتا تو اب بھی لگے گا آپ کو، ایک مرتبہ میں بیچ سے نکل جاؤں تو، کیونکہ اگر آپ کو میڈیا کا استعمال آتا ہے تو جنگل میں وہ بھی نہیں رہتے، اس طاقت کو استعمال کرنا انھیں بھی بخوبی آتا ہے، لہٰذا آپ شوق سے بصورت دیگر اپنا ہنر آزمائیں۔۔۔"

وہ متنفر انداز میں جتاتے ہوئے ایک جانب بڑھ گئے تھے۔

زینت بیگم پھوں پھاں کرتی ہوئی ان کے پیچھے گئی تھی۔

اور جبران، وہ ہمیشہ کی طرح اپنے نام پر لگائے تماشے کا، خاموش تماشائی بنا لب با مہر کھڑا رہا تھا۔

ہمیشہ سے ان دونوں کی تلخ کلامی کا انجام اس نے بھگتا تھا، اب تو عادت سی ہو گئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تب شائد وہ حیران ہوتا۔

وہ الٹے قدموں میٹنگ میں لوٹ گیا تھا۔

ZNZ Zubi Novels Zone

"جبران! ای نو یہ تمہارا انتہائی ذاتی معاملہ ہے مجھے بولنا نہیں چاہیئے، لیکن تمہارا مینجر ہونے کے ناتے جو چیزیں تمہاری کرئیر کو افیکٹ کر سکتی ہے، اس پر بولنے سے میں خود کو روک نہیں سکتا کیونکہ یہی میری جاب ہے اور کمیٹمنٹ ہے۔۔۔"

تمام پروجیکٹ فائل سمیٹتے ہوئے مینجر صاحب نے محتاط انداز میں تمہید باندھی تھی۔

"کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟"

وہ سیدھا ہوا تھا۔

کریئر کی شروعاتی دنوں سے منیجر صاحب اس کے ساتھ تھے، اس کی کامیابی میں ان کی محنت اور تجربہ کا بڑا ہاتھ رہا تھا۔

"تم سات آٹھ سال سے اس فیلڈ میں ہوں، تم اچھی طرح جانتے ہو ایک پبلک فگر کی امیج کس قدر حساس ہوتی ہے، اور اس کی سب سے بڑی دشمن ان کی ذاتی زندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ پبلک انھیں اپنے جاگیر سمجھتی ہے۔۔۔"

وہ لبوں تک آئی بات کو ایک مرتبہ پھر گھما گئے تھے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں مختار صاحب، کھل کر کہیں، کسوٹی کھیلنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں میں۔۔۔"

وہ ان کے اس گمبھیر انداز میں بات گھمانے پر جھنجھلایا تھا۔

جس پر مختار صاحب نے اک نظر اسسٹنٹ احمد پر ڈالی جس نے انھیں آنکھوں سے کہہ دینے کا اشارہ کیا تھا۔ باہر کی بحث کے دوران وہ دونوں اندر اسی موضوع پر غور و خوص کرتے رہے تھے۔

"میں کہنا چاہ رہا ہوں جبران! انس کی جب پکچر وائرل ہوئی تھی تب وہ بس ایک عام سی خبر تھی، جس پر سب ہی منفی اور مثبت رائے رکھتے تھے، لیکن بعد میں جس قدر اسے طوالت دی گئی ہے، خاص کر میڈم کے اس بیان کے بعد کہ وہ انس کو لا کر ایک ہفتہ کے اندر میڈیا کو دعوت دیں گی، یہ معاملہ سنگین رخ اختیار کر چکا ہے، اب ایسے میں اگر ایک بھی بیان تمہارے سسرالیوں کی طرف سے آوٹ ہو گیا تو، ہمیں اندازہ بھی نہیں ہے کیسی قیامت برپا ہو گی۔۔۔"

منیجر صاحب نے تشویش زدہ انداز میں خدشہ ظاہر کیا تو کمرے کی فضا میں یکدم سے گمبھیر سکوت چھا گیا۔

"سلیبریٹیز کے متعلق منفی یا مثبت خبر کا گردش کرنا عام بات ہے۔اس کے ذریعہ وہ چرچے میں رہتے ہیں، بلکہ یہ ایک لحاظ سے اچھی بات ہے، لیکن تب تک۔جب تک اس خبر کی تائید یا تردید کر کے اسے اسٹیپ اپ یا ڈاؤن نہ کیا جائے، کیونکہ ایسا کرنے کے بعد عوام اس پر چیک رکھتی ہے جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے، بہت سے بلندیوں پر چمکتے ہوئے ستارے ایسی ہی خبروں کی

نظر ہو کر اندھیروں میں گم ہو چکے ہیں، یہ روشنی کی دنیا ہے، یہاں کوئی ایک بار لیم لائٹ سے ہٹ جائے تو پھر وہاں کھڑا نہیں پاتا۔

ایک وقت کیلیئے لوگ انڈسٹری کی اندرونی چھڑپ کو بھول جاتے ہیں، لیکن ذاتی زندگی کی معمولی سی غلطی کو بھی نہیں، کیونکہ عوام یہ نہیں سمجھتی ہے کہ ان کے پسندیدہ اداکار بھی انسان ہوتے ہیں، ان کی بھی ذاتی زندگی ہوتی ہے، وہ اپنے پسندیدہ اداکاروں کو ان کے نبھائے گئے کردار کی تناظر میں دیکھتے ہیں، انھیں اتنا ہی پرفیکٹ سمجھتے ہیں، اور جب ان کی ذاتی زندگی سے جڑا کوئی ایسا پہلو سامنے آتا ہے تو وہ اس پرفیکٹ امیج میں پڑتے دڑاڑ کو برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔۔اور انجام۔۔۔۔۔"

انھوں نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"یہ معاملہ کس قدر سنگین ہے اس کا اندازہ یہی سے لگا لو کہ اب تک میں دس سے پندرہ بڑے میڈیا ہاؤس کو ٹال چکا ہوں۔اور جن کے کال لیے نہیں ان کی فہرست الگ ہے۔۔۔"

وہ مزید بولے۔

جبران ان کے تجزیہ پر تشویش میں گرفتار لب بھینچ گیا تھا۔اس کے خوبرو خدو خال میں تناؤ اترا ہوا تھا،اور مداحوں کو پاگل کر دینے والی جادو گر آنکھوں میں گہری سوچ کی دبیز پرچھائیاں۔

منیجر صاحب نے اپنے خدشے کی حمایت میں کچھ ایسے اپنے وقت کے مشہور اداکاروں کی مثالیں بھی سامنے رکھی تھی،جو اپنی ذاتی زندگی کی وجہ سے راتوں رات عرش سے فرش پر آن گرے تھے۔اور پھر انھیں سر آنکھوں پر بٹھانے والی دنیا نے ان کی کبھی خبر گیری نہیں کی تھی۔

کیونکہ دنیا چڑھتے سورج کی پرستش کرتی ہے۔

"میں نے تمہارا اسٹرگل دیکھا ہے جبران! آج تم کامیابیوں کی جس بلندی پر کھڑے ہو یہ تمہیں تھالی میں سجا کر پیش نہیں کی گئی تھی،انڈسٹری میں اوٹ سائیڈرز کو ملنے والے کٹھن چیلیجنز کو ہرا کر تم یہاں پہنچے ہو،جو بھی فیصلہ کرنا سوچ سمجھ کر کرنا،باقی ہم اور ہماری ٹیم تو تمہارے بیک پر ہیں ہی۔۔۔"

منیجر صاحب اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے اسے سوچوں میں گھرا چھوڑ کر نکل گئے تھے۔

بالکل عام سی زندگی جینے والے مداحوں کیلئے اپنے پسندیدہ ستاروں کی زندگی اتنی ہی صاف ستھری اور خامیوں سے پاک ہوتی ہے جتنی کہ وہ پردے پر دیکھتے ہیں، ان کیلئے اداکاروں کی شخصیت وہی ہوتی ہے جو وہ کردار ادا کرتے ہیں یا نیوز میں ان کے متعلق چھپتی ہے، اور جب ان کی بنائی گئی تصویر کے برعکس کوئی رخ ان کے سامنے آتا ہے تو وہ عموماً فراخدلی سے قبول نہیں کر پاتے ہیں۔ وہ اپنی پسند، اپنے تراشے مجسمے کو لیکر شدت پسند ہو جاتے ہیں۔

اسے معصوم عوام کی بے لوث محبت کہی جائے یا بے پناہ حق کی دعویداری، لیکن وہ خاص طور پر درمیانی کردار ادا کرنے والے فلمی ستاروں کو خوبیوں کا دیوتا سمجھتے ہیں۔ انسانی فطرت اور خامیوں سے بالاتر۔

اس لیے تو اکثر منفی کردار ادا کرنے والے اداکاروں کو اصل زندگی میں بھی نفرت اور ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چاہے اصل زندگی میں ہو یا سوشل میڈیا پر۔

اور کروڑوں مداحوں کی دل کی تخت پر حکومت کر رہا جبران عباسی اس وقت

ڈرامہ انڈسٹری کی افق پر چمکتا ہوا وہ سورج تھا جس کے پیچھے ڈائریکٹرز اور

پروڈیوسر لائن لگا کر کھڑے منتیں کر رہے تھے۔

اور دوسری طرف اسے اس بلندی سے گرانے کیلئے ہزاروں لوگ ایک چھوٹے

سے موقع کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ہاں! یہ سچ تھا اس کی حسن و وجاہت سے متاثر ہو کر کاسٹنگ ڈائریکٹر نے ایک

نظر میں اسے سائن کر لیا تھا۔ لیکن وہ بس ایک شروعات تھی، آج وہ جن

بلندیوں کو زیر کر کے مضبوطی سے کھڑا تھا اس کیلئے اس نے بہت سے پاپڑ بیلے

تھے، جوتیاں چٹخائی تھی۔

تب جا کر گمنام 'جبران عباسی" دی برانڈ جبران عباسی' بنا تھا۔

وہ اپنی برسوں کی محنت و ریاضت پر قطعی آنچ آنے نہیں دے سکتا تھا۔

تو پھر کیا وہ نکاح کیلئے۔۔۔؟

اس بڑے سے سوالیہ نشان کے آگے اس کا سوچوں کی یلغار سے نبرد آزما ذہن

ساکت ہو گیا تھا۔

novel by j nikhat

زندگی آ تیرے رخسار پہ بوسہ دے دوں
تو کسی روز کسی رات بچھڑ جاے گی!

کوڑے کاغذ پر بھی قلم چلانے سے قبل انسان ایک ناقدانہ نظر اس پر یوں ہی ڈال لیتا ہے، اور اس نے نکاح نامہ پر دستخط کرتے ایک اچٹی نگاہ تک اس پر نہیں ڈالی تھی۔ مولوی صاحب نے جس جگہ انگلی رکھی تھی، ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس نے سائن کر دیئے تھے، ایجاب و قبول کے مراحل بھی اس نے سپاٹ انداز میں طے کئے تھے۔

اس کے برعکس آسیہ بیگم اور سدرہ کی آنکھوں سے جھرنا بہہ رہا تھا۔ کچھ اس کی بے حسی پر تو کچھ اس کے کٹھن فیصلے پر۔

مولوی صاحب کو قلم تھماتے ہوئے آسیہ بیگم کے گود میں موجود انس کو اس نے یوں اپنی گود میں لیا تھا مانو کوئی انتہائی غیر اہم کام سے جان چھڑائی ہوئی۔

جبکہ مقابل صوفے پر براجمان اس کج ادا شخص نے بڑے آرام سے اس مرحلے کو پار کیا تھا۔

آخر ماہر اداکار جو ٹھہرا تھا، نجانے کتنے مرتبہ اپنے ڈراموں میں ایسے نکاح کے سیٹ بھگتا چکا تھا۔

جبران کے سائن لینے کے بعد مولوی صاحب کے ساتھ سب کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھے تھے،اس نے اس میں شرکت کی زحمت نہیں اٹھائی تھی۔بلکہ انس کی نرم انگلی کے ساتھ کھیلتی رہی تھی۔اور جیسے ہی 'آمین' کہا گیا وہ انس کو لیکر ڈرائینگ روم کے احاطے سے نکل گئی تھی۔

بے حد قریبی لوگوں کو ہی شرکت کیلئے مدعو کیا گیا تھا جو دونوں جانب کے ملا کر کم و بیش بیس کے قریب تھے۔

کھانے کا سارا انتظام باہر سے ہوا تھا۔

چند منٹ انتظار کر کے جبران بھی چلنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پر بیٹا، آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں"!

فاروق صاحب لجاجت بھری اپنائیت سے بولے۔

دوسری بیٹی اور نواسا اس شخص کے حوالے تھا آواز و انداز میں نرمی تو رکھنی ہی تھی یوں بھی وہ بیچارے انتہائی سادہ لوح انسان تھے۔

"نہیں انکل، پھر کبھی، ایک تو لنچ کر کے ہی ادھر آنا ہوا ہے، دوسرا میرا کہیں پہنچنا بہت ضروری ہے۔۔۔"

باپ پر ایک نظر ڈال کر اس نے سبھاؤ سے پہلو بچایا۔

"پھر بھی بیٹا، کچھ تو، کم از کم کافی ہی لیں، میں ابھی کسی سے کہتا ہوں وہ۔۔۔"

"انکل پلیز! زحمت نہیں کیجئے، گنجائش واقعی نہیں ہے۔۔"

اس نے کہتے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی، اشارہ تھا کہ وہ جلدی نکلنا چاہتا ہے۔

جس کے بعد فاروق صاحب نے بھی اصرار نہیں کیا تھا۔

اس کا ڈرائیور باہر منتظر تھا۔

وہ گہری بھوری آنکھوں پر سن گلاسیز چڑھاتا ہوا فاروق منزل سے روانہ ہو گیا تھا۔

Zubi Novels Zone

فاروق صاحب اسی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔ نجانے ان کی اس بیٹی کے مستقبل کا کیا ہونا تھا۔

بیٹیوں کے نصیب کی فکر، مضبوط سے مضبوط مرد کے کندھے جھکا دیتی ہے۔

"فکر نہیں کرو تم، میں ہوں ناں"!

عباسی صاحب نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو وہ آزردگی سے مسکرا دیے۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

"میری خواہش تھی تم کم از کم شادی کر کے اپنے خاندان آتی، میری نگاہوں کے سامنے رہتی، لیکن شائد اللہ کو میری یہ خواہش منظور نہیں تھی، تم پر تمہارے نانا نانی کا زیادہ حق ہے، اور میرا حق محدود ہے، اس لیے ان کے فیصلے کو خندہ پیشانی سے تسلیم کیا ہے، لیکن یاد رکھنا، تمہارے پاپا تم سے بس ایک فون کال کی دوری پر ہے۔۔۔"

کمرے میں اس سے ملنے آئے جاوید صاحب نے شدتِ جذبات سے اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے گلوگیر لہجے میں کہا تو اس کی خشک آنکھوں میں تراوٹ اور لبوں پر مبہم تبسم کی کلی پھوٹی۔

یہ اس کے والد تھے، جاوید ظفر، ماں کے انتقال کے بعد وہ نانی کی گود میں آئی تھی، پھر دوسری شادی کے بعد جاوید صاحب نے جب اسے لیجانا چاہا تو وہ نانا، نانی اور صدف کی اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ انھیں اپنی خواہش اس کی خوشی کیلئے مارنی پڑی۔

لیکن کبھی بھی وہ اس سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ فاروق صاحب کے برابر وہ بھی اس کی ساری ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔

وہ اکثر باپ کے گھر جا کر کچھ دن گزار کر آتی تھی۔ جاوید صاحب کی دوسری بیوی بھی کوئی روایتی سوتیلی ماں نہیں تھی، لہٰذا اسے کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔ ان کے دونوں بچے بھی اس پر جانثار کرتے تھے۔

اتنا اناً فاناً سب ہوا تھا پھر بھی انھوں نے زیورات کے علاوہ اس کے بینک اکاؤنٹ میں خطیر رقم ٹرانسفر کری تھی بطور جہیز۔

"خوش رہنا"!

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر،انس کے سر پر بھی دست شفقت رکھتے وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔

اس نے پہلو میں دھرے سیاہ رنگ کے درمیانی سائز بیگ کو دیکھا جس میں جاوید صاحب کے لائے زیورات کے ڈبے تھے۔

"زری"!

"ہونہ"!

سدرہ کی سنجیدہ آواز پر اس نے نگاہ اٹھائی تھی۔

"شفاعت آیا ہے، تم سے ملنا چاہتا ہے۔۔۔"

سدرہ کی اطلاع پر اس کی آنکھوں کا رنگ بدلہ تھا۔

"دروازے کے باہر ہی کھڑا ہے وہ"!

"بھیج دو۔۔۔"

کہہ کر وہ انس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

کچھ توقف سے کمرے میں بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی جو بیڈ سے کچھ فاصلہ پر آکر تھم گئی تھی۔

"کیسی ہو؟"

دھیمے لہجے سے کرب عیاں تھا، زیاں کا شدت آور احساس۔

"جیسی تمہیں نظر آرہی ہوں۔۔"

وہ لبوں پر عام سی مسکان سجائے متوجہ ہوئی۔

وہ سراپا حسرت بنا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کے جواب پر دل شکنی سے مسکرایا۔

مرا مزاج ہی مائل نہیں صداؤں پہ
وگرنہ میں نے جسے بھی پکارا، آئے گا۔

شفاعت اس کے بڑے تایا کا بیٹا تھا، انجینئرنگ کے چار سال وہ ساتھ تھے اس کی اچھی دوستی بھی تھی اس سے،اور اندازہ بھی تھا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے، لیکن نہ اس نے کبھی اظہار کیا تھا، نہ ہی زرناب نے کبھی تاثر دیا کے وہ اس کی دل کی

حالت سے واقف ہے۔اس کی طرف سے ایسا کچھ تھا ہی نہیں تو وہ بھلا کیوں کچھ کہتی۔

اچھی بات چیت تھی، بات چیت تک ہی رہی تھی۔۔

"تم سسرال چلی جاؤ گی، میں بھی جا رہا ہوں، نجانے اب پھر کب ملنا ہو نہ ہو، سوچا تم سے ملتا جاؤں۔۔۔"

وہ خود کو کمپوز کر کے کہتا نگاہ اس کے چہرے سے ہٹا چکا تھا۔

ZNZ
Zubi Novels Zone

تو کیا اے شخص تجھ کو عمر بھر نہ دیکھ پاؤں گا،
تو کیا بینائی کی نعمت یونہی بیکار جائے گی؟

آسان تھوڑی ہوتا ہے اپنے خوابوں کے مکیں کو کسی اور کی ملکیت کی حیثیت سے دیکھنا۔

"کہاں جا رہے ہو تم۔۔۔؟"

زرناب نے پوچھا۔

"دبئ، ایک کنسٹرکشن کمپنی سے اچھا آفر ملا ہے۔۔"

"پھر تو مبارک بھئی، ہم سب نے فارن جا کر ہنر آزمانے کا عزم کیا تھا۔ تم بازی مار گئے۔۔"

اس کے بشاش انداز میں مبارک باد پیش کرنے پر شفاعت پھیکا سا مسکرایا۔

"کبھی ایک دوست کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک مجھے یاد کرنا۔۔"

اس نے سسکتے دل کو سہلانے کیلیئے کہا تھا۔

"سوچ لو، میں یاد تو کرلوں گی پر ٹکٹ کے پیسے نہیں دوں گی۔۔۔"

اس نے ہنس کر چھیڑا تو وہ آزردگی سے ہنستا نفی میں سر ہلا گیا۔

پھر چند ایک ادھر ادھر کی بے معنی باتوں کے بعد وہ بھاری دل کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ اس نے دیر کردی تھی اظہار میں یا قسمت نے جلدی کردی تھی فیصلے میں، پر عمر بھر کا داغِ دل لگ گیا تھا۔

novel by j nikhat

دن سیارہ، تن بنجارہ،

قدم قدم دشواری ہے

جیون جینا سہل نہ جانو،

بہت بڑی فنکاری ہے !

بعد نماز مغرب وہ فاروق منزل سے رخصت ہوئی تھی۔
وقتِ رخصت ایک طرف سب کی آنکھیں اشکبار تھی تو دوسری جانب اس کی آنکھوں میں تپتے صحرا کا عالم تھا۔ جیسے آنکھ ہی نہیں جذبات بھی بنجر زمین ہو گئے ہوں۔
انس اس کی گود میں تھا۔ برابر میں عباسی صاحب کی بھتیجی بیٹھی تھی۔ عباسی صاحب ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھے۔
پیچھے ایک اور گاڑی تھی، جس میں عباسی صاحب کے چھوٹے بھائی اپنی فیملی کے ساتھ تھے۔
یوں یہ مختصر سا قافلہ رخصتی لیکر روانہ ہوا تھا۔ جس میں نہ دولہا شامل تھا نہ دولہے کی ماں بہن۔

مختلف روشن وتاریک راستوں سے گزرتی ہوئی گاڑی عباسی مینشن کی دیو ہیکل گیٹ کے باہر جاکر لمحے کیلئے رکی تھی۔گارڈ نے دور کر دروازہ کھولا تو روش پر رینگتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"ویلکم بیٹا "!

عباسی صاحب نے خود اتر کر اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا۔

اس نے انس کو اچھی طرح باہوں میں سمیٹ کر قدم باہر رکھے تھے۔

سامنے ہی سنہری روشنیوں میں نہائی 'عباسی منشن' کی عالی شان عمارت طمطراق سے کھڑی تھی۔

گھور سیاہ رات میں سنہری روشنی سے سونے کی مانند چمک رہی سفید عمارت الگ ہی حسن سمیٹے ہوئے تھی۔جبران عباسی سے جڑی ہر شئے ہی مبہوت کر دینے والی تھی۔ایسے ہی تو اس عمارت کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے اس کے فینز پاگل نہیں ہو رہے تھے۔

کروڑوں لوگوں کے یکدم برعکس اس وقت اس کے مقابل ایک مستحکم حوالے کے ساتھ کھڑی زرناب جاوید کے اندر الاؤ جل رہا تھا۔ کیا کچھ یاد نہیں آیا تھا اس جگہ کھڑے ہوتے ہوئے۔

صدف کی پانچ سال کی شادی میں وہ بس ایک مرتبہ شادی کے دوسرے دن ناشتہ لیکر یہاں آئی تھی، اس کے بعد عباسی صاحب کے اصرار صدف کی ناراضگی کے باوجود اس نے ان خود نمائی کے شوقین لوگوں کی سلطنت میں قدم نہیں رکھا تھا۔ لیکن آج۔۔۔۔

اس نے مشکل سے اپنے جذبات کے آگے بندھ باندھے تھے۔

اب تو حساب برابر کرنے کا وقت آیا تھا، اب اسے جذباتی تھوڑی ہونا تھا۔ بلکہ پتھر بن جانا تھا۔

پھر لوگ اس سے ٹکرائیں یا لوگوں سے وہ، زخم ٹکرانے والے کا مقدر ہی ٹھہرنا چاہئے۔ اس نے مصمم ارادہ باندھتے جذباتی دل کو ارادوں کی زنجیر کے ساتھ مقفل کیا تھا۔

"چلیں ناں بھابی" !

عباسی صاحب کی بھتیجی نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اس نے ہولے سے سر کو جنبش دیا۔

پھر سب کی ہمراہی میں اندر داخل ہو گئی۔

راج محل جیسا عباسی مینشن جبران عباسی کی شہرت کے شایان شان تھا۔

تینوں ماں بیٹی گھر موجود نہیں تھی۔

عباسی صاحب کی بھتیجیوں نے ہی ماں کے ساتھ مل کر سب کچھ کیا تھا۔اور پھر واپسی کیلئے تیار ہو گئے تھے۔

"بھائی صاحب! اب ہم اجازت چاہیں گے۔۔"

حسن عباسی نے لجاجت بھرے انداز میں اجازت چاہی تھی۔

"رات تو ٹھہر جاؤ، صبح چلے جانا۔۔"

انھوں نے اصرار کرنا چاہا۔

"نہیں ناں بھائی صاحب، پھر کبھی، کل بچوں کا اسکول کالج ہے۔"

انھوں نے بڑا ہی عام سا عذر تراشا تو چاہ کر بھی عباسی صاحب مزید اصرار نہیں کر سکے۔

جانتے تھے وہ لوگ ان تینوں ماں بیٹی کی وجہ سے نہیں ٹھہر رہے۔یوں بھی وہ لوگ شاذ ونادر کسی موقعے سے ہی گھڑی دو گھڑی کیلئے عباسی مینشن آتے تھے۔ زینت بیگم ملنسار طبیعت تو پہلے بھی نہیں رکھتی تھی۔جبران کی شہرت کی بلندیوں نے لگی بندھی مروت کو بھی ختم کر دیا تھا۔جہاں مروت واپنائیت کا بسیرا ہی نہیں تھا وہاں اپنے کس طرح آ سکتے تھے۔

"کیا ہوا انھیں۔۔۔؟"

عباسی صاحب ان لوگوں کو رخصت کرکے لوٹے تو زرناب انس کو لیکر ٹہل رہی تھی۔۔

"بھوک لگی ہے،آپ ان کا بیگ منگوا دیں مجھے گاڑی سے۔۔"

وہ انس کو سنبھالتی ہوئی بولی۔

"وہ تو میں نے کمرے میں رکھوا دیا ہے آپ کے،آئیں۔۔۔"

وہ پوتے کو رونے کے موڈ میں دیکھ کر عجلتاً راہداری کی سمت بڑھے تو زرناب نے بھی ان کے قدم سے قدم ملائے۔

Zubi Novels Zone

کمرے میں پہنچنے تک انس نے احتجاجی پروگرام زور و شور سے شروع کر دیا تھا۔ جیسے تیسے بوتل بنا کر زرناب نے اس کے منہ میں ڈالا تب کہیں جا کر پرنس چارلس کا احتجاج ٹھنڈا ہوا تھا۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں بیٹا، آپ پہلی بار گھر آئیں اور آپ کا استقبال اس طرح سے ہو رہا ہے۔۔۔ "

ان کی ندامت میں ڈوبی آواز پر فیڈر پکڑے بیٹھی زرناب نے نگاہ کا زاویہ بدل کر انھیں دیکھا۔

"آپ کو ہونا نہیں چاہئے انکل "!

وہ فیڈر کو تکیہ کے سہارے اٹکا کر اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔

چہرے اور لہجے دونوں میں ہی سرد و سپاٹ تاثرات رچے بسے ہوئے تھے۔

"میں کوئی ارمانوں کی ڈولی لیکر نہیں آئی ہوں، جو مجھے کچھ فرق پڑے ان سب چیزوں سے۔ دفن ہو گئی وہ لڑکی چھ مہینے قبل، جو ارمانوں کی بارات لیکر اس دہلیز تک آئی تھی، جس کی آنکھوں میں غیر حقیقی خوابوں کی الوہی چمک تھی، جس کی

دامن میں خوش آئند مستقبل کے جگنو سمٹے ہوئے تھے، جس کی انگلیوں کے پور سے خواہشوں کے قوس قزح سے رنگ لپٹے تھے، میں تو یہاں انس کیلئے آئی ہوں، میرا کسی سے کوئی واسطہ کوئی سروکار نہیں ہے۔"

اس کے سلگتے لہجے میں ایسا کرب کروٹیں لے رہا تھا کہ عباسی صاحب کے لب مقفل ہو گئے۔

"البتہ، میں آپ سے ایک امید ضرور رکھتی ہوں۔۔"

"ج۔۔جی بیٹا، کہیں۔۔؟"

ان کے اندر نئی توانائی بیدار ہوئی تھی۔

"آپ مجھ سے صدف جیسی وضع داری کی امید مت رکھیے گا۔۔۔"

وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"بالکل بھی نہیں، آپ یہاں ویسے رہیے جیسے آپ رہنا چاہتی ہیں۔ یہ بات میں نے صدف سے بھی کہی تھی، لیکن آپ کو ایک اور بات کی یقین دہانی کرا رہا ہوں، آج سے میں آپ کے صحیح اور غلط دونوں میں ساتھ ہوں، یہ ساتھ میں

صدف کا بھی دیتا، لیکن اس بچی نے کبھی شکوہ ہی نہیں کیا تو میں مداخلت کس طرح کرتا۔"

ان کے یقین دہانی کراتے مضبوط لہجے میں آخر تک حزن و ملال سمٹا تھا۔

"تھینکیو انکل"!

"جیتی رہیں"!

انھوں نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا۔

"کسی بھی چیز کی ضرورت ہو آدھی رات کو بھی انٹر کام بجائیں گی تو ملازم آجائیں گی، تکلف بالکل نہیں کرنی ہے، اس گھر کی آپ اصل مالکن ہیں، مالکن بن کر رہنا ہے۔۔۔"

ان کے زور دے کر کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا یا تھا۔

ایک وحشت ہے کہ ہوتی ہے اچانک طاری
ایک غم ہے کہ یکایک ہی ابل پڑتا ہے۔

عباسی صاحب کے جاتے ہی اس کے ڈھیلے اعصاب تیزی سے تنے تھے۔

وہ جبران عباسی کے خوبصورت خواب گاہ میں موجود تھی، فضا میں اس کے پرفیوم کی خوشبو رچی بسی ہوئی تھی، بیڈ کے پیچھے اس کی مسکراتی ہوئی ان لارج تصویر چسپاں تھی، غرض کمرے کے ہر ذرے میں اس کا لمس تھا۔

اس کی آنکھوں میں خون، رگ وپے میں نفرت زہر بن کر گردش نہ کرتا تو کیا کرتا۔

اک پل کیلیئے اس کا من کیا اس کی مسکراتی ہوئی تصویر کو اتار کر قدموں تلے کچل دے، پرزے پرزے کردے، وہ نہیں تو انتقام کا آغاز اس کی تصویر سے ہی کرلے۔

لیکن انس کے رونے پر اس کا دھیان بٹ گیا۔

اور پھر انس کو سلاتے ہوئے کب اتنے دنوں کا تھکا ذہن نیند کی وادی میں اترا اسے خبر تک نہیں ہوئی۔۔

novel by j nikhat

دوسرے دن تینوں ماں بیٹیاں لوٹ آئیں تھی۔

دوملازمہ کی آپس میں ہورہی گفتگو سے معلوم پڑا تھا پچھلی رات بڑی بیٹی کے گھر قیام رہا تھا۔

عباسی صاحب کی تین اولاد تھی، بڑا جبران تھا، پھر ثمرن تھی جو کہ شادی شدہ ایک چھ سالہ بیٹے اور تین سالہ بیٹی کی ماں تھی۔

سب سے چھوٹی صنوبر منگنی شدہ تھی۔

پر تینوں کا گٹھ جوڑ کبھی نہیں ٹوٹتا تھا۔

ہر جگہ یہ تکون ساتھ ہوتا تھا۔

گھڑی دو گھڑی کیلئے ثمرن سسرال کو درشن دیکر واپس عباسی مینشن آن وارد ہوتی تھی۔

سیکنڈ سٹرڈے اور سنڈے ہونے کی وجہ سے چونکہ زرناب گھر ہی تھی تو اس نے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

تربوز کے بیج کی طرح ادھر ادھر اچھلتی گھوم رہی ماں بیٹیوں نے اسے چھیڑا نہیں تھا تو اس نے بھی انھیں چھوڑ رکھا تھا۔

البتہ ان کی آنکھوں میں ریت کی طرح چبھنے کیلئے وہ سارا وقت گھر میں ادھر سے ادھر بے فکری سے گھومتی رہی تھی۔مانو برسوں سے اس کی گھر کے چپے چپے سے واقفیت رہی ہو۔

حتیٰ کے فاروق منزل میں آفس کا کام وہ تنہائی میں کرنے کی عادی تھی،اس دوران کوئی اسے ڈسٹرب کرتا تو اس کی خیر نہیں رہتی تھی،لیکن دو دن سے وہ سارا آفس کا کام بھی مین ہال میں بیٹھ کر رہی تھی۔وہیں سے ملکہ کی طرح ملازمین کو چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کیلئے پراعتمادی سے آواز دیتی رہی تھی۔

عباسی صاحب نے سارے ملازمین سے اس کا بھاری بھرکم تعارف کرایا تھا۔لٰہذا اک آواز پر دو دو ملازم ہاتھ باندھ کر اس کی خدمت میں پیش ہو رہے تھے۔

دو ہی دن میں اسے یوں جھانسی کی رانی بن کر شاہانہ انداز میں ملازموں کو اعتماد سے حکم دیتا دیکھ تینوں ماں بیٹی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔

لیکن بول کچھ نہیں رہے تھے شائد بیٹے کے آنے کا انتظار تھا۔جو کسی کمرشیل شوٹ کیلئے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔

یہ خبر دوسرے دن اسے عباسی صاحب نے دی تھی، جس پر اس نے کان نہیں دھرا تھا۔

باتوں کے دوران ماں بیٹیوں کی جانب سے بنا سمت کا تعین کیے اک آدھ ہوائی تیر اس کی جانب روانہ ہوئے تھے۔ جسے اس نے آنکھوں کی جنبش سے قطع کر دیا تھا۔

دشمن کے وار کو قابلِ اعتنانہ جان کر شانے پر بیٹھی نادیدہ دھول کی طرح خاموشی سے جھاڑ دینے کا بھی عجب لطف تھا، یہ زرناب کو آج معلوم ہوا تھا۔ وہ اچھے سے موقع کی منتظر تھی۔

تب تک ان کے جلنے کڑھنے کا مزہ لے رہی تھی۔ اس کا بھی اپنا ہی مزہ تھا۔ زرناب کے جلتے دل پر انھیں پیچ وتاب کھاتا دیکھ ٹھنڈی پھوہار گر رہی تھی۔

novel by j nikhat

رکھا ہی گھر میں کیا ہے کہ ترتیب دُوں جسے

کچھ خواب ہیں اِدھر سے اُدھر کر رہا ہوں میں

اتوار کی رات نے پر پھیلائے تھے، وہ کچن میں کھڑی انس کیلئے آسیہ بیگم کی ہدایت کے مطابق دلیہ بنا رہی تھی۔ انس چھ ماہ کا ہو گیا تھا ڈاکٹر کا کہنا تھا اب دودھ کے علاوہ اس کی ڈائیٹ میں تھوڑا تھوڑا ادانے بھی شامل ہونے چاہیئے۔

وہ دلیہ بنا رہی تھی خانساماں اس کے پاس ہی کھڑے دیکھ رہے تھے تاکہ کل سے وہ یہ ذمہ داری سنبھال سکیں۔

"چھوٹے صاحب آ گئے، بڑی بیگم نے یہ لسٹ دی ہے شام کے کھانے کی۔۔۔"

دوڑتی ہوئی ملازمہ نے آ کر اس کے پاس کھڑے خانساماں کو لسٹ تھمائی تھی۔

"بہو بیگم، دلیہ بن گیا کیا، میں ذرا دیکھ لوں یہ؟"

لسٹ کی طرف اشارہ کرتے انھوں نے لجاجت بھرے انداز میں اجازت چاہی تھی۔

زرناب نے سر کو جنبش دینے پر اکتفا کیا تھا۔

"تو تم آ ہی گئے جبران عباسی، اب مزہ آئے گا۔۔۔"

دلیہ بول میں نکالتے اس کے لبوں پر کاٹ دار مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

اور پھر ڈنر ٹیبل پر اس کا سامنا جبران عباسی سے ہو گیا تھا۔اک اچٹی سی نظر فریش باتھ لیکر ویسے ہی گیلے بالوں کو پیشانی پر جھوڑے توانا جسم کی نمائش کر رہے شخص پر ڈال کر وہ بے نیازی سے عباسی صاحب کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

اس نے اور عباسی صاحب نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔جبکہ وہ تینوں ماں بیٹیاں جبران کے کان میں مکھی کی طرح بھنبھناتی رہی تھی۔جس کا شاز و نادر ہی اس نے اک دو لفظی جواب دیا تھا۔

"ہمارے گھر میں جب تک سب کا کھانا نہیں ہوتا، کوئی ٹیبل سے نہیں اٹھتا ہے، یہ ہمارا اصول ہے۔۔"

وہ جیسے ہی پلیٹ کھسا کر کھڑی ہوئی زینت بیگم نے نخوت سے جتایا۔

"اور ہمارے گھر میں کھانے کے دوران دنیا جہاں کی غیر ضروری باتیں نہیں کی جاتی، معیوب سمجھا جاتا ہے، لیکن میں نے ایڈجیسٹ کیا ناں؟ کیونکہ نئے لوگ اور نئی جگہ کے بیچ،ایڈجسٹ کرنا کائنات کا اصول ہے۔۔ایکسکیوزمی "!!!

اس کے خود اعتمادی سے زینت بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیکر مڑنے پر تینوں ماں بیٹی کا صدمے کے مارے منہ ہی کھل گیا تھا۔

جبران کے بھی کھلے منہ کے قریب گیا فوک کچھ دیر کیلئے ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ جبکہ عباسی صاحب مسکراہٹ دباتے ہوئے پشت موڑ کر نکل گئے تھے۔گھر میں جو انقلاب وہ نہیں لا پائے تھے وہ یہ لڑکی جلد یا بدیر لیکر آنے والی تھی۔ایک سیکنڈ میں زینت بیگم جیسی خاتون کی بولتی بند کرنے والی لڑکی سے ایسی توقع کرنا اچھا سودا تھا۔

novel by j nikhat

ایک مشتِ خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے،

زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا !

وہ ماں بہن کے شروع ہونے سے قبل ہی تھکن کا بہانہ بنا کر ان کے چنگل سے نکلا تھا۔ تھکن تو خیر واقعتاً بہت ہو رہی تھی۔ گزشتہ دو دن وہ شہر سے دور پہاڑوں میں مشہور پرفیوم برانڈ کا ایڈ شوٹ کرتا رہا تھا۔جہاں زندگی جینے کے محدود

وسائل ہی مشکل سے دستیاب تھے، سہولیات اور آسائیشات کا تو تصور ہی مضحکہ خیز تھا۔

لہٰذا وہ بجائے ادھر ادھر جانے کے سیدھا کمرے میں چلا آیا تھا۔

اندر داخل ہوا تو 'وہ' بیڈ کے بیچ و بیچ ہاتھ پیر مارتے ہوئے کھیل رہے گول مٹول سے انس میں مصروف نظر آئی۔

اس کے کمرے میں صرف دو وجود کا ہی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اور بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی تھی۔

جس کا سرسری سا جائزہ وہ کچھ دیر پہلے لے چکا تھا۔

اب تفصیلی نظر ڈالی تو بالکنی کے شیشے کی دیوار کے مقابل رکھے اپنے پسندیدہ سنگل صوفے کی جگہ بے بی کارٹ کی بڑی تبدیلی نگاہوں کی گرفت میں آئی۔

پر صوفہ کمرے میں کہیں نظر نہیں آیا۔

وہ جگہ اور صوفہ دونوں اس کا پسندیدہ تھا۔ وہ اس پر نیم دراز ہو کر راجہ مہاراجہ کی طرح کبھی دھوپ تو کبھی ٹھنڈی ہوا سے محظوظ ہوتے کافی کی چسکیوں کے ساتھ اسکرپٹ وغیرہ پڑھا کرتا تھا۔

"یہاں ایک صوفہ ہوا کرتا تھا؟"

متلاشی نگاہ ناکام لوٹ آئی تو اس نے سوال کیا۔

"ہوا تو کرتا تھا۔۔۔"

جواب بے نیازی میں لپٹا ہوا تھا۔

"اب کہاں ہے؟"

"سٹور روم میں؟"

"کیوں؟"

اس کے نپے تلے جواب پر جبران کو طیش آیا تھا۔

"کیونکہ بڑوں کی طرح بچوں کو بھی وٹامن ڈی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن بچے بڑوں کی طرح خود باہر چل کر نہیں جا سکتے، اس لیے میں جو زیادہ ضروری تھا وہ اس جگہ لگا دیا، یعنی انس کا کارٹ"!

اس کا بے توجہی میں لپٹا جواب اس قدر تفصیل سمیٹے ہوئے تھا کہ وہ اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔

کہتا بھی تو کیا اس قدر کاٹ چھانٹ کر وہ بات کر رہی تھی۔ وہ خود میں ہی الجھا الجھا سا واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

واپس آیا تو وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ اسے بیڈ کے درمیان سونے کی عادت تھی جہاں انس اونگھ رہا تھا۔

دیوار گیر آئینہ کے مقابل کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیتے اسے مجبوراً واپس اس بے نیاز وجود کو چھیڑنا پڑا تھا۔

"یہ یہاں سوئیں گے؟"

اس کا اشارہ انس کی جانب تھا۔

"میں انس کو ساتھ سلاتی ہوں اپنے۔۔"

جواب دیتے اس کی تمام تر توجہ کا مرکز انس تھا۔

"اسے کارٹ میں ڈال دو، مجھے چھوٹے بچے کے ساتھ سونے کا آئیڈیا نہیں ہے۔۔"

ٹی شرٹ کا آخری بٹن کھولتے اس نے حکم جاری کیا تھا۔

"ان کا نام انس ہے، انس جبران عباسی، اور کچھ دنوں میں آئیڈیا اور عادت دونوں ہو جائے گی۔۔"

اک اک لفظ پر دباؤ ڈالتے اس نے سرد سے انداز میں جتایا تو جبران متعجب سا اس کی طرف مڑا۔

پھر اپنے متحیر تاثرات چھپاتا ہوا رعب دارانہ انداز میں بولا۔

"میں نے کہا انھیں کارٹ میں ڈال دو، مطلب ڈال دو، یہ روئیں گے میری نیند ڈسٹرب ہو گی، کل شوٹ پر جانا ہے مجھے۔۔۔"

اس کی بھاری آواز میں مرعوب و مغلوب کرنے والا ہر عنصر شامل تھا، لیکن مقابل زرناب پر سب بے اثر گیا تھا۔

اس نے آرام سے انس کے منہ سے خالی فیڈر بوتل ہٹا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی، اور دوپٹہ درست کرتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

جبران اس کی جرات پر ششدر تھا۔

"انکل سے پوچھنے، کہ جب تم رات میں روتے تھے اوران کی نیند ڈسٹرب ہوتی تھی تو وہ تمہیں کہاں ڈال کر آتے تھے،تاکہ میری رہنمائی ہو سکے۔۔۔"

پلٹ کر اس نے جس تنفر بھرے انداز میں جواب دیا تھا جبران عباسی کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟"

یکدم ہی اس کی غیر متوقع رویہ پر جبران کا دماغ گھوما تھا۔

"یہ سوال تو میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔۔۔؟"

اس نے کمال جرات مندی سے اپنی ترش نظر جبران کی ناگواریت سے بھری گہری بھوری آنکھوں میں گاڑی۔

"یہ تم کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو۔۔۔؟"

جبران کی کنپٹیوں میں خون ٹھوکر مارنے لگا تھا۔

"اسی لہجے میں جس میں۔۔۔۔"

وہ تنک کر کچھ کہنے لگی تھی کہ انس کی رونے کی آواز پر تنفر سے ہنکار بھرتی بیڈ کی جانب دوڑی۔

جبران اسی جگہ کھڑا پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

آج تک کی تاریخ میں کسی صنف مخالف نے اس سے یوں بات نہیں کی تھی۔ لڑکیاں تو اس کی گہری بھوری آنکھوں کی جنبش پر قربان جاتی تھی اور یہ لڑکی اس کی دماغ کی نسیں تن گئی تھی۔

جبکہ وہ اسے تڑاتڑ چلتی بندوق کی گولی کی طرح جواب دیکر اس چھ ماہ کے بچے سے نجانے کس کوتاہی کی معافی تلافی کر رہی تھی۔۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود پر کمفرٹر درست کرتی سائیڈ لیم آف کر کے انس کو قریب کرتی اپنی جگہ دراز ہو گئی تھی۔

جبران حق دق سا کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔

پھر غصہ سے ٹی شرٹ اتار کر ایک جانب اچھالتا ہوا آ کر بیڈ پر اپنی اپنے جگہ بیٹھتے، سائیڈ ٹیبل سے اے سی ریموٹ اٹھایا تو وہی سکون غارت کرتی ہوئی آواز ابھری۔

"اے سی اور مت بڑھائیں، بچے کو سردی لگ جائے گی۔۔۔"

"لیکن مجھے فل اے سی میں سونے کی عادت ہے، ویسے مجھے نیند نہیں آتی۔۔۔"

اس نے کلس کر کہا تھا۔

"چار دن میں یہ عادت بھی لگ جائے گی اور نیند بھی آ جائے گی۔۔۔"

کس قدر سیدھا جواب تھا۔

جبران کے اندر بھانبڑ جلنے لگے تھے۔اس نے اپنی بھوری آنکھوں میں شدید ناپسندیدگی لیے نیم اندھیرے میں نظر آرہے اس کے پر سکون چہرے کو دیکھا، جوانس کے گرد بازو حائل کیئے آرام سے آنکھیں موندے پڑی تھی۔

زور سے ٹیبل پر ریموٹ پٹختا وہ اپنی جگہ دراز ہو گیا تھا۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

میں وہ وحشی ہوں کہ زِندان میں نگہبانوں کو

میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا!

تھکن سے چور جسم ہونے کے باوجود ساری رات کروٹیں بدلتے اس کی آنکھوں میں کٹی تھی۔اور پہلو میں وہ دونوں مزے سے پڑے سوتے رہے تھے۔

اسے ٹی شرٹ اتار کر فل اے سی میں منہ تک کمفرٹر اوڑھ کر بیڈ کے بیچ و بیچ اؤندھا ہو کر سونے کی عادت تھی، آج اسے نہ فل اے سی ملا تھا، نہ کمفرٹر اور نہ ہی درمیان کی جگہ، وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے چت لیٹا رہا تھا۔

رات میں ایک مرتبہ انس کسمسایا تھا اس نے دیکھا وہ آرام سے اٹھ کر فیڈر بنا کر اس کے لبوں سے لگاتی واپس گہری نیند میں کھو گئی تھی۔

نہ صدف کی زندگی میں، نہ اس کے جانے کے بعد، لیکن نجانے کیوں آج بھولے بسرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ صدف اکثر اس کی نیند کا خیال کر کے بیڈ کے بالکل کنارے سے لگ کر یا پھر صوفے پر جا کر سو جاتی تھی۔

کہتے ہیں ناں، جب 'جبر' نازل ہوتا ہے تو سب سے پہلے 'صبر' کرنے والے لوگ یاد آتے ہیں۔

اچھائی کی پامالی کے جواب میں صادر ہونے والی برائی قابل نفرت یا قابل مذمت نہیں ہوتی ہے۔

خود اللہ رب العزت بھی، ظالم بادشاہ کو مسلط کر کے مخلوق کو قدردانی سکھاتا ہے۔

صبح وہ آفس کیلئے مخصوص طرز پر تیار ناشتہ کی ٹیبل پر آکر بیٹھی تھی، سائیڈ والی کرسی پر تیار انس کو بے بی سیٹر میں ڈال کر رکھا تھا۔

"انس کو ساتھ لیکر جا رہی ہیں؟"

اس کے آفس بیگ کے ساتھ ملازمہ نے انس کا مختصر سا بیگ بھی لا کر رکھا تو عباسی صاحب نے پوچھا۔

"جی انکل! دراصل میری گاڑی گھر ہی ہے، انس کو جاتے ہوئے ممی کے پاس چھوڑ کر گاڑی لیتی ہوئی آفس چلی جاؤں گی، اور واپسی پر ساتھ لیتی ہوئی آ جاؤں گی، اس طرح ممی کا بھی سارا دن دل لگا رہے گا اور میں بھی انس کی طرف سے مطمئن رہوں گی۔۔۔"

انس پر محبت بھری نظر ڈالتے اس نے تفصیل میں جواب دیا تھا۔

"یہ ٹھیک ہے، بھابی کی تنہائی دور ہو جائے گی۔۔"

عباسی صاحب متفق ہوئے تھے۔

"ہونہ! جب بچے کو یہاں رکھنا ہی نہیں تھا تو نکاح کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔؟"

اپنی نشست سنبھالتے ہوئے زینت بیگم نے تنفر سے ہنکار بھرا تھا۔

"ہم نے کہاں ڈرامہ لگایا ہے، ہم تو چپ ہی تھے، آپ نے آگے سے آ کر اسٹیج سجایا تو ہم نے بھی کچھ فنکاری دکھا دی۔"

چائے کی کیتل اٹھاتے اس نے کڑک نشانہ سادھا تھا۔

جواباً زینت بیگم زخم کھائی ناگن کی طرح بل کھا کر کھڑی ہوئی تھی۔

"لڑکی!۔ تم۔۔ تم۔ میں رات چپ کر گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں چھوٹ مل گئی ہے، ابھی جبران سے کہہ کر۔۔"

"طلاق دلوا دیں گی۔۔۔؟"

کپ میں چائے نکالتے ہوئے اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر ان کے لال بھبھوکا چہرے پر ڈالی۔

"شوق سے۔۔"

کپ سا سر عباسی صاحب کی جانب کھسکاتی وہ دلکشی سے مسکرائی۔

"جائیں، روم میں پڑا سو رہا ہے آپ کا بیٹا، کہیں اس سے طلاق کے پیپرز تیار کروائے، میں دل و جان سے سائن کرنے کیلئے تیار ہوں، لیکن اپنے شرائط پر۔۔۔"

کپ اٹھا کر لبوں سے لگاتے اس نے پلکوں کو تسلی سے جھپکا کر زینت بیگم کو سر کے بالوں سے لیکر پیر کے ناخون تک سلگا دیا تھا۔

"دکھادی ناں اپنی اوقات۔۔؟"

مارے غصہ واشتعال کے ان کا تنفس بری طرح پھول رہا تھا۔

"کیا کریں مجبوری ہے، لوگوں کو ان کی اوقات دکھانے کا یہی ایک راستہ تھا۔۔"

وہ آرام آرام سے سپ لے رہی تھی۔

مجھ کو نہیں قبول یہ دستور، معذرت،

جب کہہ دیا تو مت کریں مجبور، معذرت!

میری انا کو آپ کے حکموں سے بیر ہے،

دیکھیں جناب آپ سے بھرپور معذرت!

"پروفیسر صاحب! آپ کیا یہاں مٹی کے مادھو بنے بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں، آپ کچھ کہیں گے نہیں؟"

زرناب سے دوبدو منہ کی کھا کر وہ تلملاتی ہوئی پروفیسر صاحب کی طرف مڑی، جو آرام سے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔

"میں۔۔؟ مجھے کچھ کہنا تھا؟"

کپ ساسر میں رکھتے ہوئے وہ یوں انجان بنے گویا موقع محل پر موجود ہی نہ ہوں۔

"ہاں! ہاں! اب میری سمجھ آرہی ہے، آرہی ہے میری سمجھ، یہ جو آپ نے میرے خلاف سازش کی ہے ناں، میری سب سمجھ آرہی ہے۔۔۔"

وہ بل کھائی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔

جس پر دونوں میں سے کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔

زرناب آرام سے چائے ختم کر کے کھڑی ہوئی تھی۔

پھر خود کو خون آشام نگاہوں سے گھور رہی زینت بیگم کی طرف مڑی۔

"مجھے انس کو یہاں چھوڑنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔اگر آپ یقین دہانی کرائیں کے آپ سارا وقت ان کے ساتھ رہیں گی۔۔۔"

اب کے اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"میں۔۔میں کیوں ساتھ رہوں؟"

وہ بدکی تھی۔

"کیونکہ میری ممی رہتی ہے۔۔"

"تو رہے وہ، ہم بچے کیلئے ہائی پروفائل نینی افورڈ کر سکتے ہیں۔۔"

وہ کروفر سے گردن اکڑا کر بولی تو عباسی صاحب نے تاسف سے انھیں دیکھا۔

"افورڈ ہم بھی کر سکتے ہیں، لیکن بچے صرف گود میں نہیں،اس گود میں پلتے ہیں جس میں ممتا کی گرمائش ہو، محبت ہو، فکر ہو،اپنائیت ہو، یہ ہر بچے کا پیدائشی حق ہے،اور پیسوں سے خریدی گئی گود صرف گود ہوتی ہے، جو کسی پلاسٹک کے بے بی سیٹر یا کارٹ سے مختلف نہیں ہوتی، تین بچوں کی پرورش کا تجربہ ہے آپ کو، میں کیا ہی سمجھا سکتی ہوں۔۔۔"

انھیں بتانا فضول تھا لیکن اس نے چبا چبا کر تاسف بھرے انداز میں پھر بھی جتایا تھا۔

"ہونہ! پیسے بچانے کے ڈھکوسلے ہیں سب، ورنہ جو دنیا کے اتنے لوگ نینیز کے حوالے بچے کرتے ہیں وہ پاگل ہیں۔۔؟"

انھوں نے نخوت سے ناک سکیڑی تھی۔

"دنیا کے بچوں میں اور میرے انس میں فرق ہے، دنیا نے ایک ننھی جان کے بدلے پوری ایک جان کی قیمت نہیں چکائی ہے، ہم نے چکائی ہے، ہم اہمیت جانتے ہیں اس کی، جو نہیں جانتا وہ بے شک اپنے زریں خیالات اپنے دماغ تک محدود رکھے، ورنہ لحاظ اور مروت کی توقع تو مجھ سے گناہ ہی ہے۔۔۔"

غراتے انداز میں باور کراتی ہوئی وہ انس کا بے بی سیٹر اٹھا کر خارجی دروازے کی سمت بڑھی، پیچھے ملازمہ اس کا اور انس کا بیگ لیکر ہمقدم ہوئی تھی۔

"ہاں! آپ تو مجھے ایسے دیکھیں گے ہی، آپ کی نئی لاڈلی تو پھولوں کی بارش کر کے گئی ہے ناں مجھ پر۔۔۔"

عباسی صاحب کی سپاٹ نظر خود پر دیکھ کر وہ چمکی۔

"آپ کو تو اللہ ہی پوچھ سکتا ہے۔۔"

وہ تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نکل گئے تھے۔

novel by j nikhat

"اللہ کی پناہ! لڑکی کی زبان ہے یا وزیر آباد کی چھری؟ مجھے دم بھرنے نہیں دیا اس نے، قینچی کی طرح کتر کتر جو چلنا شروع ہوئی تو میں دیکھتی رہ گئی، ارے! ہمت تو دیکھو اس چھٹاک بھر کی لڑکی کی، شادی کو ڈھنگ سے دو دن ہوئے نہیں ہیں ابھی، مجھے آگے سے کہتی ہے، اپنے بیٹے سے کہیں طلاق کے پیپرز تیار کروائے، میں سائن کرنے کیلئے تیار ہوں، اپنے شرائط پر، میں تو حق دق اس کی چرب زبانی دیکھتی رہ گئی۔۔؟"

جبران بارہ بجے کے قریب فریش ہو کر ناشتہ کرنے بیٹھا تو تینوں اس کے گرد فوراً جمع ہو گئی تھی۔

زینت بیگم ہاتھ اور آنکھیں نچا نچا کر صبح کا واقعہ سنا رہی تھی۔اور دونوں بھرپور حیران و پریشان ہونے کی اداکاری کرتی درمیان میں لقمہ دے رہی تھی۔

بھلے جب چھڑپ ہوئی تھی وہ دونوں پڑی سو رہی تھی۔ لیکن جاگتے ہی ماں نے سارا ماجرا امن و عن کہہ سنایا تھا۔

لیکن بھائی کے سامنے صاف انجان بن رہی تھی۔

جبکہ جبران سنجیدہ چہرہ لیے ناشتہ کر رہا تھا۔

"بابا نے کچھ نہیں کہا؟"

بھائی پر اک نظر ڈال کر صنوبر نے پوچھا۔

"ارے! وہ کیا بولیں گے، انھیں کب میری خوشی راس آئی ہے، کب دو گھڑی خوش رہنے دیا ہے اس آدمی نے مجھے، ساری زندگی میرا کلیجہ ہی تو جلاتے رہے ہیں، انھیں تو مزہ آرہا تھا جب وہ کل کی آئی لڑکی میرے منہ کو آرہی تھی۔۔"

وہ روایتی قسم کی عورتوں کی طرح دہائی دینا شروع ہوئی تھی۔

دونوں بیٹیاں انھیں تسلی دینے لگی۔

جبران جوس کا گلاس جگہ پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟ تم کچھ نہیں بولو گے؟"

بیٹے کو یوں ہی جاتا دیکھ وہ تنک کر کھڑی ہوئی۔

"میں کیا بولوں؟"

اس نے سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

"ارے! فارغ کرواسے، ہم نے بچے کا چہرہ دیکھ کر جانے دیا تو دو ہی دن میں اس کے پر نکل آئے ہیں، آگے نجانے کیا کیا فساد برپا کرے گی۔۔۔"

انھوں نے فوراً حل پیش کیا۔

"مذاق ہو رہا ہے یہاں؟ یا آن لائن شاپنگ ہے سمجھا ہوا ہے شادی کو، جو سامان من کو نہیں بھایا تو سات دن کے اندر ریٹرن کا آپشن استعمال کر لوں؟"

اسے ماں کی تجویز پر سخت قسم کا تاؤ آیا تھا۔

اس لڑکی کی کٹیلی زبان کا نشانہ بن کر وہ بھی طیش میں تھا، لیکن اس کی ماں کی تو منطق ہی نرالی تھی۔

"تو کیا اس لڑکی کو اپنے سروں پر مسلط رکھیں ہم؟"

"وہ سب میں نہیں جانتا، میں کوئی مرضی سے اسے گھر لیکر نہیں آیا ہوں۔۔"

اس نے صاف پہلو جھاڑے۔

"تو کیا میں لیکر آئی ہوں؟"

"آپ لیکر نہیں آئی، لیکن اس کارِ خیر میں برابر کی شریک ضرور ہیں، خیر سے آپ کے اور بابا کی مقابلہ بازی کا نتیجہ ہے، لہٰذا آپ بابا سے ہی ڈیل کریں اس معاملے کے متعلق جو بھی شکایت ہے، مجھ سے کسی قسم کی امید مت رکھیں" بنا لگی پٹی کے خود کو بڑی الذمہ کرتا وہ مڑا۔

پھر کچھ یاد آنے پر چند قدم چل کر اس کے قدم تھمے۔

"اور خدا کا واسطہ ہے، اس مرتبہ کوئی میڈیا والا چکر نہیں کیجئے گا، پہلے والے کو بڑی مشکل سے سیٹ کیا ہے، میرے نئے ڈرامے کی شوٹنگ شروع ہونے والی ہے، میں بس پیس آف مائنڈ چاہتا ہوں۔۔۔"

وہ اکتائے ہوئے انداز میں تنبیہ کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکل گیا تھا۔

پیچھے تینوں صدمہ سے منہ کھولے بیٹھی تھی۔

"دیکھا، دیکھا، باپ کی طرح یہ بھی دل جلانے لگا ہے میرا"

بیٹے کے یوں پیٹھ دکھا کر جانے پر زینت بیگم آنکھوں میں آنسو لے آئی تھی۔

"دل کیوں چھوٹا کر رہی ہیں مام"!

صنوبر نے انھیں ساتھ لگایا تھا۔

"تو اور کیا کروں؟ دیکھا نہیں تم نے بھائی کے بدلے تیور، ایک ہی رات میں مزاج نہیں مل رہے اس کے۔۔۔"

بھل بھل آنسو گرنے لگے تھے۔

"مام! کیا فضول بول رہی ہیں؟ ایک سے بڑھ کر ایک حسین چہرے صبح و شام بکھرے ہوتے ہیں بھائی کے آس پاس وہ گھاس نہیں ڈالتے انھیں، وہ آپ کے خیال میں اس عام سی شکل و صورت والی زرناب سے متاثر ہوں گے؟ اور آپ نے شائد دھیان نہیں دیا وہ جتا کر گئے ہیں کہ ان کا اس سب سے کوئی واسطہ نہیں ہے، مطلب صدف کی طرح انھوں نے اس لڑکی کو بھی کوئی مقام نہیں دی ہے، ابھی گھر کا اسے پتا نہیں ہے اڑ لینے دیں، گھر کی باگ ڈور تو آپ کے ہاتھوں میں ہی ہے ناں، جب گرے گی کتر دیجئے گا پر۔۔۔"

ثمرن نے بڑی ہوشیاری سے ماں کے جلتے زخموں پر پھائے رکھے تھے۔

"ارے! تم لوگ ایسا اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم نے اس لڑکی کے تیور نہیں دیکھے ہیں، اس کی آنکھیں، اس کا لہجہ، اس کے الفاظ، یوں لگتا ہے کچا چبا جائے گی۔۔۔"

زینت بیگم اس کانڈر انداز نہیں بھول پا رہی تھی۔

"ارے مام! عورت کی طاقت سسرال میں اس کا شوہر ہوتا ہے، جب اس کا ہی ساتھ نہ ہو تو ساری تیز طراری جھاک کی طرح بیٹھ جاتی ہے، اور اس کا وجود کسی دیمک لگی لکڑی کی طرح کھوکھلا ہو جاتا ہے، اور یہ تو آئی بھی ہے اس عورت کی خالی جگہ بھرنے جس کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔۔۔"

تحقیر آمیز انداز میں کہتی ثمرن مضحکہ خیزی سے مسکرائی تھی۔

پھر دونوں مل کر شاطرانہ انداز میں ماں کو سمجھاتی ان کا بڑھا ہوا بی پی نارمل کرنے کی سعی میں لگ گئی تھی۔

novel by j nikhat

مطلب تم نے سب کورڈار پر رکھا ہوا ہے، سیدھا چوتھے گئیر پر چل رہی ہو؟ کوئی میدان ہموار کرنے کی مہلت یا وقت نہیں۔۔۔؟"

آفس میں قدم رکھتے ہی سدرہ اس کے سر پر مہم آرائیاں جاننے کیلئے سوار ہوئی تو اس نے مجبوراً صبح کا واقعہ سنایا جس پر سدرہ کے دیدے ابل پڑے تھے۔

"وہ لوگ کوئی میرا پسندیدہ پروجیکٹ نہیں ہیں جو میں سٹیپ بائے سٹیپ سب فالو کروں؟اور رہی بات رڈار پر رکھنے کی تو میں نے کسی کو رکھا نہیں ہے، پر جو خود سامنے آئے گا میں لحاظ نہیں کروں گی۔۔۔"

وہ سامنے پھیلے بلوپرنٹ کا باریک بینی سے جائزہ لیتی بنا لگی پٹی کے بولی تھی۔

"پھر بھی یار، احتیاط سے کام لو، وہ لوگ بھی کوئی کچے کھلاڑی نہیں ہیں۔۔"

سدرہ کو فکر ہوئی تھی۔

"ہونہ!پرانے کھلاڑی کے پاس صرف تجربہ ہوتا ہے، جبکہ نئے کھلاڑی کے پاس ان کے تجربے کے ساتھ اپنے نئے اسکلز بھی ہوتے ہیں، اور احتیاط وہ کریں جنھیں کچھ کھونے کا خوف یا پانے کی لالچ ہو، مجھے دونوں نہیں ہے۔۔۔"

وہ استہزائیہ انداز میں بولی تھی۔

اس کے لہجے سے ہی نہیں اس کے ہاؤ بھاؤ سے بھی بے خوفی عیاں تھی۔

اور دانشور کہہ گئے ہیں اس شخص سے خطرناک اس دنیا میں کوئی نہیں ہوتا جس کے اندر 'ڈر' نہ ہو۔

انسان کو کمزور 'زیاں' کا خوف اور 'زیادہ' کی خواہش بناتی ہے، اور جس کے اندر یہ دو چیز نہ ہو وہ انسانوں کیلئے ناقابل تسخیر ناقابل شکست بن جاتا ہے۔

"اور جبران عباسی کا رویہ کیسا تھا؟ "

سدرہ نے توقف سے اس کے چہرے پر کھوجتی نظریں گاڑے پوچھا۔

جواباً اُس کے نقوش میں تمسخر اترا تھا۔

نگاہوں میں اس کارات والا غصہ سے بھرا چہرہ لہرایا، اگر انس غلط وقت پر روکر بچت نہ کرواتا تو اس شخص کی تواضع تو اس نے اور اہتمام سے کرنی تھی۔ پرانس نے روکر کسی اور دن پر معاملہ ڈال دیا تھا۔

لیکن خیر، اب تو ایسے مواقعہ روز ہی آنے تھے۔ جہاں کہاں تھا اس ہر جائی کو بچ کر۔

"تمیز، تہذیب، لحاظ، مروت اور شرافت سب عباسی مینشن میں داخل ہونے سے قبل ہی میں نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر اچھال دیا تھا۔ اب جو ہے 'آئینہ' ہے، جو جیسی صورت لیکر روبرو آئے گا، ویسا ہی جواب پائے گا۔ "

بجائے ساری روداد سنا کر وقت ضائع کرنے کہ اس نے اپنے ارادوں کا مختصر تعارف دیا تھا۔

"پھر بھی، کم از کم یہی بتا دو ری ایکشن کیسا تھا بندے کا، کچھ تو۔۔۔"

زرناب کے تاثرات بتا رہے تھے رات اس نے آتش بازیاں کی ہے دشمن کے خیمے میں، سدرہ تجسس کے مارے مرنے لگی تھی۔

جواباً زرناب نے آنکھیں سکیڑ کر اس گوسپ کی شوقین دوشیزہ کو گھورا تھا۔

"یار پلیز"!!

اس نے مسمسی شکل ڈالتے ہاتھ جوڑے۔

"سدرہ صاحبہ! عنقریب آپ کی منگنی ہونے والی ہے، اور چند مہینوں میں خیر سے آپ پیا کو پیاری ہو جائیں گی، اور آپ کے نان نفقہ کے نام پر وہ معصوم ساری فضول خرچیاں ناکردہ گناہ کی طرح برداشت کرے گا، اس لیے آپ کو مزید اس نوکری کی ضرورت نہیں ہے، لیکن مجھ غریب کے جائز اخراجات اسی نوکری سے پورے ہونے ہیں، لہٰذا، آپ کہیں اور جا کر گوسپ کریں یا پھر کمپنی کا اپنا بھی تو گوسپ گروپ ہیں ناں، وہاں رونق بخشیں۔ شاباش"!!

نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ مٹی پلید کرتے اس نے سدرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ٹیبل سے اتارا تھا۔

"اللہ میاں جی! میرا کونسا شجرہ نسب عباسی مینشن سے جا کر ملتا ہے، جو یوں میرے دھول جھاڑے ہیں تم نے اللہ اللہ"!!

سدرہ کے کانوں سے اس درجہ عزت افزائی پر دھواں نکلنے لگا تھا۔

زرناب نے قطعی دھیان نہیں دیا تھا۔

وہ مکمل بلوپرنٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ جسے لیکر آج اسے سائیٹ پر جانا تھا۔

"اور محترمہ کون غریب؟ آج ہی خیر سے بیگ بھر کر زیورات کے ڈبے تم نے جا کر بینک میں جمع کروائے ہیں، اکاؤنٹ میں من و سلویٰ کی طرح دو دن پہلے ہی تمہاری ٹھیک ٹھاک رقم جمع کروائی گئی ہے، دو دو مالدار جانثار بابا تمہارے بیک پر کھڑے ہیں اور جو تمہاری ہینڈسم سیلری ہے اس کی بات نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے، اور تم غریب بھی ہو؟ بھئی! اللہ ایسی غریبی تو ہمارے پورے ملک میں کرونا کی طرح پھیلا دے۔"

سدرہ نے لگے ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر پورے ملک و قوم کے حق میں دعاِ خیر بھی کی تھی۔

"ہاں! ہاں! جا کر مصلہ بچھا کر دعا کرو جلدی فائل اپر جائے گی۔۔۔"

زرناب نے کان دھرے بغیراب کے بازو سے پکڑ کر اسے اپنے کیبن سے باہر نکالا تھا۔

"اور نادیدی لڑکی! میری سورس آف اِن کم پر نظر کم رکھا کرو، صبح تمہاری نظر کی وجہ سے میری ملک کافی گر گئی تھی، اس لیے کافی بنا کر پیون کے ہاتھ سے بھیجو، بنانا لیکن خود نے ہے۔۔۔"

دروازہ بند کرنے سے پہلے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتی، وہ ہنستی ہوئی آکر واپس کام میں لگ گئی تھی۔

novel by j nikhat

پھر بہت سے دن خاموشی کے ساتھ مٹھی سے سرکتی ریت کی طرح سرک گئے تھے۔ کوئی چھڑپ نہیں ہوئی تھی۔

زرناب تو خیر کسی سرحد پر تعینات سپاہی کی طرح ہمہ وقت جوابی کارروائی کیلئے تیار تھی۔

پر ایسا موقع آیا نہیں تھا۔

جنگ کا ماحول تو تب بنتا جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوتے۔زرناب صبح کی جاب کیلئے نکلی شام ڈھلے تھکی ہاری واپس آتی تھی۔پھر سوئے رات تک اس کا سارا وقت انس کے نذر ہو جاتا تھا۔وہ سوتا تو وہ کچھ آفس کا بچا کام تھکن سے آنکھیں بند ہونے تک کرتی تھی۔

کیونکہ اب وہ خود پلٹ کر پیٹ کے بل اپنی جگہ سے ہٹنے لگا تھا لہٰذا اس پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت تھی،ورنہ ادھر نظر ہٹی ادھر لینی کی دینی پر جانی تھی۔

اور رہی بات ان تینوں کی تو،دن کے اوقات جب وہ آفس جاتی تھی وہ لوگ سو رہے ہوتے تھے،ہفتے میں ایک دو بار طوعاً وکرہاً جمائیاں روکتے ہوئے زینت بیگم ٹیبل پر آجاتی تھی۔

ساتھ بیٹیوں کی ضمانت بھی پیش کر دیتی تھی۔

بیچارے عباسی صاحب اپنے گھر کی خستہ حالت پر دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔

اور شام تو ہر تیسرے دن تینوں کہیں نہ کہیں مدعو رہتے تھے۔

وہ بڑے بزرگ کہتے ہیں ناں

' امیروں کے بہت دوست ہوتے ہیں '

یہی کچھ ان کا حساب تھا۔ جبران عباسی کی شہرت کی بلندیاں ہر ہائی کلاس پارٹی میں ان کی انٹری پاس کی طرح استعمال ہوتی تھی۔

باقی رہی جبران عباسی کی بات تو ان صاحب بہادر کے درشن بھی اس دن کے بعد نہیں ہوئے تھے۔

زرناب کا نیو پروجیکٹ شروع ہوا تھا تو وہ اس پر ابھی مکمل دھیان دے رہی تھی۔

novel by j nikhat

آج وہ آفس کے بجائے کنسٹرکشن سائٹ پر گئی تھی، کام جلد ہی ختم ہو گیا تھا پر دھول مٹی میں اٹے کپڑوں کے ساتھ آفس جانے کے بجائے وہ سیدھا گھر آ گئی تھی۔

ابھی وہ نہا کر گیلے بالوں کو پشت پر آزاد چھوڑے بیٹھی کافی کی چسکیاں لے رہی تھی جب ملازمہ نے آ کر

زینت بیگم کا پیغام دیا۔

"وہ بڑی بیگم نے آپ کو بلوایا ہے مین ہال میں۔۔۔"!

"اپنی بڑی بیگم سے کہو میں مصروف ہوں۔۔"

اس کے جواب پر ملازمہ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا جو ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بالکل فارغ بیٹھی تھی۔

"کوئی اور حکم؟"

اس نے سپاٹ نگاہوں سے پوچھا تو ملازمہ گڑ بڑاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

اس نے سائیڈ سے ٹیبلیٹ اٹھایا اور کورین ڈرامہ لگا کر کانوں میں بلوٹوتھ لگاتی ہوئی مصروف ہو گئی۔۔

"تو اس نوعیت کی مصروفیت جاری ہے یہاں پر۔۔؟"

"میری مصروفیت کس نوعیت کی ہو گی، یہ رپورٹ کرنے کی مجھے تمہیں کب سے ضرورت پڑ گئی۔۔؟"

بہت قریب سے ابھری تیز آواز پر اس نے ناگواری سے ویڈیو روک کر نگاہ اٹھائی تو اس کی چھوٹی نند صنوبر صاحبہ کمر پر دونوں ہاتھ جمائے کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورتی ہوئی نظر آئی۔

"اور پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ، کسی کے کمرے میں جانے سے پہلے ناک کرنے جیسی بیسک مینرز سیکھا یا ہی نہیں گیا یا بد تمیزی کرنے کی جلدی میں بھول گئی ہو؟"

اس کے استہزائیہ انداز میں پوچھنے پر بڑی تن کر آئی صنوبر گڑبڑائی تھی۔ پھر گردن اکڑا کر بولی۔

"اہ! اب وہ ہمیں تمیز سکھائیں گے، جنھیں خود بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔۔"

صنوبر نے خشونیت سے ناک سکوڑی۔

جواباً زرناب کی بھویں تائیدی انداز میں اپر کو شوٹ ہوئی۔

"اچھا! اب یہ تم نے کیسے اخذ کر لیا کہ میں تمہیں تمیز سکھانا چاہتی ہوں؟ بھئی! مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔۔"

بات پکڑ کر من چاہا رخ دیتے اس نے ڈرامائی توقف لیکر کافی کی چسکی بھری۔

"اور دوسری بات بھی یہی کہ، تمہیں کس نے کہا میں تمیز والی بی بی بچی ہوں؟ بھئی! تم عباسی فیملی والوں کو خود سے چیزیں اخذ کرنے کی انتہائی کوئی عجیب عادت ہے، مجھے تو ذرا پسند نہیں آئی۔۔۔"

اس نے بڑا منہ بناتے سر کو دائیں بائیں تمسخرانہ انداز میں جنبش دی۔

اور پھر کچھ سوچ کر جلتے تندور کی طرح لال بھبھوکا چہرہ لئے مٹھیاں بھینچے کھڑی صنوبر کے شانے پر جھکی، کیونکہ اس کی ہائیٹ اونچی تھی تو کان تک آنے کیلئے اسے جھکنا پڑا تھا۔

"اب دھیان سے سنو میرا تعارف، میں ایک انتہائی بد تمیز، بدلحاظ، بے مروت اور خاصی کمینی چیز ہوں، اور ہاں! کم ظرف بھی انتہا کی ہوں، چھوٹی چھوٹی باتوں کا دل میں کینہ رکھتی ہوں اور وقت ملتے ہیں بدلہ لے لیتی ہوں۔ یہ ہے میرا اصل تعارف، آئندہ خود اخذ مت کرنا مجھ سے پوچھ لینا۔۔"

سرسراتے انداز میں کہتی، ہولے سے اس کا شانہ تھپتھپاتی وہ جلا دینے والی مسکراہٹ لیے پیچھے ہٹی۔

صنوبر مارے غصہ کے طنطنا اٹھے چہرے کے ساتھ کانپنے لگی تھی۔

"خیر، مجھے آنکھوں سے بھسم کرنے کی ناکام کوشش ہو گئی ہو تو، درشن دینے کی وجہ بھی بتا دو، خاصی مصروف ہوں میں۔۔"

اس نے تڑکتے انداز میں کہا۔

"ہاں! نظر آ رہی ہے تمہاری مصروفیت"!

صنوبر بھڑ بھڑ جلنے لگی تھی۔

"حیرت ہے! نظر آ رہی ہے، پھر بھی ڈسٹرب کر دیا۔۔"

"تم۔۔تم۔۔۔تم"

مارے اہانت کے احساس کے اس کی زبان نہیں پلٹ رہی تھی۔

"اس تم۔۔تم۔سے آگے بڑھ جاؤ تو بتا دینا، میری ایپیسوڈ ڈلے ہو رہی ہے۔۔"

اطمینان سے دوسرا ایئر بڈ کان میں لگاتے ہوئے وہ اپنی جگہ بیٹھی تو صنوبر دھپ دھپ کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

دھار سے دروازہ مارنے کی آواز بلند ہونے پر اس نے ویڈیو پوز کر کے ٹیبلیٹ سامنے ٹیبل پر رکھا تھا۔اس کے چند ساعت پہلے تک کھلے کھلے محظوظ کن تاثرات سے مزین چہرہ اب یکدم سپاٹ ہو گیا تھا۔

ایسا ہی کچھ رویہ تھا ان لوگوں کا صدف کے ساتھ، جواب بھی دیتے تھے تو لگتا تھا صدف کی اگلی پچھلی سات نسلوں پر احسان عظیم کر رہے ہوں۔ اور جب زرناب غصہ ہوتی تھی تو صدف پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی تھی۔

"بچی ہے زری وہ، لاڈو پیار کی وجہ سے تھوڑا ارووڈ ہو جاتی ہے، ورنہ دل کی بری نہیں ہے۔۔"

صدف کے مدر ٹریسا بننے پر زرناب بس اسے دیکھ کر رہ جاتی تھی۔۔

"لیکن میں دل کی بہت بری ہوں صدف! اور میں ان دودھ پیتی بچیوں کو عقل بھی سکھادوں گی۔۔۔"

کچھ سوچ کر خود کلامی کرتی ہوئی وہ ٹیبلیٹ لیکر دوسرے ہاتھ میں کافی کا مگ اٹھاتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

"ارے! کچھ بتاؤ گی بھی یا احمقوں کی طرح سوں سوں ہی کرتی رہو گی؟"

زرناب نے ہال میں قدم رکھا تو حسب توقع ماں بہن مل کر اس ننھی سی بچی کو سمجھا رہی تھی۔

"ارے! کچھ خاص نہیں، بچی کو مرچی لگی ہے، جاؤ بچی! کچن سے یخ ٹھنڈا پانی پی کر چار چھینٹے منہ پر مار لو جلد افاقہ ہو گا جلن میں۔۔۔"

وہ بڑے ہی فکر مندانہ انداز میں کہتی قریب آئی تھی۔

"تم۔۔۔" !

صنوبر بل کھا کر مڑی۔

"چہ! ابھی تک تمہاری گاڑی اس 'تم' کے کیچڑ میں اٹکی ہے۔۔؟"

اس نے ہونٹ بھینچ کر تاسف کا اظہار کیا۔

"مام" !

صنوبر دو سالہ بچی کی طرح منہ پھلا کر ماں کی طرف مڑی۔

"کیا کہا ہے تم نے اس سے؟"

زینت بیگم نے کرخت انداز میں پوچھا۔

جبکہ صنوبر پیر پٹختی ہوئی احتجاجاً واک اوٹ کر گئی تھی۔

"ماننا پڑے گا، بڑی ہی عمدہ خطوط پر تربیت کی ہے بچی کی، ایک بار میں نے سمجھایا اور خاموشی سے چلی گئی۔۔"

وہ مزہ لیتی ہوئی ان کے مقابل رکھے صوفے کے قریب آئی تھی۔

"خیر، فرمائیں ساسوماں، کس سلسلے میں اتنے عرصے بعد یاد فرمایا بہو بیگم کو۔۔۔؟"

وہ ان کے مقابل دھرے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتی اس پر ٹیبلیٹ رکھ کر بڑی ہی تمیز سے پوچھ رہی تھی۔

"مام نے پہلے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو، کیا کہا ہے تم نے صنوبر سے۔۔۔؟"

ثمرن چمک کر بیچ میں آئی تھی۔

میری انا کو آپ کے حکموں سے بیر ہے،

دیکھیں جناب آپ سے بھرپور معذرت!

ان لفظوں کی ادائیگی دشوار ہے مجھے،

"تسلیم"، "جی"، "بجا"، "سہی"، "منظور" معذرت!

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"میں کمرے سے یہاں تک جواب دینے یا بلاوے کی وجہ جاننے بالکل نہیں آئی ہوں، بلکہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے پیر اکڑ گئے تھے تو سوچا ہال تک واک لے لوں، اب اگر پوچھ رہی ہوں تو جواب دے دیں، ورنہ، وجہ جاننے سے زیادہ تجسس میرا اس ڈرامہ میں ولن کا اگلا قدم جاننے میں ہے۔۔۔"

ثمرن پر اچٹی نظر ڈال کر ٹیب کی اسکرین اسکرول کرتے اس نے جس عدم توجہی سے اس کی موجودگی کو صفر کیا تھا وہ تلملا کر کچھ کہنے لگی تھی کہ ماں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ جس پر وہ زہر کا گھونٹ بھر کر رہ گئی تھی۔

ابھی وہ اس کے ساتھ کسی قسم کی منہ ماری افورڈ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ کل شام جبران کے نئے شو کی پوری کاسٹ کے ساتھ ڈائریکٹر، پروڈیوسر اور انویسٹرز گھر ڈنر پر انوائٹڈ تھے۔ سارے ہی انڈسٹری کے جانے مانے چہرے تھے لہٰذا وہ کوئی رسک نہیں لے سکتے تھے۔

جبران کی یہ پرانی عادت تھی اپنے نئے شو کے تمام اہم شخصیت کو شوٹنگ شروع ہونے سے پہلے گھر ڈنر پر دعوت دینے کی۔

جس کے سارے کام یوں تو ملازم اور خانساماں مل کر خوش اسلوبی سے کر لیتے تھے، لیکن شروع سے لیکر آخر تک انتظامات پر خصوصی نظر رکھنے کیلئے گھر کا بندہ ناگریز ہوتا تھا۔جب تک صدف تھی وہ یہ کام خوش اطواری سے کرتی رہی تھی۔اور اس کے انتقال کے بعد جو شو شروع ہوا اسے صدف کے غم کے بہانہ ٹال دیا گیا۔لیکن آج جب جبران کے منیجر نے کال کر کے بتایا تو ان کے دماغ میں فوراً زرناب آئی تھی۔

کیونکہ انھیں تو ڈنر کیلئے شاپنگ، سلون، پارلر وغیرہ کو درشن دینا ہوتا تھا۔وہ کہاں سے انتظامات کے چکر میں پڑ سکتی تھیں۔

"کل شام میں جبران کے کچھ مہمان آرہے ہیں ڈنر کیلئے گھر، یہی کچھ پچیس سے تیس تک ہوں گے۔۔۔؟"

"تو۔۔۔؟"

اس کی انگلی اسکرین پر پھسل رہی تھی۔

زینت بیگم نے کڑوا گھونٹ حلق سے اتارا۔

"تو اس کے انتظامات تمہیں دیکھنے ہیں، خانساماں اور ملازمین کے ساتھ مل کر تم۔۔۔"

"انتظامات مجھے کیوں دیکھنے ہیں؟اس ڈنر کا مجھ سے کیا تعلق سا سوماں۔۔؟"

سمجھنے کے باوجود اس نے جملہ اچک کر زور دیتے پوچھا۔

"کیونکہ تم جبران عباسی کی سو کالڈ بیوی اور اس عباسی مینشن کی بہو ہو، بڑے نام کے ساتھ بڑی ذمہ داریاں بھی آتی ہے، صرف لیبل لگا لینے سے کام نہیں چلتا۔۔۔"

ثمرن سے برداشت نہ ہوا تو وہ نتھنے پھلا کر جتاتی ہوئی بولی۔

"ایک تو مجھے بیچ میں بولنے والی زبان سخت ناپسند ہے اور وہ زبان کسی روایتی شادی شدہ بیٹی کی فسادی زبان ہو تو میرا من کرتا ہے کہ۔۔۔ خیر!"زور سے دانت کچکچاتے اس نے سر جھٹکا۔

"تم مجھے میکے آنے کا طعنہ دے رہی ہو؟"

ثمرن چمک کر کھڑی ہوئی۔

"تم میکے آؤ، یا جہنم میں جاؤ، میرا کوئی تعلق نہیں ہے، بس میرے بیچ میں مت آؤ، کیونکہ میرے ساتھ قاعدے میں رہو گی تو فائدے میں رہو گی۔۔"

ثمرن کو تسلی بخش شٹ اپ کال دیتی وہ پوری کی پوری زینت بیگم کی طرح مڑی۔

"اگران کی کیلکو لیشن کے مطابق، ذمہ داری کا تعلق جبران عباسی کے نام کے لیبل سے ہے تو یہ ذمہ داری تو خالصتاً آپ لوگوں پر فرض ہوئی، آخر جبران عباسی کے نام کو کارڈ کی طرح ہر جگہ سوائپ کرتی ہوئی تو آپ لوگ گھومتی ہیں ناں؟"

اس نے پلکوں کو بڑی ہی دلکشی سے جھپکا یا تھا۔

"اففف لڑکی! صدف تو ایسی نہیں تھی۔۔۔؟"

اس کے آگ لگاتے لہجے سے جل اٹھی زینت بیگم کی زبان سے ادھر صدف کا نام پھسلا، ادھر زرناب کا فلک شگاف قہقہہ ابھرا، جو کتنی ہی دیر تلک ہال میں گونجتا رہا تھا۔

"اُپس"!

اس نے ہنس ہنس کر آنکھوں کے کناروں پر ٹھہری نمی کو پوروں پر چن کر ہنسنے یا شائد ضبط اشتعال سے سرخ پڑے چہرے کے آگے کیا۔

"کس قدر معصوم ہو آپ لوگ۔۔ صدف میری خالہ تھیں، وہ بھی سوتیلی، ہمارا ڈی این اے مشکل سے ہی میچ ہو گا یار، آپ ہماری شخصیت میں یکسانیت کی توقع لگائے بیٹھے ہو، کچھ زیادہ ہی لبرٹی نہیں لے لی ہے معصوم ہونے کی یا بیوقوف کہوں؟"

اس نے پوروں پر ٹھہرے موتی کو بے وقعتی سے جھٹکا اور خود جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی چلتی ہوئی دونوں ماں بیٹی کے مقابل آئی۔

"صدف آپ لوگوں کا اچھا وقت تھی، اور اچھے وقت کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے، جو بے قدروں کے ہاتھوں ضائع ہو جاتا ہے، میں آپ لوگوں کا برا وقت ہوں، جو کاٹے نہیں کٹتا، جسے کاٹا، برداشت کیا، جھیلا یا پھر بھگتا یا جاتا ہے، اور اس کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے، اینڈ ای ول میک شیور کے ایسا ہو، کیوں آپ لوگوں کو بتانا بھی تو ہے کہ اصل معنوں میں مسلط ہونا کہتے کسے ہیں۔۔؟"

آخر تک اس کے غراتے لہجے اور آنکھوں میں اتری بھڑکتے شعلوں کی چنگاری نے دونوں ماں بیٹی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے کر دیئے تھے۔

"آپ لوگوں کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ابھی تک آپ لوگ مجھے صدف کا متبادل سمجھنے کی حماقت میں جی رہے ہیں۔۔"

نخوت سے کہتے اس نے جھک کر ٹیبلیٹ کو اٹھایا تھا۔

"جبکہ میں صدف کی خاموشیوں کا جواب ہوں، زناٹے دار جواب۔۔۔"

کاٹدار انداز میں کہتے اس نے سختی سے دانتوں کو پیسا تھا۔اس کے قہر لہجے سے زیادہ اس کی آنکھوں میں تباہیاں برپا تھی۔

"اور مجھے آپ کے بیٹے کو پانے کی نہ خواہش تھی، نہ پاکر کر کوئی خوشی ملی ہے، نہ ہی کھونے کا کوئی خوف ہے،اور کھو کر تو خلش یا خسارے کا سوال ہی نہیں اٹھتا، تو مجھے طلاق ولاق کی کھوکھلی دھمکی دینے میں وقت ضائع کرنے کے پیپرز تیار کروالیں بیٹے سے کہہ کر، گو کہ یہ میری اِن ڈائریکٹلی ہیلپ ہو گی، لیکن میں شکریہ نہیں کہوں گی، باقی آدھی رات کو نیند سے جاگ کر بھی میں اپنے شرائط پر طلاق نامہ سائن کرنے کیلئے تیار ہوں۔۔۔"

اک تمسخر بھری مسکراہٹ دونوں پر اچھالتی ہوئی وہ فاتحانہ چال چلتی ہوئی جس طرح آئی تھی اسی طرف چل پڑی تھی۔

پیچھے دونوں ماں بیٹی ڈھیلی ہو کر صوفے پر بیٹھی تھی۔

اس کھیل میں صرف شہ مات ہی نہیں پورا شطرنج ہی اس لڑکی کا تھا۔

novel by j nikhat

غمِ حیات نے آوارہ کر دیا ہے ورنہ۔

تھی آرزو کہ ہر شام اپنے گھر لوٹیں۔

Zubi Novels Zone

صبح وہ آفس کیلئے تیار ہو رہی تھی جب جبران دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"تم نے میرے اسسٹنٹ کو کال کی تھی؟"

وہ سر پر کھڑا بے تاثر لہجے میں مستفسر ہوا تھا۔

"کی تو تھی۔۔"

اس نے انس کے پسندیدہ کھلونے کو اٹھا کر بیگ کی سائیڈ زیپ میں ڈالا تھا۔

"کیوں؟"

"تمہارے اسسٹنٹ نے بتایا نہیں؟ تعجب ہے 'تمہارے' آدمی سے اس درجہ وفاداری کی امید نہیں تھی۔۔"

اس کا 'تمہارے' پر زور دینے کا انداز صد فیصد طنز کی کاٹ لیے ہوئے تھا۔

" نہیں! تم بتادو کیوں کی تھی؟"

سر جھٹک کر اس نے سوال برقرار رکھا تھا۔۔

"تمہارے ڈزائیز کا نمبر چاہیئے تھا۔۔۔"

"اب وہ کس لیے؟"

"میں کوئی کٹہرے میں کھڑی ہوں جو تم سوال پر سوال داغے جارہے ہیں؟"

وہ چڑ کر آنکھوں میں کوفت لیے مڑی تو جبران لمحے کیلئے گڑ بڑا سا گیا تھا۔

"اب وہ کس لیے؟"

وہ حقیقتاً گھوم کر رہ گیا تھا۔

"آج شام ہونے والے خالص الخاص ڈنر کا مینیو پوچھنے کیلئے۔۔"

"وہاٹ۔۔؟"

اس کے تڑکتے ہوئے بے تکے جواب پر جبران کی آنکھیں پھٹی۔

"آف کورس ناٹ! آج کے اسپیشل ڈنر کیلیئے تمہارے لیے جو آوٹ فٹ ریڈی کیا جارہا ہے ویسا ہی ڈریس انس کے سائز میں بنوانے کیلیئے۔۔"

آفس کیلیئے نکلنے کی جلدی تھی تبھی مزید خون جلائے بغیر اس نے اصل بات بتائی اور سائیڈ سے نکلنے لگی کہ یکدم سے جبران سامنے آیا قبل اس کے کہ ناخوش گوار تصادم ہو جاتا زرناب نے بروقت قدم روکتے ہوئے طیش بھری نظر مقابل پر اٹھائی۔

"اب کیا باقی رہ گیا ہے؟"

"انس کیلیئے میرے جیسا آوٹ فٹ کیوں؟"

"کیونکہ انس تمہاری اکلوتی اولاد ہے، جس کیلیئے تم نے آوٹ آف داوے جا کر اپنی منظورِ نظر کو نظرانداز کر کے مجھ سے شادی کی ہے، اسے اس خاص الخاص ڈنر میں متعارف کروایا جانا چاہیئے ناں، تاکہ پچھلے دنوں تمہارے اجلے صاف و شفاف امیج پر آئے شکن انس کو تمہاری گود میں دیکھ کر صاف ہو سکے۔۔۔"

چبا چبا کر کٹیلے انداز میں جتاتی ہوئی وہ جبران کو حیران پریشان چھوڑے دروازے سے نکل گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ گئی ہیں؟ کون منظور نظر؟ اور یہ مارک بچوں کے کپڑے کب سے ڈیزائن کرنے لگا۔۔۔؟"

وہ خود سے ہی ہم کلام ہوا۔

"جبران عباسی کے نام کا کارڈ دکھانے کے بعد مارک چھوٹے بچوں کے کپڑے کیا ڈائپر تک ڈائزائن کرنا شروع کر سکتا ہے۔۔۔"

فون لینے واپس آئی زرناب نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔

"پر۔۔۔"

"پر انھوں نے خود کہا ہے شام تک انس کے نا صرف کپڑے بلکہ جوتے بھی وہ خود تمہارے سوٹ کے ساتھ لیکر آئیں گے عباسی مینشن۔۔۔"

سرہانے سے فون اٹھا کر مزید معلومات سے اس کے الجھے ذہن کو الجھاتی ہوئی وہ نکل گئی تھی۔

اور جبران اس کے طنزیہ لب و لہجے پر جبڑے بھینچتا ہوا بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"آخر اس لڑکی کو مسئلہ کیا ہے میرے ساتھ؟ اگر نہیں کرنی تھی شادی تو نہ کرتی، یہ مجھ پر ہمہ وقت احسان جتاتے رہنے کی کیا منطق ہے۔۔۔؟

وہ اٹھ کر غصہ سے کھولتا ہوا کمرے میں چکر کاٹنے لگا تھا۔

اس کا حقیقتاً دماغ گھوما ہوا تھا۔

اس لڑکی کی بھلا اس سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی؟

اس کو اتنا بھی یاد نہیں تھا کہ کبھی اس کی اس لڑکی سے براہ راست ملاقات ہوئی ہو، شادی کی ملاقات بھی اس کے ذہن میں محفوظ نہیں تھی۔بس اتنی سی معلومات تھی ذہن میں کہ فاروق صاحب کے گھر ان کی نواسی رہتی ہے۔نام تک اسے نکاح سے قبل معلوم پڑا تھا اور روبرو ملاقات ڈائننگ ٹیبل پر اس کے شعلہ جوالہ روپ سے ہوئی تھی۔

اور اس دن اور آج کی ملاقات دونوں میں ہی اس لڑکی نے شدید نفرت و بیزاریت کا اظہار کیا تھا۔

جیسے جبران نے اس کا کتنا بڑا نقصان کر دیا ہو، اس قدر تلخی، بیزاری اور کاٹ ہوتی تھی اس کے لہجے و انداز میں کہ جبران دونوں مرتبہ ششدر رہ گیا تھا۔

اسے عادت نہیں تھی نفرت بھرے لہجوں کی، وہ لاکھوں دلوں پر راج کرنے والا جبران عباسی تھا، اس کی ایک جھلک دیکھ کر مارے خوشی کہ لوگوں کی چیخ نکل جاتی تھی۔ لڑکیاں تو اس پر جان نچھاور کرتی تھی۔

ابھی تین دن پہلے ہی تو کنسرٹ میں اس نے اپنے نئے ڈرامہ کا اوُ ایس ٹی گایا تھا جواباً کتنے ہی لڑکیوں کو دل تھامے اک دوسرے پر گرتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اور ایک یہ لڑکی تھی۔

"شائد اس کی زبردستی مجھ سے شادی کرائی گئی ہے، ہاں! یہی ہو گا، تبھی تو محترمہ خود آگے سے دو مرتبہ طلاق کی بات کر چکی ہے۔۔۔"

چلتے چلتے پیر دکھنے لگے تو دماغ کی یکدم سے بتی جلی اور قدم رک گئے۔

"لیکن اس 'بھاپ انجن' محترمہ کے ساتھ کون زبردستی کر سکتا ہے۔۔۔؟"

اسے اس کے جارحانہ تیور یاد آئے۔

"اور اگر زبردستی ہوئی بھی ہے تو میرا کیا قصور ہے اس میں۔۔؟"

دانت کچکچاتا ہوا وہ واپس بستر پر بیٹھا۔

اس بات سے انجان کی شادی تو واقعی زرناب کی زبردستی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ زبردستی اس نے خود کی ہے۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

وہ آفس سے لوٹی تو عباسی مینشن میں زبردست افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ملازموں کی ایک فوج گارڈن ایریا میں تو ایک گھر کے اندر متحرک تھی۔

"اللہ خیر" !

شانے اچکا کر کمرے کی جانب بڑھ رہی زرناب یکدم سے رکی تھی۔

یوں بھونچکا کر رکنے کی وجہ یکدم عجیب و غریب انداز میں وارد ہوئی تینوں ماں بیٹیاں تھی، بلکہ ان کا حلیہ تھا۔ ثمرن اور صنوبر کے بالوں میں کرل کرنے کے کلپ لگے ہوئے تھے، چہرے پر گرین کلر کا پلپلا سا نجانے کس چیز کا ماسک تھا اور جب آدھے چہرے پر بلیچ لگائے ملازم پر کسی وجہ سے بگڑتی ہوئی زینت بیگم منظر عام پر آئی تو اس کیلئے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

جبکہ اس پر نظر پڑتے ہی تینوں نے برا سا منہ بنایا، جس پر زرناب ہنسی چھپاتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

ملازمہ انس کا بے بی کارٹ اٹھائے اس کے پیچھے ہی تھی۔

ملازمہ کو وہیں رک اس کے فریش ہونے تک انس کا خیال رکھنے کا کہتی ہوئی وہ واش روم میں بند ہوئی تھی۔

واپس آئی تو ملازمہ کے ساتھ عباسی صاحب کو بھی اپنا منتظر پایا تھا۔

"السلام علیکم انکل"!

تولیہ سے چہرہ خشک کرتے اس نے کچھ حیرت سے انھیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہیں۔۔"

خوش دلی سے جواب دیتے انھوں نے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا تھا اور خود انس کو بیڈ پر سے اٹھالیا تھا۔

"خیر ہے انکل، کوئی کام تھا تو ہمیں بلوا لیتے۔۔۔؟"

وہ تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتی ان کے قریب آئی۔

"ہمم! وہ دراصل انس کا یہ پارسل آیا تھا تو میں نے سوچا میں خود پہنچا دیتا ہوں آپ کے پاس۔۔۔"

انھوں نے سائیڈ پر رکھے اپنے ساتھ لائے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن یہ دو کیوں ہیں؟"

اس نے ایک بڑا ایک چھوٹا ہینگر بیگ دیکھ کر ان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

"ایک ہمارے پوتے کا اور ہماری بہو کا۔۔۔"

وہ اطمینان سے بولے۔

"یو مین میرا؟"

"ایک ہی تو بہو ہے ہماری۔۔۔"

وہ مشفق انداز میں مسکرائے۔

"میرا؟ لیکن میں نے کب کہا کہ میں پارٹی میں شرکت کر رہی ہوں؟"

وہ الجھن میں پڑی تھی۔

"آپ نے نہیں، میں نے کہا ہے کہ آپ پارٹی میں شرکت کر رہی ہیں۔۔۔"

وہ دباؤ ڈال کر بولے تو زرناب سنجیدہ تاثرات لیے ان کے مقابل چلی آئی۔

ہوا میں بلند کر کے انس کے پیٹ پر ناک رگڑتے ہوئے اس کی کھلکھلاہٹوں سے محظوظ ہو رہے عباسی صاحب نے اس کے سنجیدہ تاثرات پر اک نظر ڈالی اور پھر انس کو سنبھال کر بازو میں لیا۔

"بیٹا! صدف والی غلطیاں آپ مت دہرائیں، صدف اس طرح کے تقریبات کی ذمہ داری سے سارے انتظامات دیکھتی تھی، باریکی سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھتی تھی، لیکن خود شامل نہیں ہوتی تھی، میرے سمجھانے پر کہتی تھی انکل میں ان لوگوں کے بیچ گھل مل نہیں پاتی ہوں، ہمارے بیچ کا من کچھ نہیں ہے۔وہ بالکل صحیح تھیں، بے شک ہمارے اور ان کے بیچ کچھ کامن نہیں ہے، لیکن ہمیں اپنے انداز و اطوار سے، اپنے پُر اعتماد اور مثبت رویہ سے کامن چیزیں ڈھونڈنی پڑتی ہے، جب ہم ایک ایسے شخص سے منسلک ہوتے ہیں جس کی پوری دنیا اسی دنیا کے لوگوں کے گرد گردش کرتی ہے، جس طرح زینت لوگوں نے اپنائی ہے جبر ان سے قریب رہنے کیلئے اس کی دنیا، میں صحیح اور غلط کے ترازو میں بات رکھے بغیر ایک عام اور حقیقت سے قریب تر نقطہ نظر بیان کر رہا ہوں، صدف تو خیر بہت معصوم بچی تھی، لیکن آپ سمجھدار اور پُر اعتماد ہو اور آپ کو لوگوں کو خود سے متاثر و مرعوب کرنا آتا ہے۔۔اس لیے میں چاہتا ہوں آپ شرکت کریں۔۔۔۔"

انھوں نے بڑے ہی تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"پر انکل، مجھے اس شخص کی زندگی میں کوئی مقام چاہیئے ہی نہیں تو میں اس کی دنیا کیوں اپناؤں۔۔۔؟"

وہ تلخی سے بولی۔

"پھر آپ انس کو اس کا مقام کس طرح دلائیں گی۔۔۔؟"

"وہ میں۔۔۔۔"

وہ تذبذب میں پڑی تھی۔

"آپ کو اچھی طرح اندازہ ہے آپ اپنا مقام جب تک جبران کی زندگی میں مستحکم نہیں کر پائیں گی تب تک آپ انس کو اس کی جگہ نہیں دلا پائیں گی، اگر آپ کو اندازہ نہیں ہوتا تو آپ آگے سے نکاح کی شرط نہیں رکھتی، ابھی شام ہونے میں کچھ گھنٹے باقی ہیں، اچھی طرح بیٹھ کر سوچ لیں، کوئی زبردستی نہیں ہے ہماری طرف سے، بس ایک صلاح تھی۔۔۔"

انھوں نے ایک ایک لفظ کو تول کر خصوصی دباؤ ڈالتے اسے کچھ باور کرانا چاہا تھا۔

"ہم دادا پوتے کھیل کر آتے ہیں، آپ تھوڑا آرام کر لیں تھک کر آئی ہیں۔۔۔"

اس کے چہرے پر بکھری سوچ کی پرچھائیوں پر اک نظر ڈالتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئے تو زرناب لب کچلتی ہوئی آکر بالکنی کے گلاس ڈور پر کھڑی ہو گئی، جہاں سے گارڈن ایریا میں چل رہی تیاریاں صاف نظر آرہی تھی۔

عباسی صاحب کی بات کچھ تلخ ہی سہی لیکن اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت تھی۔ وہ جبران کی زندگی میں خود پر جبر کر کے انس کا مقام مستحکم کرنے کیلئے داخل ہوئی تھی، اس کیلئے وہ اپنی زندگی میں جبران اور جبران کی دنیا میں اپنا مقام نظر انداز نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ یہ سب ایک چین میں تھا، اور وہ انس اور اس شخص کے درمیان کی اہم کڑی تھی۔

انس کی حیثیت کو منوانے کیلئے اسے سب سے پہلے اپنا مقام جبران عباسی کی دنیا کے انھیں لوگوں کی نظر میں منوانا تھا جن کی نظریں جبران عباسی کی زندگی کے ہر سیکنڈ پر مرکوز تھی اور جن کی نظر میں وہ ہمہ وقت سرخرو رہنا چاہتا تھا۔

جس طرح پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر ممکن نہیں تھا اسی طرح ایک فلمی ستارے سے منسلک رہ کر لیم لائٹ سے پہلو تہی نہیں ہو سکتی تھی، خاص کر حالات جب اس نہج کے ہوں۔

کیونکہ جبران عباسی کی کوئی پرسنل لائف تھی ہی نہیں،اس کا کھانا،پینا،سونا، جاگنا،ہنسنا،بولنا سب اس کی پروفیشنل زندگی کے نذر تھا،دن کے چوبیس گھنٹے اس نے اسی کو دے رکھتے تھے۔ تبھی تو کتنے کتنے دن تک وہ گھر تک نہیں آتا تھا۔

اس نے پلٹ کر ایک سرد نظر ہینگر پر ڈالی۔

پہلے اس کا ارادہ انس کو اس کے ساتھ بھیج کر خود لمبی تان کر سونے کا تھا،انس اس کے ساتھ اچھا رہتا تو اچھی بات تھی، لیکن پریشان کرتا تو اور اچھی بات تھی۔زرناب کے دل کو سکون ہی ملنا تھا۔

لیکن اب اس کا فیصلہ برعکس تھا۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

ہر اک نظر میں شوق کا پیغام تھا مگر!!!!!!!!

ھم خود پرست خود سا کوئی ڈھونڈتے رہے۔

ستاروں بھری شام عباسی مینشن کے گارڈن میں انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کے مایاناز ستاروں کو لیکر اتری تھی۔ بلا تفریق مرد وزن میک سے آراستہ روشن روشن چہرے، بے باک قہقہہ، بلند کھلا ڈلا لہجہ۔۔

گارڈن میں ایک جانب لمبی سی مستطیل نما ٹیبل انواع و اقسام کے ریفریشمنٹ کے لوازمات سے سجائی گئی تھی۔

ساتھ سوفٹ ڈرنکز کی قطار تھی۔ پاس ہی خانساماں باربی کیوں کا بڑا سا اسٹینڈ لگائے اپنے مددگاروں کے ساتھ مستعد کھڑے تھے۔

فضا میں مختلف پرفیوم اور ہلکے میوزک کے ساتھ بھنے ہوئے گوشت کی سوندھی سوندھی خوشبو بھی گردش کر رہی تھی۔

بامشکل پچاس مہمان کو سرو کرنے کیلئے پندرہ ویٹر ہاتھ باندھ کر ایک جانب ایک اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔

ایک جانب چھوٹا سا سٹیج تھا۔

اسٹیج کی ایک طرف صوفے ڈالے گئے تھے جبکہ دوسری طرف اسٹینڈنگ ٹیبلز تھے۔ مرضی تھی مہمانوں کی بیٹھیں یا کھڑے رہیں۔

پیچھے سونے کے محل کی مانند چمکتی ہوئی گولڈن روشنی سے نہائی طمطراق سے کھڑی عباسی مینشن کی عمارت محفل کی خوابناکی میں اپنا اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

جبران عباسی کی پارٹی تھی لہٰذا انتظامات اس کے شایان شان تھے سارے۔

جبران وائٹ پینٹ پر، نیوی بلو شرٹ اِن کئے نک سک سے تیار اپنی لاثانی وجاہت کے ساتھ پوری محفل پر چھایا ہوا تھا۔

اور ایک اچھے میزبان کی طرح لبوں پر قاتلانہ مسکراہٹ سجائے تمام مہمان کو برابر وقت دے رہا تھا۔

الغرض ہر چیز اپنی جگہ خوبصورتی سے ہیرے میں جڑے نگینے کی طرح فٹ تھی، جب اسسٹنٹ احمد بھاگتا ہوا جبران کے قریب آیا۔

"چیف"!!

جبران کے بازو پر ہاتھ رکھتے احمد نے ایک جانب اشارہ کیا تو جبران نے بلاارادہ اس جانب نظر اٹھائی اور پھر اس کے مسکراتے لب اسی انداز میں منجمد ہو گئے۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

انٹرنس پر عباسی صاحب اسی کی طرح نیوی بلو شرٹ اور وائٹ پینٹ میں ملبوس گول مٹول انس کو لیے کھڑے تھے، لیکن اس کی پتلیاں اصل ساکت ان کے پہلو میں کھڑے وجود کو دیکھ کر ہوئی تھی۔

جو آف وائٹ فراک فل سلیو والے میں ملبوس تھی، جس کے گلے میں ہلکا سا دیدہ زیب کام تھا، شانے پر سلیقے سے بلو رنگ کا دوپٹہ لیا گیا تھا جو اس کے دراز سراپے پر بہت جچ رہا تھا۔

جوڑا بنانے کی وجہ سے سراہی دار گردن واضح ہو رہی تھی، تضاد گداز رخساروں پر آوارہ لٹوں کا سخت پہرا، اور گلے میں اتنی دور سے چمک رہا ہیرے کا پینڈٹ تو سونے پر سہاگہ تھا۔

"چیف"!!

احمد نے ٹہوا دیا سارے مہمان ہی اس نئے چہرے کی جانب متوجہ ہو گئے تھے جو مرکز نگاہ بن کر بھی پورے اعتماد سے کھڑی تھی۔

"اؤمائے گاڈ! مائے اپولو جائز، مہمانوں کو اٹینڈ کرتے ہوئے میرے ذہن سے نکل گیا تھا کہ مجھے آپ کو بھی اندر سے رسیو کرنا تھا۔ایم سوری۔۔۔"

اداکار تو وہ تھا ہی ماہر، سیکنڈ کی ہزارویں ساعت میں لبون پر جاندار مسکراہٹ سجائے والہانہ انداز میں ان کی جانب بڑھا۔

اور بڑی ہی بے تکلفی بلکہ لگاوٹ سے زرناب کی کلائی کو اپنی آہنی انگلیوں کی پر حدت گرفت میں لیا،اس کی جرات اور اداکاری کے جوہر پر ایک پل کیلئے زرناب کا من کیا کلائی جھٹک کر اسی ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ اس شخص کے حسین چہرے پر جڑ دے لیکن عباسی صاحب نے آنکھوں سے تنبیہہ کرتے انس کو اس کی جانب بڑھایا تو وہ خون کا گھونٹ بھرتی ہوئی انس کو ان سے لیکر اس کے ہمراہ اسٹیج کی جانب بڑھی۔

لیکن لبوں پر بناوٹی مسکراہٹ سجانے کا احسان اس نے نہیں کیا تھا۔

دل میں کسی کو رکھو دل میں رہو کسی کے

سی۔کھوا بھی سلیق۔۔۔ے کچھ روز دلب۔ری کے۔

Excuse me beautiful people,May i have you're attention please!

(معذرت! خوبصورت لوگ، کیا میں آپ کی توجہ چاہ سکتا ہوں؟)

بڑے ہی شائستہ اور جاندار انداز میں اس نے اسٹیج پر چڑھ کر ٹیبل سے مائک اٹھائے ہوئے پہلے سے ہی متجسس انداز میں اسی کی جانب متوجہ لوگوں سے اخلاقاً توجہ کی درخواست کی تھی، جواباً سب نے ہاتھ میں موجود گلاس ہوا میں بلند کر کے ہوٹنگ کی تھی۔

دل میں کسی کو رکھو دل میں رہو کسی کے
سی۔کھوا بھی سلیق۔۔۔ے کچھ روز دلب۔ری کے۔

"جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں میں اپنی ذاتی زندگی پرائیویٹ رکھنے میں یقین رکھتا ہوں، لیکن آپ لوگوں سے کیسا پردہ، سو ملیئیے، مائے بیوٹیفل وائف زرناب عباسی سے اور ہمارے پرنس انس جبران عباسی سے۔۔۔۔"

انس سمیت زرناب کو اپنے وسیع بازو کے حصار میں لیتے ہوئے اس نے پرجوش انداز میں تعارف کرایا تو جواب میں زبردست قسم کی ہوٹنگ کے ساتھ طرح طرح کے پرمزہ سوال موصول ہونے لگے۔

جس کا وہ انھیں اسی طرح بازو کے حصار میں لیے خوش دلی سے بلکہ پرشوخ انداز میں جواب دے رہا تھا۔

اور زرناب اس دوغلے شخص کی اداکاری اور اپنے بازو پر ٹھہرے اس کے لمس پر اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہی تھی۔لحاظ تھا تو بس نیچے کھڑے عباسی صاحب کے لفظوں کا ورنہ تو اس کا من کر رہا تھا اس کے چہرے سے یہ دوغلے پن کا نقاب نوچ کر پھینک دے اور پوری دنیا کے سامنے اس کا اصل مکار چہرہ لے آئے۔

لیکن وہ ایسا کرنے سے قاصر تھی۔

صرف زرناب ہی نہیں وہاں چار چہرے اور تھے جو جلتے توے پر بیٹھے ہوئے تھے، زینت عباسی، صنوبر، ثمرن اور شبرینہ، جن کی آنکھوں سے حسد و جلن کی چنگاڑیاں اٹھ رہی تھی اسے یوں جبران عباسی کی باہوں میں حق سے سمایا ہوا دیکھ۔

"ایک سیکنڈ"!

زرناب کے ٹوٹتے صبر کے باندھ کو دیکھ کر عباسی صاحب کو مجبوراً اسٹیج پر آنا پڑا تھا ان کے ہاتھ بڑھانے پر جبران فوراً مائک ان کی جانب بڑھا کر سائیڈ پر ہٹ گیا تھا پر زرناب کو اپنی گرفت سے آزادی نہیں دی تھی۔

"آپ سب کی شکایتیں بالکل جائز ہے، لیکن اس میں جبران کا کوئی قصور نہیں ہے، انس کے متعلق پھیل رہی عجیب و غریب خبروں کو دیکھتے ہوئے میں نے ہی اناًفاناً فیصلہ کیا تھا نکاح کا، ورنہ ہمارا ارادہ تو چند مہینے مزید ٹھہر کا باقاعدہ تقریب رکھ کر کرنے کا تھا یہ نیک کام، لیکن خیر، تقریب تو اب بھی ہو گی ولیمہ کی، اور امید ہے اس میں آپ لوگوں کے شکوے دور ہو جائیں گے۔۔۔"

مسکراتے ہوئے بات سنبھال کر انھوں نے مائک جبران کی طرف بڑھایا جسے تھامتے ہوئے اس کی آنکھیں سچی خوشی سے روشن تھی۔

پہلی بار انھوں نے اس کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ان سے واقف سب تھے لیکن کبھی عباسی صاحب نے شرکت نہیں کی تھی،آج بہو پوتے کے طفیل ہی انھوں نے محفل کو شرف بخشا تھا لیکن جبران کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

"چلیں "!

مائک جگہ پر رکھتے ہوئے اس نے اسٹیج سے اترنے کا اشارہ کیا۔

"ایسے۔۔۔؟"

زرناب نے دانت کچکچا کر اس کے بازو کی طرف اشارہ کیا۔

"اُپس! سوری،میرا دھیان نہیں رہا۔۔"

"دھیان رکھا کریں،مجھے اس قسم کی حرکتیں سخت ناپسند ہے،اور جو چیز مجھے ناگوار گزرے اس کے جواب میں اپنا ردعمل میں خود پریڈکٹ نہیں کر سکتی۔۔"

دبے سلگتے لہجے میں اس نے تنبیہہ کیا تو جبران محفل کا خیال کرتا مسکراتا ہوا ہاتھ ہٹا کر ذرا پیچھے ہٹا پھر دونوں اسٹیج سے نیچے اترے۔

"ایک سیکنڈ"!

اس کے کسی سمت بڑھنے سے قبل ہی زرناب نے آواز لگائی تو وہ سوالیہ تاثرات لیے متوجہ ہوا۔۔

"انھیں لیں۔۔۔"

اس نے انس کو بڑھایا تھا۔۔

"لیکن مجھے چھوٹے بچے کو اٹھانے کا آئیڈیا نہیں ہے۔۔۔"

وہ پریشان ہوا تھا۔سب کی نظر ہنوز انہی پر مرکوز تھی۔

"کچھ دن میں آئیڈیا اور عادت دونوں ہو جائے گی۔۔"

اس کا وہی بے نیازی میں لپٹا جواب تھا۔انس کو ہنوز اس نے اس کی جانب بڑھا رکھا تھا۔

جبران نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اناڑی پن سے انس کو اپنے بازو میں لیا۔۔

وہ پاس کھڑے عباسی صاحب کی سمت بڑھ گئی۔

جبران نے مشکل سے خود کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے انس کو اونچا کر کے بازو پر بٹھایا جو ابھی تک تو کسمسائے بغیر یک ٹک اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا آگے کا معلوم نہیں تھا۔

"مجھے آپ کے سائز کے بچوں کو اٹھانے کا آئیڈیا واقعتاً نہیں ہے، لیکن یہ بات آپ کی مام کو سمجھانا آپ کو اٹھانے سے بھی زیادہ مشکل ہے، اس لیے آپ ہی تھوڑا ہمارے ساتھ کوآپریٹ کر لیں، آخر ایک مرد کا ساتھ مرد نہیں دے گا تو کون دے گا۔۔ "

Zubi Novels Zone

"مجھے آپ کے سائز کے بچوں کو اٹھانے کا آئیڈیا واقعتاً نہیں ہے، لیکن یہ بات آپ کی مام کو سمجھانا آپ کو اٹھانے سے بھی زیادہ مشکل ہے، اس لیے آپ ہی تھوڑا ہمارے ساتھ کوآپریٹ کر لیں، آخر ایک مرد کا ساتھ مرد نہیں دے گا تو کون دے گا۔۔ "

جبران نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کسی باشعور مرد سے اپنی پریشانی بیان کرنے کے انداز میں اس دو فٹ کے منہ میں ہنی نپل لیے اپنی طرف ہی متوجہ مرد سے کشمکش بیان کی تھی۔

جواباً انس نے اپنی ٹچ بٹن جیسی آنکھیں حیرانی سے پٹپٹائی تھی، جیسے کہہ رہا ہو۔

"وہ سب تو ٹھیک ہینڈ سم مرد، پر کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟"

جبران اس کے یوں سنجیدہ انداز میں گھورنے پر گھبرایا تھا۔ کہیں اگلے لمحے محفل میں یہ خود کو تان سین کے جدِامجد ناثابت کرنے پر تل جائیں۔

"کیا ہوا چیف۔۔؟"

اسسٹنٹ احمد اپنے چیف کے گمبھیر تاثرات دیکھ قریب آیا تھا۔

"تمہیں بچوں کو سنبھالنا آتا ہے؟ "

اس نے جھٹ ایک امید سے پوچھا جو دوسرے پل مایوسی میں بدل گئی۔

"نہیں ناں چیف، میں اکلوتا ہوں اور ابھی تک شدید قسم کا سنگل بھی، ایک گرل فرینڈ تک نہیں بنائی، یہ مراحل تو خیر۔۔۔"

جواباً احمد نے دل گرفتہ انداز میں اپنی خستہ حالی بیان کی۔

"تو ابھی تک کیا کر رہے ہو جلدی سے لڑکی ڈھونڈو اور شادی کرو، ایک بچہ سنبھالنا نہیں آتا اور گرل فرینڈ چاہئے صاحب بہادر کو۔۔۔"

وہ اس پر بگڑتا ہوا ایک جانب بڑھ گیا تو پیچھے بیچارہ احمد اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

اب وہ بیچارہ کیا کہتا کہ، آپ کی وجہ سے اب تک شادی نہیں ہو پائی ہے میری، آپ نے تو خود کو کام کے نذر کر ہی رکھا ہے ساتھ مجھے بھی جھونک رکھا ہے، بیوی والے بندے کو گھر دار کو وقت بھی دینا پڑتا ہے، یہاں تو آپ کے پیچھے مارا مارا پھرتے مجھے اپنے لیے وقت نہیں مل پاتا ہے۔۔۔

پر بیچارے کا بس جلے دل کے پھپھولے دل میں ہی پھوڑنے پر چلا تھا۔۔

novel by j nikhat

"اچھا! پھر آپ انجوائے کرو میں چلوں گا۔۔"

عباسی صاحب گھڑی پر اک نظر ڈالتے ہوئے بولے۔۔

"آپ۔۔آپ کہاں؟"

"اندر اور کہاں؟"

"میں بھی چلوں گی، ویسے بھی تعارفی پروگرام تو نمٹ چکا ہے۔۔۔"

زرناب فوراً ہاتھ جھاڑتی تیار ہوئی،عباسی صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اندر جارہا ہوں، آپ یہی رہیں گی جب تک اس تقریب کی رونقیں ماند نہیں پر جاتی اور ایک اچھے خوش اخلاق میزبان کے فرائض نبھاتی رہیں گی، اس تقریب کی اصل میزبان ہیں آپ۔۔۔"

وہ زور ڈال کر باور کراتے انداز میں بولے تھے۔

"پر انکل میں۔۔۔"

زرناب نے کچھ کہنا چاہا پر وہ نفی میں سر ہلاتے ٹوک گئے۔۔

"بیٹے! حالات جیسے بھی ہوں انسان کو کبھی بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہئے، حالات کا کیا ہے جلد یا بدیر بدل جاتے ہیں، لیکن چھوڑی ہوئی جگہ واپس نہیں ملتی، بیٹا، یہ دنیا ایک مقابلے کا میدان ہے، اور عقلمند اور باہمت لوگ کبھی مقابلے کے نام سے بھاگتے نہیں ہیں۔۔۔"

ان کی نگاہ انس کو گود میں اٹھائے پیچھے کسی سے بات کر رہے جبران پر تھی، زرناب نے ان کے نگاہوں کی تعاقب میں نظر ڈالی، ان دونوں کی نگاہ خود

پر محسوس کر کے جبران مہمان سے معذرت کرتا ان کی طرف آنے لگا تو زرناب تلملا کر پشت موڑ گئی۔

"کوئی مسئلہ ہے بابا۔۔۔؟"

وہ عام دنوں سے قطعی مختلف انداز میں پوچھ رہا تھا۔ بالکل کسی خوش اخلاق، خوش گفتار، فرمانبردار سپوت کی طرح، ورنہ تو مہینوں گزر جاتے تھے عباسی صاحب کو اس کی شکل تک دیکھنے کو نہیں ملتی تھی۔

"نہیں! بس میں کہہ رہا تھا بچی کو ساتھ لیکر جاؤ، انجان لوگ ہیں، میں اندر جا رہا ہوں۔۔"

"آپ جا رہے ہیں؟"

ماں کو دیکھ کر مچلتے انس کو دوسرے ہاتھ پر منتقل کرتے یکدم سے اس کا لہجہ بجھا تھا۔

"ہاں! میں نے رات کا کھانا کھا کر دوائیاں لی ہے تو آرام کروں گا، تم لوگ انجوائے کرو۔۔۔"

وہ مبہم سا مسکرائے جبران نے اثبات میں سر کو جنبش دیا۔

اس کے پروفیشن اور اس سے منسلک لوگوں سے خار کھانے والے عباسی صاحب یہاں تک چلے آئے تھے یہی غنیمت بلکہ معجزہ تھا مزید کی خواہش لالچ ہوتی۔

"بچی کے ساتھ ساتھ ہی رہنا۔۔"

جاتے جاتے بھی وہ تنبیہہ کرنا نہیں بھولے تھے۔

جبران نے مؤدب انداز میں سر کو جنبش دیتے ان کی بچی کو دیکھا۔ جو سینے پر ہاتھ باندھے آنکھوں کو مغرورانہ انداز میں ماتھے پر سجائے یوں کروفر سے کھڑی تھی جیسے ایک دنیا کو فتح کر آئی ہو اور دوسری دنیا خود تسخیر ہونے ان کی قدموں میں پڑی ہو۔

اس بچی کو بھلا ضرورت تھی ساتھ کی یہ خود اپنے ساتھ طنز، تمسخر، استہزاء، شعلہ مزاج، کٹیلے نینوں کے زہریلے وار لیے گھومتی تھی جو کسی کو چھو جائے تو بندہ پانی نہ مانگے۔ جس کی اتنی عمدہ کمپنی ہو اسے بھلا جبران کیا کمپنی دیتا۔

"آؤ، میں تمہیں سب سے ملواؤں؟"

سر جھٹک کر جبران نے عام سے انداز میں پیش کش کی۔

"تمہیں واقعی لگتا ہے مجھے ان لوگوں کو جاننے میں دلچسپی ہے۔۔۔؟"

اس نے اچٹتی سی نگاہ اٹھائی۔ جبران کلس کر رہ گیا۔

"لیکن ان لوگوں کو اس شخصیت کو جاننے کا بہت تجسس ہے جو میرے پہلو میں کھڑی ہے، ان کے مہمان ہونے کا ہی خیال کر لو، جب یہاں تک جبر کر کے آنے کا احسان عظیم کر ہی دیا ہے تو۔۔"

اب کے وہ بھی خود کو طنز کرنے سے باز نہیں رکھ پایا تھا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہے لو برڈز! بھئی جبران، ہم سمجھ سکتے ہیں اتنی حسین کمپنی کے ساتھ وقت اور ارد گرد کا ہوش رکھنا ذرا مشکل ہے، پر ہم بھی راہوں میں بچھے ہیں۔۔"

ان کی محاذ آرائی کسی کنارے لگنے سے قبل ہی دو مہمان چل کر ان کے قریب آ گئے تھے ان کے معنیٰ خیز انداز پر جبران کھل کر ہنسا تھا جبکہ زرناب نے چہرے کے زاویہ درست کر کے ہی احسان کر دیا تھا۔

"ان سے ملو زرناب، یہ ہیں ہماری انڈسٹری کے مایاناز کاسٹنگ ڈائریکٹر ملک صاحب، اور یہی وہ کاتب ہیں جنھوں نے میرے اس روشن سفر کا پہلا باب لکھا

تھا، انھیں کی پارکھی نظروں نے مجھ عام سے لڑکے کو ایک نظر میں منتخب کر کے ستاروں کی دنیا میں اپنا ہنر آزمانے کا موقع دیا تھا۔۔۔"

جبران نے بڑے ہی بھاری بھر کم مگر خلوص و ممنونیت کے ساتھ مقابل ایک ہاتھ میں گلاس دوسرے کو جیب میں اڑسے کھڑے شخصیت کا تعارف کرایا تھا۔

" بھئی! اب تم زیادتی کر رہے ہو، تم تو تھے ہی چمکتا ہوا نایاب ہیرا میری نظر میں نہیں آتے تو کسی اور جوہری کی آنکھیں تم پر پڑ جاتی، بھلا ہیرے کی چمک بھی چھپتی ہے کیا، پر اچھی بات یہ ہوئی کہ یہ کریڈٹ میرے سر ہے۔۔ہاہاہا۔۔۔"

انھوں نے عجز و انکساری سے کام لیتے قہقہہ لگایا تو جبران نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ پاس کھڑی خاتون کی دلچسپ نگاہ ہنوز زرناب پر گڑی ہوئی تھی۔

"اور ان سے ملو، یہ ہے ہمارے شو کی اسکرپٹ رائیٹر اور درجنوں بلاک بسٹر ڈ ڈرامہ اور کردار لکھ کر مداحوں کی دلوں پر راج کرنے والی مسز ریحانہ ملک، مسٹر ملک کی وائف۔۔۔"

اسی جانفشانی سے اب کے جبران نے خاتون کا تعارف دیا تو ان کے ہاتھ بڑھانے پر زرناب نے بھی اخلاقاً مصافحہ کیلئے ہاتھ آگے کیا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"بھئی! میں دیکھ رہی ہوں عام دنوں کے مقابل، بہت چہک رہے ہیں آج آپ، یقیناً یہ دل آویز سنگت کا اعجاز ہے۔۔۔"

ریحانہ ملک نے شوخی سے چھیڑا۔

"کہہ سکتی ہیں آپ۔۔۔"

وہ جھنیپ کر ہنس دیا۔اب واقعی جھینپا تھا یا یہ بھی اداکاری کے جوہر تھے کہنا مشکل تھا۔

"ویسے سنگت پر میں کہنا چاہوں گا، آج تک تم نے ایک سے بڑھ کر ایک حسین و نازنین اداکاروں کے ساتھ جوڑی بنائی ہے، شائقین نے سراہا بھی دل کھول کر ہے، لیکن ان سے پرفیکٹ کوئی تمہارے ساتھ نہیں جچا ہے آج کی تاریخ تک۔۔۔"

ملک صاحب نے ستائشی نظر چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد کے ساتھ کھڑے جبران عباسی کے پہلو میں، دراز سراپے کے ساتھ کھڑی پُر وقار وپُراعتماد زرناب پر ڈالتے دل سے تعریف کی تھی۔

"بھئی! یہ پرفیکٹ پیس ان کیلئے انڈسٹری سے باہر تیار ہوئی تھی تبھی تو انڈسٹری کی ماہ جبیں ماہ سیما آج تک انھیں تسخیر نہیں کر پائی۔۔۔"

ریحانہ ملک نے بھی بے باکی سے شوہر کا ساتھ دیا تو زرناب نے پہلو بدلہ۔

ان لوگوں کا تو طرز گفتگو ہی ایسا کھلا ڈلا تھا، پر اسے اس شخص سے یوں جوڑے جانے پر شدید کوفت ہو رہی تھی۔

"ویسے اگر آپ ستاروں کی دنیا میں قدم۔۔۔"

"بہت شکریہ! لیکن میں اپنی دنیا میں بہت خوش اور مطمئن ہوں۔۔۔"

ملک صاحب کی پیشکش پوری ہونے سے قبل ہی سہولت سے جملہ قطع کرتی وہ بولی تو ایک مرتبہ پھر وہ قہقہہ لگا اٹھے۔

"مجھے آپ کی حاضر جوابی اور صاف گوئی پسند آئی، آیئے کبھی جبران کے ساتھ ہماری محفلوں کو رونق بخشنے۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا وہ واقعی اس کی شخصیت سے متاثر نظر آرہے تھے۔

جہاں آج کل کے دور میں عوام بے تکے ولا گز بنانے والوں کو دیکھ کر بھی ہونق پن کا شکار ہو جاتے تھے، احمقانہ حرکتیں کرنے لگتے تھے، وہیں یہ لڑکی فلمی دنیا کے اتنے جانے مانے چہروں کے بیچ بالکل نارمل کھڑی تھی۔

"پیش کش کا شکریہ، لیکن میں اجنبی ماحول اور لوگوں سے راہ و رسم بڑھانے کے معاملے میں ذرا کم ہی یقین رکھتی ہوں۔۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر اسی اعتماد و صاف گوئی کا ثبوت دیا تھا۔

"ہاہاہا! ای مست سے، جبران کے ساتھ کوئی آپ جیسی ہی سوٹ کرتی ہے۔۔"

ان کے انداز میں بناوٹ ہر گز بھی نہیں تھی۔

"آپ کے طرز انداز و اعتماد کو دیکھتے ذہن میں کہیں کا پڑھا شعر آیا ہے عرض کرنا چاہوں گا۔"

"ارشاد"!!

جبران ریحانہ ملک نے ہاتھ اٹھا کر حوصلہ افزائی کی۔

"شاعر کہتا ہے کہ

مرعوب نہ اس عہدِ ستم ناک سے ہوں گے
ہم خاک بھی ہوئے تو بہت دھاک سے ہوں گے

انھوں نے بھاری لب و لہجے میں انتہائی خوبصورتی سے شعر کے بول ادا کیئیے تو بادل ناخواستہ زرناب کے لبوں پر پل کیلیۓ مسکراہٹ کی کلی چٹخی۔

پھر چند ایک بات کے بعد وہ ایک جانب بڑھ گئے تو اسے مجبوراً جبران کے ہمراہ مختلف لوگوں کے ساتھ اسی اعتماد و پر وقار انداز میں ملتے رہنا پڑا تھا۔ جس سے چار لوگوں کا سینہ بھٹی میں سلگتی آگ کی طرح سلگتا رہا تھا۔

novel by j nikhat

عمر رواں کو....روکیے.....آواز دیجیے
ہم پیچھے رہ گئے ہیں کئی حسرتوں کے ساتھ

رات کی سیاہی کچھ اور گہری ہوئی تو مستطیل نما ٹیبل پر سے ریفریشمنٹ کا سامان سمیٹ کر وہاں مختلف ڈیشز سجا دئے گئے، لوگ خود پلیٹ لیکر جا رہے تھے اور اپنی پسند کی چیزیں لیکر جہاں مرضی کھڑے یا بیٹھ کر کھا رہے تھے۔۔

ان نام نہاد ہائی کلاس لوگوں کی بھی الگ منطق تھی، مہمان ہو کر پلیٹ اٹھائے سائل کی طرح گھومنے کو جدید فیشن کا نام دیتے تھے۔زرناب نے بھی سب کے دیکھا دیکھی زہر مار چند چیزیں اپنی پلیٹ میں اتاری تھی اور صوفوں پر خواتین کے ساتھ بیٹھی ریحانہ ملک کے اشارے پر ان کے برابر آکر بیٹھ گئی تھی۔

وہاں براجمان خواتین کے ماہرانہ انداز میں کئے گئے میک اپ سے دمکتے چہرے، کھنکتا ہوا لہجہ اور بے باکی سے وہاں موجود ہر مرد کا جائزہ لیتی آنکھیں، نازِ ادا سے بے وجہ پڑنے والے ٹھٹھے، زرناب کو کوفت زدہ وحشت میں مبتلا کرنے لگی تھی۔

اور حد تو یہ کہ موضوع گفتگو بھی ان کے درمیان مرد اور اس کی کشش چھڑا ہوا تھا۔اور سب کمال بے حیائی کے ساتھ سیر ہو کر اپنا اپنا نظریہ پیش کر رہی تھی اس کی ساس نندیں بھی برابر کی شریک تھی۔

اور کہیں 'پر کشش مرد' کی بات ہو اور جبران عباسی ذکر نہ آئے کیسے ممکن تھا تو چلتی باتوں کا سلسلہ نجانے کیسے یکا یک ہی زرناب کی سمت مڑ گیا تھا۔

"میری حسن کی تعریف آپ لوگوں کی تشریح سے ذرا مختلف ہے۔۔"

وہ چمچ سے چاولوں کو ادھر ادھر کرتی جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

"تو کیا تمہیں جبران ہینڈ سم نہیں لگتا۔۔۔؟"

یہ تیکھا سوال داغنے والی شبرینہ تھی۔

"مرد کے حسن کو میں اس کے عورت کے ساتھ روا رکھے رویہ کی روش میں دیکھتی ہوں، اور اس تناظر میں مجھے اپنے آفس کلرک مسٹر واجد زیادہ ہینڈ سم لگتے ہیں۔۔"

اس کے طمانیت بھرے جواب پر پوری محفل میں یکدم سے سناٹا چھا گیا تھا۔ ٹی وی انڈسٹری کے سب سے روشن ستارے کو ایک لمحے میں اس لڑکی نے دھواں کر دیا تھا، پوری زندہ محفل کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، اور جبران کا چہرہ مارے اہانت کے قندھار ہو گیا تھا۔ ہر محفل میں اپنے لاثانی حسن ور کھ رکھاؤ کی

وجہ سے ممتاز رہنے والا وہ اس لمحے خود کو زمین پر رینگنے والے حقیر کیڑے سے بھی ارزاں تصور کر رہا تھا۔

"بھئی! آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ان کے کہنے سے مراد ہے وہ جبران کی ظاہری حسن سے نہیں بلکہ باطنی خوبصورت اس کے کردار، اس کے اصل سے متاثر ہیں جو کبھی نہیں بدلتی، بھئی! میں تو بہت متاثر ہوا آپ کے جواب سے، جبران عباسی کی وائف کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔۔بیوٹی وتھ برینز۔۔"

منیجر مختار نے اچانک سے انٹری لیتے ہوئے بڑے ہی خوبصورت انداز میں بات سنبھالی تو سب کے چہرے کی اڑی رنگت واپس لوٹ آئی پر جبران کی نہیں۔

وہ اونگھ رہے انس کو لیکر کمرے میں ڈال کر آنے کے بہانے اپنے اندر اٹھے غصہ کے منہ زور آندھی کو دباتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"ہم نے کہیں سنا تھا حسن کا جب ذہانت سے مقابلہ ہوتا ہے تو کامبنیشن اور خطرناک ہو جاتا ہے، اور آپ سے مل کر تصدیق ہو گئی، ایک سیکنڈ کیلئے تو آپ نے جبران کے مداحوں کا دل ہی دہلا دیا تھا۔۔۔"

منیجر مختار صاحب ایک نمبر کے کائیاں شخص تھے۔

زرناب ان کی صلاحیت سے متاثر ہوئی تھی۔

ساتھ کب سے کوفت کا شکار مزاج بھی جبران عباسی کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر خوشگوار ہو گیا تھا جو کاری وار وہ اس شخص پر کرنا چاہتی تھی آج درست موقع پر زبردست نشانہ لیا تھا اس نے اس کا۔

وہ پلیٹ رکھنے کے بہانہ اٹھی اور پھر نکلتی چلی گئی اس بناوٹی دنیا سے۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

کمرے میں آکر مسرور انداز میں گنگناتے ہوئے میک کپڑے وغیرہ سے آزاد ہو کر نائٹ سوٹ زیب تن کرتے بالوں کو ویسے ہی آبشار کی مانند پشت پر آزاد چھوڑے انس کے کپڑے بدلے تھے، پھر اس کیلئے فیڈر بنا کر اس کے چھوٹے گلابوں لبوں سے لگاتی اس کے ایک ایک نقش کو ممتا بھری نگاہوں سے نہارنے لگی تھی۔

اس کے پنکھڑی سے نازک و گداز لبوں پر بڑی ہی جان لیوا مسکراہٹ رقصاں تھی۔۔

"وہاٹ د!۔۔۔۔"

اچانک ہی شکنجہ نماانگلیاں اس کے بازوپر گھنپی، ساتھ ہی اسے بے وزن شئے کی طرح کھینچ کر دیوار سے بے دردی کے ساتھ لگایا گیا تھا جس پر زرناب کی چیخ نکلی تھی۔

"ششش!!آواز نہ آئے مجھے اب تمہاری۔۔"

وہ مارے اشتعال کے انگارے کی مانند دہک رہے خدوخال اس کے چہرے کے قریب لے آیا تھا، سرخ خون جھلکاتی آنکھوں سے ایسی وحشت ٹپک رہی تھی کہ دیکھنے والے کو ایک پل کیلئے اس پر ملک الموت کا گماں ہو، لیکن سلام تھا اس لڑکی کی جرات پر جو دیدہ دلیری سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

"کیا وحشی پن ہے یہ۔۔۔؟"

وہ اس کی دہشت کی آندھی کو تنکے کی طرح اڑاتی غرائی تھی۔

"کیا وحشی پن ہے یہ۔۔۔؟"

وہ اس کی دہشت کی آندھی کو تنکے کی طرح اڑاتی غرائی تھی۔

"وحشی پن میں نے ابھی دکھائی کہاں ہے۔؟بتاؤ کیا سوچ کر بکواس کی تھی تم نے باہر؟

کیا دشمنی ہے تمہاری میرے ساتھ؟

کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟جو تمہاری نظر میں ایک معمولی کلرک سے بھی گیا گزرا آدمی ہوں؟"

وہ وحشی اژدھے کی طرح پھنکارا تھا۔بس نہیں چل رہا تھا اس نازک اندام دوشیزہ کو تنکے کی مانند بکھیر دے جیسے اس نے ایک لمحے میں اس کی ذات کے بخیئے ادھیر دیئے تھے اپنے لفظوں کے برچھے جیسے وار سے۔۔

جواباً زرناب نے دونوں بازو آرام سے سینے پر باندھے۔

"ای سیڈ آنسر می؟جواب دو ڈیم ایٹ۔۔۔؟"

اسے دونوں بازو سے جکڑ کر اپنے بے حد قریب کرتے اس کے غیظ و غضب سے اونچی ہوئی دہاڑ سے کمرے کی فضا لرزی تھی۔لیکن اس لڑکی نے پلک تک نہیں جھپکائی تھی۔

"زرناب جاوید "!!

اس کی ضبط واشتعال کی موجیں آپس میں ٹکرائی تھی،اس کی قوی انگلیاں اس کے نازک بازو میں اندر تک پیوست ہوئے تھے جواباً بجائے اس کے صبیح و ملیح چہرے پر تکلیف کے آثار اترنے کے چبھتی ہوئی مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

"کیا ہوا جبران عباسی،ایک سیکنڈ کیلئے اپنی ذات کی نفی برداشت نہیں ہو رہی؟ کروڑوں لوگوں کی دل کی دھڑکن ہو کر بھی ایک عام سی لڑکی کی نفی پر آپا کھو بیٹھے ہو؟"

کیسا لہو کو شعلہ دکھانے والا لہجہ تھا،جبران کے رگ و پے میں خون کی جگہ دوڑتے اشتعال انگیز مادہ کو بھڑکتا ہوا شعلہ ملا تھا۔

"تمہاری مردانہ انا بلبلا رہی ہے؟

نام نہاد غیرت ماتم کناں ہے؟"

اس کے بے خوفی سے آنکھوں میں آنکھیں گاڑنے پر جبران نے بے ساختہ قدم پیچھے لینا چاہا،لیکن زرناب نے بروقت دل کے مقام سے اس کی شرٹ کو مٹھی میں جکڑتے اسے قریب کھینچا تھا اور پھر غراتی شیرنی کے لبوں سے جو تڑاتڑ

بندوق کی گولیاں نکلی تھی وہ جبران عباسی کے پورے وجود کو ادھیڑتی چلی گئی تھی۔

"پھر اس لڑکی کا کیا جبران عباسی، جس کی حق وحیثیت کو کبھی تم نے تسلیم ہی نہیں کیا؟

جسے کبھی اپنی زندگی میں اس کے جائز مقام پر رکھا ہی نہیں تم نے؟

اس لڑکی کی عزت نفس کا کیا جبران عباسی، جو تمہاری بے اعتنائیوں کی نذر ہو گئی؟

ایک پل کیلئے لوگوں کے چہروں پر اترے اپنے نام پر تاریک سائے دیکھ کر تم یوں بلبلا اٹھے ہو، پھر اس لڑکی کا کیا جبران عباسی جو تمہاری بے پروائیوں کی تاریکی میں کہیں گم ہو گئی؟

بتاؤناں جبران عباسی؟ جو رات کی سیاہی کو آنکھوں کا کاجل بنا کر تمہارا انتظار کرتی تھی اور تم اس کی ذات سے بے خبر اپنی روشنیوں کی دنیا میں مگن رہتے تھے؟

جو قطرہ قطرہ تمہاری اک نظر التفات کی آس میں پگھلتی چلی گئی اور تم پتھر کے صنم کو خبر تک نہیں ہوئی،

اس لڑکی کا کیا جبران عباسی، جواب دو، چپ کیوں ہو؟"

وہ حلق کے بل دونوں مٹھی میں اس کی شرٹ جکڑے چیخی تھی، جبران اس کی وحشتوں کی آندھی کے آگے بالکل ساکت وجامد کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کا بھڑکتا اشتعال زرناب کی جنون خیزی کے آگے کہیں دب سا گیا تھا۔ وہ اب بے یقینی کی انتہا پر کھڑا اس لڑکی کا قیامت برپا کرتا انداز دیکھ رہا تھا۔۔

"وہ لڑکی جو ارمانوں کی ڈولی لیکر تمہاری دہلیز تک آئی تھی، جسے تمہاری بے التفاتی کی بے حس آگ نے جلا کر راکھ کر دیا،

وہ لڑکی، جو تمہاری محبت کا دم بھرتی، تمہارے نام کی مالا جپتی تھی، جس کی صداؤں پر کان دھرنے کی کبھی تمہیں فرصت نہیں ملی،

وہ لڑکی، جو سچے موتی سے قیمتی جذبے اپنے دل میں سمیٹ کر تم شقی القلب پر نچھاور کرنے لائی تھی، جسے تم نے بے وقعت کر دیا،

وہ لڑکی، جس کے خوابوں کے سوداگر تھے تم، جو تمہیں تب سے چاہتی تھی جب دنیا نے جانا بھی نہیں تھا تمہیں، مگر اس کے دل میں جھانکنے کی کبھی تم جفاکش ستم گر کو وقت نہیں ملا،

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

وہی لڑکی جبران عباسی، جو تمہارے وجود کے حصّے کو جنم دیتے ہوئے ہمیشہ کیلئے شہر خاموشی میں جاسوئی، اور تم اپنی کامیابیوں کی شور میں وہ آخری فون کال کی آواز بھی نہیں سن پائے، جس سے شائد اس کی تمہاری آخری بار آواز سننے کی تشنہ خواہش پوری ہوسکتی تھی۔۔۔

وہی لڑکی جبران عباسی۔۔"!!

حلق کے بل چیختے ہوئے اس کا گلا رندھ کر بیٹھ گیا تھا، آنکھوں سے گرم گرم سیال بہنے لگا تھا۔

"قتل کردیا تم نے اس کے سلونے ارمانوں کا، جلادی تم نے اس کے الوہی خوابوں کی بستی، پھیک دیا اسے حسرتوں کے صحرا میں اپنے تصور کے پیچھے آبلہ پا بھٹکنے کیلئے،

"ارے! تم دنیاوی چکاچوند کے بھوکے آدمی تو اپنے بچے تک سے بے پرواہ ہوگئے، تمہاری بے حسی پر اور کیا کہا جائے۔۔۔"

اس نے زور سے اسے پیچھے کی جانب دھکا دیا تو وہ بوسیدہ دیوار کی طرح کئی قدم پیچھے کو لڑھکا۔

"جب تم اپنے اتنے سارے ناقابل تلافی گناہوں پر پشیماں نہیں ہو تو مجھ سے کس منہ سے جواب طلب کر رہے ہو؟

جب تمہیں اپنے کسی عمل پر ملال نہیں ہے تو مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

وہ زخم کھائی شیرنی کی طرح غرائی تھی۔

شیریں سخن کلام، میر اتب کی بات تھی

اب آذرا قریب، تجھے لفظوں سے مات دوں

آنکھوں سے بہتے آنسو کو اس نے بڑی ہی بے دردی کے ساتھ دوپٹہ میں جذب کیا تھا۔

اس کا پورا جسم غم و غصہ کی زیادتی سے برگ زرد کی مانند کانپ رہا تھا، سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ بال شانے اور سینے پر بے ترتیبی سے بکھرے تھے، وہ اس وقت ایک ایسی آفت کا روپ دھارے ہوئے تھی جو جنون خیزی کی انتہاؤں پر نفع و نقصان، بچت و احتیاط سے بے بہرا ہو جاتی ہے۔

"چپ کیوں ہو جبران عباسی؟اب دکھاؤ ناں اپنا وہ طنطنا وہ غصہ، وہ اشتعال، کہاں جا سویا ہے وہ۔۔۔؟"

اسے یوں خاموش یک ٹک خود کو دیکھتا دیکھ کر زرناب کی آواز کچھ اور بلند ہوئی تھی۔ جس سے پر سکون سو رہے انس کی نیند میں خلل پڑا تھا وہ اٹھ کر بری طرح رونے لگا تو وہ سدھ بدھ کھوتی ہوئی اس کی طرف دوڑی تھی۔

جبران وحشتوں کی آندھی کو دبیز خاموشی کی چادر میں سمیٹے کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

novel by j nikhat

آتش فشانی پہاڑ کی طرح اپنے اندر ابل رہے آتش گیر مادہ کو آزاد کرنے کے بعد اس گھر میں بڑھتی گھٹن سے نجات کیلئے وہ اپنا اور انس کا مختصر بیگ پیک کر کے فاروق منزل آگئی تھا اب ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا تھا اس کا ادھر ہی قیام تھا۔

ابھی وہ آفس سے آئی تھی موسم اچھا تھا، آسیہ بیگم کین کی کرسیاں ڈال کر لان میں انس کو لیکر بیٹھی تھی تو وہ بھی وہیں چلی آئی تھی۔

"تم گھر میں بتا کر نہیں آئی ہو؟"

ملازمہ کے ہاتھ سے کافی کا کپ تھام رہی زرناب سے انھوں نے اچانک ہی پوچھا تھا۔

"گھر میں اندر ہے ہی کون جو بتا کر آؤں؟ ویسے مجھے نہیں معلوم تھا اندر سے لان تک آنے کیلئے اجازت درکار ہے؟"

ان کے سوال کا مطلب سمجھ کر بھی انجان بنتے اس نے پُر مزہ انداز اپنایا تھا۔

"زرناب"!

انس کے منہ میں میش کیا ہوا کیلا اڈاتے انھوں نے گھورا تو وہ ہنس پڑی۔

"انکل کو بتایا تھا۔۔"

کافی کا سپ بھرتے اس نے لاپرواہی سے جواب دیا تھا۔

"اور ساس کو؟"

وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، ساس کے نام پر اس کے نقوش میں سرد پن اترا تھا۔

"اس گھر کے سربراہ انکل ہیں اور میں انکل کو ہی وہاں مانتی ہوں، یوں بھی وہاں میں کوئی اچھی بہو کا تمغہ جیتنے نہیں گئی ہوں، سو آپ ٹینشن نہیں لیا کریں ان سب چیزوں کی۔۔۔"

ان کے ذکر پر اس کے لہجے میں ازلی رکھائی شامل ہوئی تھی۔

"زرناب! کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟ ہوش میں تو ہو تم؟ سسرال ہے وہ تمہارا، شادی ہوئی ہے کوئی مذاق نہیں ہے، اونچ نیچ ہوتے ہیں دس طرح کے لوگوں کے درمیان، لیکن زندگی گزارنے کیلئے نبھا کرنا پڑتا ہے، زمانے کے نشیب و فراز کے ساتھ کبھی کم کبھی زیادہ پر اکتفا کرنا پڑتا ہے ایسے تو۔۔۔"

اس کے بے پرواانداز پر یکدم آسیہ بیگم متفکر ہوتی روایتی ماؤں کی طرح سمجھانے لگی تھی۔

"معذرت خوبصورت لیڈی! لیکن ان لوگوں کے ساتھ میں نبھا کرنے نہیں بلکہ حساب چکتا کرنے گئی ہوں۔۔۔"

وہ اسی طمانیت سے بولی تھی۔ مانو آسیہ بیگم کی باتیں اس کی سماعت میں اتری ہی نہ ہو۔

"زرناب! کیا فضول باتیں کر رہی ہو، اور تم نے زینت بھابی اور بچیوں سے بدتمیزی بھی کی، کیا یہی تربیت۔۔۔۔"

"واہ! اب لائی ناں آپ بلی تھیلے سے باہر۔۔۔"

عدم توجہی سے ان کی بات سن رہی زرناب چمک کر سیدھی ہوئی تو انھوں نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی۔

کچھ دن پہلے ہی زینت بیگم نے فون کر کے ٹھیک ٹھاک زرناب کے انداز واطوار پر روشنی ڈالی تھی۔ جواباً ازلی نرم خو انداز میں انھیں تسلی دیکر انھوں نے زرناب کو سمجھانے کا وعدہ کیا تھا اور جس دن سے زرناب یہاں رکنے آئی تھی وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھی بات کرنے کیلئے، وہ بھی بنا زینت بیگم کا نام بیچ میں لائے، ورنہ زرناب نے بھڑک جانا تھا۔ پر نتیجہ کیا نکلا تھا، زرناب نے پھر بھی چوری پکڑلی تھی۔

"ایسا کہیں ناں مسز فاروق، کہ آپ کی عزیز از جان سمدھن صاحبہ نے ٹیلیفونک رابطہ کیا ہے آپ سے ہماری شان میں قصیدہ گوئی کرنے کیلئے اور آپ نے روایتی

لڑکی کی ماں کی طرح جی جی کر کے میں اپنی بچی کو از نو آپ کے مزاج کے مطابق تربیت کر کے بلکہ سدھار کر بھیجوں گی، کا عاجزانہ وعدہ دیا ہو گا، ہے ناں۔۔۔؟"

وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کرتی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی لبوں پر جاندار مسکراہٹ رقصاں تھی، پر 'مسز فاروق' اس کے اندر اٹھے غصہ کی لہر کا ثبوت تھی۔

"تو اس میں غلط کیا ہے؟ تم میری بیٹی ہو، تم کچھ غلط کرو گی تو مجھے نہیں کہیں گے تو پھر کسے کہیں گے، اور پھر۔۔۔"

"پھر آپ نے صدف کی پانچ سالہ شادی شدہ زندگی میں کبھی بتایا کیوں نہیں کہ زینت عباسی نے کال کر کے آپ کو کہا ہو کہ 'واہ! بھابی، کیا عمدہ خطوط پر تربیت کی ہے آپ نے اپنی صاحب زادی کی، منہ میں زبان تو ہے ہی نہیں بالکل اللہ میاں کی گائے، ننھی چوزی، کچھ بھی کر لو سامنے سے چوں تک نہیں کرتی ہے'۔۔ "

طنز کی بھرپور آمیزش لیے اس نے جملہ قطع کرتے پوچھا تو آسیہ بیگم لب بھینچ گئی۔

"اور کیا کہا آپ نے، آپ میری ماں ہیں میری غلطیوں کیلیئے آپ جوابدہ ہیں؟ پھر آپ نے کبھی انھیں فون کر کے ان سے ان کے بیٹے کی حرکتوں کی جواب طلبی کیوں نہیں کی؟ یا انھیں خود خیال کیوں نہیں آیا اپنے بیٹے کے اپنی بیوی کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک کا، کیا انھیں نظر نہیں آتا تھا ان کا بیٹا ایک جیتی جاگتی لڑکی کو اپنے نام پر لیجا کر کسی غیر ضروری چیز کی طرح بھول گیا ہے، کیا گھر کی بزرگ اور سُپر اسٹار بیٹے کی ماں ہونے کے ناتے ان کا کوئی فرض نہیں بنتا تھا؟ یا پھر انھیں 'دی سُپر جبران عباسی' کی ماں کے ٹیگ کو اون کرنے سے ہی فرصت نہیں ملی؟"

غصہ کی زیادتی سے اس کا چہرہ طنطنا اٹھا تھا۔

"بیٹا! دنیا کی یہی ریت ہے۔۔"

اس کی بحث صد فیصد درست ہونے کے باوجود وہ پست لہجہ میں یہی کہہ سکی تھی۔

"میں نہیں مانتی ایسی کسی ریت کو ممی"!

وہ باغیانہ انداز میں سر جھٹک کر بولی۔

"ایسے نہیں کہتے میری جان! سب اپنے اعمال کیلئے اللہ کو جوابدہ ہیں، برے کے ساتھ خود برا نہیں بنا جاتا۔۔"

ان کا بھاری لہجہ حزن وملال میں ڈوبا ہوا تھا۔

"بے شک ہیں! لیکن ان معاملات میں جو ان کے اور ان کے اللہ کے بیچ کا معاملہ ہو گا، جو حقوق اللہ ہوں گے، حقوق العباد کیلئے اللہ نے انسانوں کو چھوٹ دی ہے، چاہے وہ معاف کرے یا دنیا میں حساب برابر کرے یا آخرت تک انتظار کرے، اور میں انتہائی کم ظرف اور بے صبر بندی ہوں نہ معاف کر سکتی ہوں اور نہ قیامت تک انتظار کر سکتی ہوں۔۔"

اس سے بحث میں سبقت لیجانا یوں بھی آسان نہیں تھا، اس موضوع پر تو قطعی نہیں، اس کے دلائل اس کے ترک ایسے ہوتے تھے کہ اچھے خاصے بندے کی زبان تالوں سے چپک جائے۔

پھر کتنی ہی ساعت تک انس کی غوں غاں ان کے بیچ کی سسکتی خاموشی میں مخل ہوتی رہی تھی۔

"بیٹا! شادی کوئی پھولوں کا سیج نہیں ہوتی ہے، یہ تو جوا ہے، جس میں نوے فیصد لوگوں کے مقدر ہار ہی آتی ہے، اور ہوتے ہیں وہ دس فیصد بخت آور لوگ جو فاتح ٹھہرتے ہیں، ورنہ تو خواہشوں، ارمانوں، امیدوں کا تاوان ہی بھرنا پڑتا ہے خاص طور پر عورتوں کو، وہی تو جذباتی ہوتی ہے ناں اس رشتے میں زیادہ، ہماری صدف بھی انھیں میں سے ایک تھی، بلکہ پھر بھی وہ بہتر تھی ضروریات زندگی کا تو ہر سامان عمدہ پایا تھا اس نے، کئیوں کو تو تن کا سکون بھی نہیں ملتا۔۔ خیر! وہ صدف کی قسمت تھی اس نے کبھی شکوہ نہیں کیا تو ہم کیوں بغض رکھیں، اسے اس کے صبر کا اجر ان شاءاللہ اس جہاں میں ملے گا۔۔۔"

وہ اپنے بین کرتے دل کی جانب سے کان لپیٹتی کفِ افسوس ملنے کے انداز میں سمجھا رہی تھی۔

"صدف نے جو کیا وہ جبر بلکہ زبردستی کا سمجھوتہ تھا امی۔۔۔"!

زرناب نے تاسف سے جتایا تھا۔

"زندگی میں حسبِ منشا چیزوں کی شرح فیصد ویسے بھی بہت کم ہے بچے۔۔"

وہ تھکے انداز میں بولی تھی۔

صدف کی یاد، اس کی اداسیاں، اس کی آنکھوں میں ٹھہرا تشنگی کا موسم ان کے بھی راتوں میں تکیہ بھگوتا تھا۔ لیکن وہ ماں تھی ایک بچی کے غم میں دوسری بچی کو اپنی زندگی کو اجڑ اگرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی، زرناب تو تھی بھی مزاجاً انتہا کی شدت پسند۔

"مت تھکاؤ خود کو، کچھ نہیں رکھا اس بدلہ وانتقام میں سوائے دل جلنے اور زخم ہرے ہونے کے، خود کو آزاد کردو اس قفس سے اور اپنے رشتہ کو وقت دو، زندگی ایک جنگ کا میدان ہے اور ہم بے بس سپاہی، یہاں قدم قدم پر چھوٹی چھوٹی خوشی کیلئے ہمیں مقابلہ کیلئے کمربستہ ہونا پڑتا ہے یا پھر سمجھوتہ کی چپ سادھنی پڑتی ہے، صدف نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا تم پہلا کرلو، مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے تمہاری صلاحیتوں پر تم ضرور کامیاب ہوگی، میں بس اپنی بچی کو خوش اور مطمئن زندگی گزارتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔"

وہ دل گرفتگی سے کہتی ہوئی آزردہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے انس کو لیکر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زرناب اسی طرح پتھر کی مورت بنی لب بھینچے بیٹھی رہی تھی۔

کس قدر معصوم ہوتی ہیں یہ بیٹیوں کی مائیں، جو ہزار ٹھوکر کھا کر بھی، خون رستے زخم دلوں میں رکھ کر بھی اس شخص کو دعائیں دیتی ہیں اور اس کی خیر خواہی چاہتی ہیں صرف اس لیے کہ ان کی بیٹی کا مقدر ہے وہ۔

novel by j nikhat

صد شکر کہ ہر فن ہے مرے ہاتھ پہ بیعت
لیکن مجھے لہجوں کی ریاضی سے گلہ ہے!

"ایک فلمی ستارے کو کیا گلے کا ڈھول بنایا ہے، زندگی پروڈیکشن ہاؤز ہو کر رہ گئی ہے، جدھر جاؤ انھیں بناوٹی لوگوں سے پالا پڑ جاتا ہے، اب آفس میں کم تھے تو یہ یہاں پر بھی ٹپک پڑے، دل تو کر رہا ہے کہ۔۔۔۔"

زور سے مٹھیاں بھینچتی ہوئی وہ زیر تعمیر چودہ منزلہ فلیٹ کی دھڑا دھڑ سیڑھیاں بھی اتر رہی تھی۔

ابھی اس کے باس کی کال آئی تھی اور انھوں نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ بتایا تھا کہ ان کے کنسٹرکشن سائٹ پر آج ایک فلم کا شوٹ ہونے والا ہے، اور

ڈائریکٹ صاحب سے ان کے قریبی تعلقات ہیں، معاہدہ کے مطابق سین میں ان کی کمپنی کے بل بورڈ کی جھلک بھی دکھائی جائے گی، پروموشن کا اتنا بہترین موقع ہو اور اس کے باس چوک جائیں یہ بھلا ممکن تھا۔۔۔؟

چونکہ بنفس نفیس ان کی خدمت میں پیش ہونے آرہے باس ٹرافک جام میں بری طرح پھسے گئے تھے لہٰذا، ان لوگوں کی آو بھگت کا ذمہ زرناب کے مزاج کے پیش نظر اس کے سر بڑی ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ تھوپا گیا تھا۔

"میڈم! وہ فلم والے آگئے ہیں، آپ کا پوچھ رہے ہیں۔۔۔!"

سائٹ کا ورکر یوں بتیسی کی نمائش کرتا ہوا پیغام لیکر آیا تھا جیسے موصوف کی بارات آئی ہو۔

"تو میں کیا ناچوں۔۔۔؟"

وہ سخت تپی ہوئی تھی۔

ایک تو چودھویں مالے سے وہ سیڑھیوں کے ذریعہ اتر کر آرہی تھی، دوسرا انڈسٹری والوں سے تھا بھی کانٹے چھری سا بیر پھر دماغ تو گرم ہونا ہی تھا۔

"وہ میڈم جی، انھیں کوئی خاص قسم کی ویڈیو بنانی ہے تو پوچھ رہے تھے جی۔۔"

بیچارہ میڈم کے تیور دیکھ کر سٹپٹا سا گیا تھا۔

"خاص قسم کی ویڈیو بنانی ہے ان کی تو۔۔۔"

اس نے سختی سے دانت کچکچائے پھر ورکر کی مسمسی شکل پر نظر پڑی تو اپنی بدلحاظی احساس ہوا۔

"ایم سوری، وہ بس غصہ میں۔۔"

"کوئی بات نہیں میڈم جی۔۔"

وہ جھٹ پیلے پیلے دانت دکھاتا ہوا بولا۔زرناب اسے دیکھ کر رہ گئی کس قدر سادہ لوح لوگ تھے یہ بھی جھٹکے میں معاف کر دیتے تھے۔

"آپ جاؤ۔۔"

اس نے اشارہ کیا تو وہ ایک جانب بڑھ گیا وہ شکن آلود کنپٹی سہلاتی ہاتھ میں تھامے ٹیبلیٹ کو اسکرول کرتی باہر کی جانب بڑھی۔

"میڈم جی! آپ نے بتایا نہیں آپ ناچیں گی کونسے گانے پر 'میرا پیا گھر آیا او رام جی' کیسا رہے گا۔۔۔؟"

سدرہ نجانے کہاں سے وہاں ٹپکی تھی۔

"نہیں! میں تیری دشمن تو میرا۔۔"

وہ دانت پیس کر بولی۔

"ہممم! موقع کی مناسب سے یہ زیادہ بہتر رہے گا۔۔"

انگشت شہادت سے ٹھوڑی بجا کر اس نے معنیٰ خیزی سے آنکھیں گھمائی۔

"سدرہ! اس وقت میرا دماغ اس قدر آوٹ ہوا پڑا ہے ناں، تم مجھ سے پوری توقع کر سکتی ہو کہ میں تمہیں چودھویں مالے سے نیچا دکھا دے سکتی ہوں۔۔۔"

وہ خطرناک سنجیدگی کے ساتھ بولی تو سدرہ نے ڈرنے کی اداکاری کرتے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے۔

زرناب آگے بڑھ گئی، جب پیچھے کھڑی سدرہ بڑبڑائی تھی۔

"کوئی بعید نہیں ہے، ابھی کچھ سیکنڈ میں جو تمہارا غصہ ساتویں آسمان کو پہنچے گا عین ممکن ہے تم ایسا کر جاؤ، اللہ سب کی حفاظت کرنا اس خودکش بم سے۔۔۔"

باضابطہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے صدق دل سے آمین کہہ کر اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

novel by j nikhat

"ہیلو سر! میں زرناب جاوید ہوں، یہ سائٹ فل حال میرے سُپروژن میں ہے، غالباً باس نے بتایا ہو گا آپ کو، انتظار کی زحمت کیلئے معذرت چاہوں گی۔۔۔"

وہ مخصوص پیشہ وارانہ انداز میں ہاتھ میں مائک اٹھائے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دے رہے ڈائریکٹ صاحب سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ارے! اب آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں، زحمت تو ہم نے دی ہے آپ کو۔۔"

ڈائریکٹر صاحب خوش اخلاقی سے اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

پھر اپنے زیر فرمان لوگوں کو سیٹ اپ کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے ہی انھوں نے یہاں فلمائے جانے والے سین کے متعلق سرسری سی معلومات اسے فراہم کی تھی۔

مثلاً وہ بامشکل پچاس سیکنڈ کا سین یہاں شوٹ کرنے والے تھے جو کہ ایک ایکشن سین تھا، اور اس کیلئے انھیں سورج کی روشنی مخصوص زاویہ میں چاہیئے

تھی تبھی وہ عصر کے وقت سورج کی الوداعی کرنوں کو کیمرے کی آنکھ میں قید کرنے آئے تھے۔

ان کی تشریح کے انداز سے لگ رہا تھا وہ تخیل میں پورا سین ترتیب دے چکے ہیں بس سورج کی کرنوں کا اس زاویہ میں آنے کا انتظار تھا۔

ایک جانب رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے غنڈوں کا کردار ادا کرنے والے اداکاروں کو تیار کیا جارہا تھا۔اور وہیں پاس بڑی سی وینٹی وین کھڑی تھی زرناب کو نہ سین میں دلچسپی تھی نہ تشریح میں۔۔

وہ باس کے حکم کے مطابق بھرپور تعاون کی یقین دہانی کراتی ہوئی سائیڈ پر ہٹ گئی تھی۔ساتھ فون کان سے لگا کر کرین کے ڈرائیور کو چابی لیکر بلوایا تھا جسے انھیں شوٹ کیلئے بطور پراپ استعمال کرنا تھا۔

چابی ڈائریکٹر صاحب کے حوالے کرتے وہ الگ تھلگ ہٹ کر ٹیبلیٹ کھول کر آج کی رپورٹ چیک کرنے میں لگ گئی تھی۔

ابھی کچھ وقت گزرا تھا جب بہت قریب سے پرجوش سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔۔

"بھابی آپ۔۔۔یہ آپ ہی ہیں ناں۔۔۔؟"

مقابل دیدے پھاڑے بے یقین کھڑا پچیس چھبیس سالہ ایک سائٹ پر مردانہ سلینگ بیگ لٹکائے کھڑا بندہ جبران کا اسسٹنٹ تھا احمد، ایک ہی مرتبہ پارٹی میں دیکھا تھا پر چہرے وہ نہیں بھولتی تھی۔

"زرناب جاوید، زرناب جاوید نام ہے میرا، آپ مس جاوید کہہ سکتے ہیں۔۔"

سپاٹ انداز میں اس نے حدود کی پاسداری کا تنبیہی عندیہ دیا تھا۔

پہلے سے خراب موڈ اسے یہاں دیکھ کر کچھ اور خراب ہوا تھا کیونکہ اس کی یہاں موجود اس شخص کی موجودگی کی گواہ تھی۔

"وہ۔چیف۔۔چیف وینیٹ میں ریڈی ہو رہے ہیں سین کیلئے۔۔"

اس کے تیور دیکھتے اس نے کچھ جھجک کر بتایا جوابا زرناب بنا کوئی رد عمل دئے اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"اچھا سنو۔۔۔"

"جی بھابی۔۔۔"

احمد اپنا سامنہ لیکر مڑنے لگا تھا کہ زرناب کے آواز دینے پر مڑا۔

"مس جاوید! وہ زور ڈال کر بولی۔اور یہاں کسی کو معلوم نہیں پڑنا چاہیئے کہ تم یا کوئی مجھے جانتا ہے۔۔۔"

اس نے گزارش نہیں کی تھی بلکہ حکم دیا تھا۔

بیچارہ احمد اپنے چیف کی شعلہ زوجہ کے تیکھے تیوروں سے خائف سر ہلاتا ہوا ڈائریکٹر صاحب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زرناب نے پیچھے شکر ادا کیا کہ اس دن پارٹی میں کسی وجہ سے ڈائریکٹر صاحب شرکت نہیں کر سکے تھے۔

""چیف! آپ کو معلوم ہے یہ بلڈنگ کس کے زیر نگرانی تعمیر ہو رہی ہے؟"

احمد پیٹ میں اٹھ رہے مروڑ سے تنگ آکر بلا آخر وینیٹی وین میں پہنچا تھا۔

"کسی کے بھی ہو،اس سے ہمارا کیا تعلق۔۔؟"

آئینہ میں دیکھ کر اپنے سیٹ کیے بالوں کو از سر نو سنوارتے اس نے شانے اچکائے۔

"اس سے ہمارا، بلکہ آپ کا گہرا اور انتہائی قریبی تعلق ہے چیف۔۔۔"

احمد زور ڈال کر ذو معانویت سے بولا تھا۔

"کیا مطلب، کسوٹی مت کھیلو سیدھے سیدھے بتاؤ۔۔۔"

وہ قطعی تجسس و جوش کا اظہار کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"بھابی کے۔۔۔"

"وہاٹ؟"

"جی! بھابی انجینئیر ہیں یہاں کی، یقین نہیں تو کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لیں۔۔۔"

مزے سے سینے پر بازو باندھتے احمد نے داد چاہنے والے انداز میں بتایا جوا باً جبران کا من کیا اس نئے ٹوئسٹ کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھے پر اس نے شانے جھاڑ دیے۔

"مجھے کیا، وہ اپنا کام کرنے آئی ہیں اور میں اپنا۔۔"

وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

تبھی ڈائریکٹر صاحب کے اسسٹنٹ نے آکر شارٹ تیار ہونے کی اطلاع دی۔

ایک مطمئن نظر اپنی تیاری پر ڈال کر گلا کھنکارتا آگے بڑھا تو احمد نے بھی اس کی پیروی کی۔

وین سے باہر نکلتے ہی ہزار کوشش کے باوجود اس کی نگاہ سیدھا مس بھاپ انجن کی طرح اٹھی تھی جو ہاتھ میں موجود ٹیبلیٹ پر جھکی ہوئی تھی۔

فارمل ملبوسات میں اس کا دراز و دلکش سراپا ہمیشہ کی طرح نمایاں ہو رہا تھا، سر پر سفید رنگ کا ہیلمٹ پہنا ہوا تھا جو اس کے مضبوط ارادوں کا پتا دے رہا تھا، اس پر نارنجی رنگ کی حفاظتی ویسٹ اس کے کام کے تئیں سنجیدگی اور احتیاط کو ظاہر کر رہی تھی۔ اندر پہنی ہوئی سفید قمیض اس کی نفاست اور سادگی کی عکاس تھی، جو میدانِ عمل میں بھی اس کے باوقار انداز کو برقرار رکھے ہوئے تھی۔

تضاد خدوخال میں نمایاں گہری سنجیدگی، جو اتنے فاصلے سے بھی صاف عیاں تھی۔

ایک پیر وین کی سیڑھی پر اور ایک زمین پر دھرے کھڑے جبران کی غیر ارادی نگاہ نے بڑی ہی تفصیل سے اس کا جائزہ لیا تھا اور یہ اس کے نظروں کے ارتکاز کا ہی کمال تھا جو اس نے اچانک سے گردن اس کی جانب موڑی۔

گڑبڑا کر نگاہ ہٹانے کے چکر میں سیڑھی سے اس کا پیر پھسلا تھا گر بروقت احمد تھام نہ لیتا تو وہی وینیٹی وین ایمبولینس کی طرح اگلے لمحے استعمال ہو سکتی تھی۔

احمد کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹاتا وہ خفت مٹانے کیلئے سینا تان کر کھڑا ہوا تھا۔

پھر ڈائریکٹ صاحب کے بلانے پر اسی طرح گردن اکڑائے ان کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اس سین کے مطابق اسے روایتی ہیرو کی طرح پہلے پانچ چھ ہٹے کٹے مشٹنڈوں کو ڈھیر کرنا تھا اور پھر بیہوش ہیروئن کو مضبوط باہوں میں اٹھا کر وہاں سے نکلنا تھا۔

ہیروئن صاحبہ کو کرسی سے رسیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔

ڈائریکٹ نے جیسے ہی 'ایکشن' کہا جبران نے فائٹ شروع کی تھی۔ نہایت ہی جارحانہ انداز میں اس نے روئی کے گدے کی طرح ادھر ادھر مشٹنڈوں کو اچھالا

تھااور دیوانہ وار بیہوش پڑی ہیروئن کی طرف دوڑااور جیسے ہی رسی کھول کر اسے باہوں میں اٹھانے کی باری آئی وہ رک گیا۔

سین کے مطابق اسے اسی جنونی انداز میں ہیروئن کو اٹھا کر واپس بھاگنا تھا۔ڈائریکٹر صاحب نے اس کے رکتے ہی مایوسی سے 'کٹ' کہا تھا۔

کچھ لوگ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانے تو کچھ ہیرو ہیروئن کا میک اپ درست کرنے دوڑے تھے۔

زرناب نفی میں سر ہلا کر پھر سے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ذاتی عناد اپنی جگہ، لیکن بندہ ہے تو ہنر اور حسن کی کھان کیا کہتی ہو۔۔؟"

سدرہ نے قریب آتے ہوئے آہ بھر کر تبصرہ کیا تھا۔

"حسن گھول کر پینا ہے یا تعویز بنا کر گلے میں لٹکانا ہے؟"

زرناب کو یہ تبصرہ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"وہ سب میں نہیں جانتی، پر لڑکیوں نے تو اس چہرے کو موبائل وال پیپر، مختلف پروفائل کے ساتھ دل کے دیوار پر ان لارج کر کے لگا رکھا ہے۔۔۔"

معلومات میں اضافہ کرتے سدرہ نے شانے اچکائے تھے۔

"آپ جیسی احمق ہیں وہ ساری لڑکیاں، جنھیں نہ عقل آئی ہے نہ آنے کے امکانات ہیں، اور مجھے سخت چڑ ہے احمق لوگوں سے، لہٰذا احتیاط کرو تم بھی۔۔۔"

وہ تپ کر سرزنش کرتے انداز میں گردن موڑ کر بولی تھی۔

جواباً سدرہ لبوں پر زپ کا اشارہ کرتی سامنے واپس سے چل رہے سین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

پھر وہی ہیروئن کو اٹھانے کا سین آیا اور جبران کے تاثرات چہرے سے غائب ہو گئے۔

اس کے بعد ٹیک ون، ٹیک ٹو سے جا کر ٹیک ففٹین تک کی آواز گونجی تھی اور نتیجہ وہی نکلا تھا۔

ڈائریکٹر صاحب ہی نہیں جبران بھی خاصا جھنجھلاہٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

"یار! ہمیں لگتا ہے ان اداکاروں کی زندگی بڑی ہی آسان ہوتی ہے، لیکن اتنی بھی آسان نہیں ہے۔ چچ! بیچارہ پندرویں مرتبہ کر رہا ہے وہی کام۔۔۔"

سدرہ کے لبوں سے ایک مرتبہ پھر ترحم بھرے انداز میں قفل ٹوٹا تھا۔

"تو۔۔؟"

"تو میں سوچ رہی تھی، اتنے خوبصورت چہرے کے ساتھ تم دوبدو منہ ماری کیسے کر لیتی ہو، اٹک نہیں جاتی تمہاری زبان، جب اس کی مڑی ہوئی پلکوں کی باڑ سے بھوری ساحر آنکھوں کی سحر زدہ شعائیں آزاد ہوتی ہیں۔۔۔"

گرے فارمل پینٹ پر، وائٹ کلر کی شرٹ پہنے کہنوں تک آستین کو فولڈ کیے چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے بے حد وجیہہ نظر آرہے جبران عباسی پر نظر جمائے سدرہ خواب دیدہ کیفیت میں مستفسر ہوئی تھی۔

جواباً زرناب نے بھی بے تاثر نگاہ اس جانب اٹھائی وہ ڈائریکٹر صاحب کی بات دھیان سے سنتا ہوا نظر آیا۔

سوٹ بوٹ سے لگ رہا تھا وہی روایتی روڈ اور انتہائی کوئی امیر کبیر ہیرو کا رول ادا کر رہا ہے جو پارٹ ٹائم ہیروئن کیلئے غنڈہ اور گنگسٹر بھی بن جاتے ہیں، جو کہ بادل ناخواستہ اس کی شخصیت کے رکھ رکھاؤ پر جچتا بھی تھا۔

پہلو میں سادہ سے شلوار قمیض میں بیچاری ہیروئن کا رول ادا کر رہی محترمہ نزاکت سے چھوٹا سا فین چہرے کے قریب کیے کھڑی تھی۔

"بتاؤ نا۔۔۔؟"

سدرہ کو واقعی زندگی پیاری نہیں تھی۔ جو آگ سے کھیل رہی تھی۔

"نہیں! بلکہ میرا دل کرتا ہے ان بھوری آنکھوں کو پھوڑ دوں، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، کیونکہ تم جیسی عقل سے پیدل لڑکیوں کا تو کچھ کیا نہیں جا سکتا نا، احمق بنتِ حوا۔۔۔"

وہ ترش انداز میں کہتی ہوئی بلڈنگ کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

بلڈنگ کے اندر چھوٹا سا آفس بنا ہوا تھا اس کا، وہ وہاں بیٹھ کر کانوں میں ایئر بڈ لگا کر کورین ڈرامہ کی بچی ہوئی اقساط دیکھنے لگی تھی، کیونکہ باہر سے ابھر رہی کٹ اور ایکشن کی آواز میں ڈھنگ کا کام تو ممکن نہیں تھا۔

novel by j nikhat

جو حیات تھی تجھ پہ وار دی۔

اب عروج کیا___ اور زوال کیا۔!!..

اور پھر مشکل سے مشکل سین کیلئے بھی تین سے زیادہ ٹیک نہ لینے والے منجھے ہوئے اداکار جبران عباسی نے پچاس سیکنڈ کے شارٹ کیلئے بنتالیس ٹیک لے لیے تھے۔ لیکن وہ پچاس سیکنڈ کی ویڈیو شورٹ نہیں ہو پائی تھی، ہر مرتبہ وہ آکر اسی سین پر رکا تھا جہاں اسے ہیروئن کو گود میں اٹھانا تھا جو بامشکل دس سیکنڈ کا شارٹ تھا۔

سورج کی تھکی ہاری کرنیں بھی ایک ہی سین دیکھ دیکھ کر جمائیاں روکتی ہوئی شام کی سرمئی آنچل میں اونگھنے لگی تھیں ڈائریکٹ صاحب نے شدید مایوسی کے ساتھ پیک اپ کا اعلان کیا تھا۔

جبران غصہ سے جبڑے بھینچتا ہوا وینیٹی کی طرف بڑھا تھا۔اس کے آٹھ سالہ ایکٹنگ کرئیر میں اس نے سات سے زیادہ ٹیک نہیں لیے تھے اس کا ریکارڈ تھا جس کی لوگ مثال دیتے تھے اور آج اس نے ایک پورے ڈرامہ میں لیے جانے والے سین سے بھی زیادہ ٹیک لیے تھے وہ بھی ناکام۔۔

وہ آکر اپنی چیئر پر بیٹھتا بوتل کا ڈھکن ایک جانب اچھال کر منہ سے لگا گیا تھا۔ پھر کتنی ہی دیر تلک وہ اسی طرح بیٹھا سلگتی آنکھیں آئینہ میں نظر آرہے اپنے عکس پر گاڑے کھولتا رہا تھا۔

"چیف"!

"ہوں "!

کافی دیر بعد احمد کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی، ڈائریکٹر صاحب کہہ رہے تھے کل آکر شورٹ کریں گے اسی ٹائم واپس سے۔۔"

"کل؟"

"ہاں"!

اس کے سپاٹ انداز میں پوچھنے پر احمد کنفیوژ ہوا تھا۔

"کہہ دو کل نہیں، دو تین دن بعد کا شیڈیول بنا لے۔۔۔"

بوتل سامنے پھینکنے کے انداز میں پٹختا ہوا وہ حکمیہ انداز میں بولا۔۔

"میرا خیال ہے کل ایک شارٹ میں یہ سین آپ شورٹ کر لو گے۔۔"

احمد پر یقین انداز میں بولا۔

"اور تمہیں یہ خیال کیوں آیا ہے؟"

"کیونکہ کل بھابی نہیں آنے والی ہیں سائٹ پر، وہ اپنی دوست کو بتا رہی تھی تو میں نے سنا۔۔۔"

احمد کے چہک کر بتانے پر وہ بھونچکا کر اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔

"کک۔ کیا مطلب ہوا اس بکواس کا ہاں۔۔؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو کہ ان کی وجہ سے میں۔۔ میں۔۔۔"

اس کا چہرہ یکایک ہی خفت کے مارے سرخ پڑ گیا تھا۔ آواز میں جان بوجھ کر بھاری پن شامل کرتے اس نے خونخوار گھوری ڈالتے پوچھا احمد کھسیانی مسکراہٹ لیے پیچھے ہوا تھا۔

"اب۔۔ اب کیا یہی بچ گیا ہے؟ میری پرفارمینس کسی کی پریزینس سے ڈیسائیڈ ہو گا، نہیں تم یہ بتاؤ تمہارے دماغ میں آخر یہ انتہائی فضول قسم کی بات آئی بھی کیسے۔؟"

اپنے اندر کی عجب ہل چل چھپانے کیلئے وہ احمد پر چڑھ دوڑا تھا۔

"وہ۔۔وہ چیف۔ مم۔۔مجھے بس لگا۔۔لگ تو انسان کو کچھ بھی سکتا ہے نا۔۔"

احمد نے بچاؤ کیلئے بتیسی کی نمائش کرتے اسے شانت کرنا چاہا۔

"ہاں! لیکن اتنا بکواس نہیں لگنا چاہیے کچھ۔۔۔"

وہ انگلی اٹھا کر وارن کرتا ہوا بولا تو احمد فرمانبرداری سے اثبات میں سر ہلاتا ہوا الٹے قدموں وین سے نکلا تھا۔

"ہونہ! کچھ بھی، انسان ہوں کبھی کبھی ہوتا ہے انسان کا موڈ نہیں بن پاتا، کسی سین کو وہ فیل نہیں کر پاتا، اس کا مطلب کسی کی موجودگی تھوڑی ہو سکتی ہے، اور پھر اس بھاپ انجن کی موجودگی، کم آن! جبران عباسی ہوں میں۔۔۔"

واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے بالوں کو خواہ مخواہ انگلیوں سے سنوارتے ہوئے گردن اکڑا کر اس نے تفاخر سے خود کو یاد دلایا۔

تبھی چھم سے اس کی پلکوں کی بار سے آزاد ہوتی شعلہ نظر تصور میں اترا، جس سے غصہ و تنفر کی شعائیں آزاد ہو کر سیدھا اسی کی جانب آرہی تھی تو بے ساختہ جھرجھری لے اٹھا تھا۔

"اللہ اللہ"!

اس نے تپ اٹھے چہرے پر اضطرابی انداز میں ہاتھ پھیرا تھا۔

تبھی وینیٹی کا دروازہ کھلا تھا۔اور احمد کی مسمسی سی شکل نظر آئی۔

"اب کیا ہوا ہے؟ "

"وہ چیف! آپ ریڈی ہیں تو نکلیں۔۔۔؟"

"اور نہیں تو، یہاں چلہ کاٹنے کا ارادہ کیا رات بھر۔۔۔؟"

اس کا موڈ سخت آف تھا۔

"جی! جی! میں کہتا ہوں ڈرائیور سے۔۔۔"

وہ پیچھے ہٹا پھر کچھ یاد آنے پر واپس سے چھوے کی طرح منہ نکالا۔

"اب کیا ہوا ہے؟"

"وہ چیف! آپ مانو یا نہ مانو آپ وہ سین اس لیے کمپلیٹ نہیں کر پائے کیونکہ وہاں بھابی موجود تھیں،اور آپ بھابی کے سامنے کسی اور لڑکی کو باہوں میں اٹھاتے ہوئے آکو ورڈ ہو رہے تھے اس لیے آپ اسی سین پر آکر اٹک جاتے تھے،اب آپ کہو گے ایسا نہیں ہے، پر ایسا ہی ہے،اور اس میں شرمندہ ہونے

والی کوئی بات نہیں ہے، یہ نیچرل ہے دنیا کا ہر بندہ اپنی وائف سے خائف رہتا ہے۔ہاہاہاہا۔۔۔"

دیدہ دلیری سے اپنی زریں خیالات کا اظہار کر کے وہ جتنی رفتار کے ساتھ وہاں سے رفو چکر ہو سکتا تھا ہوا تھا۔

"تمہاری تو۔۔۔"

جب تک جبران غصہ سے کھولتا ہوا اسے دبوچنے جھپٹا وہ ہوا ہو چکا تھا۔

"کچھ نہیں ہے ایسا۔۔ فلمی سیٹ پر رہ رہ کر اسے خود بھی کہانیاں بننے کی عادت ہو گئی ہے۔۔"

اس نے خود کو جھٹلایا تھا۔

جس پر دل میں بیٹھا چور منہ چھپا کر ہنس دیا تھا۔جو اس بات کا گواہ تھا کہ ہر مرتبہ مکمل کردار میں ڈوب کر شارٹ دیتے وہ ہیروئن کے قریب آتا تھا اور پھر ہزار کوشش کے باوجود اس کی موجودگی کا ریشم کی ڈوری سی نازک پر تیز دھار خیال اس کا تصور سے ناتا توڑ کر حقیقت میں لا پٹختا تھا،یوں محسوس ہوتا تھا وہ اپنی غراتی

ہوئی آنکھوں میں ڈھیروں تمسخرانہ الزام لیے اسے دیکھ رہی ہے، پھر یک بیگ ہی وہ کردار سے باہر نکل جاتا تھا۔

novel by j nikhat

بہت گہرا ہے سکوں، بہت اُجلی ہے خاموشی
بہت آباد لہجے میں، بہت سنسان ہے کوئی!

مزید دو دن ٹھہر کر وہ عباسی مینشن لوٹ آئی تھی۔

چلتے ہوئے وہی آسیہ بیگم نے روایتی ماؤں کی طرح ڈھیروں نصیحتوں کی سوغات باندھی تھی جس پر وہ کان دھرے بغیر بس سر ہلاتی ہوئی نکل گئی تھی۔

رات ڈنر کے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی وہ انس کے کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے سونے کیلئے لیٹ گئی تھی۔

صبح اس کی آنکھ اپنے ماتھے پر بھاری پن محسوس کر کے کھلی تھی۔

کسملندی سے آنکھ کھولتے اس نے اس چیز کو پکڑ کے آنکھوں کے سامنے کیا تو لامبی لامبی قوی انگلیوں والا ہاتھ نظر آیا تھا۔۔

"وہاٹ دا۔۔۔"

ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھتے اس نے پہلو میں نظر ڈالی، جہاں وہ صاحب بہادر بنا شرٹ کے اوندھا ہو کر گہری نیند میں محو نظر آئے، اور صرف وہ ہی نہیں ان کے درمیان میں سویا انس بھی باپ کے نقش و پا کی پیروی کرتا ہوا پیٹ کے بل ویسے ہی جبران کی جانب چہرے موڑے سو رہا تھا۔

زرناب اسے یوں بے فکر سوتا ہوا دیکھ جی جان سے جل اٹھی تھی۔ انس کا خیال کرتے احتیاط سے مگر انتہائی جارحانہ انداز میں اس نے اس کا بھاری ہاتھ اس کے سرحدوں میں پھیکا تھا۔ لیکن آفرین تھا، وہ کیا اس کی آنکھیں تک ایک سیکنڈ کیلئے ٹس سے مس نہیں ہوئی تھا۔

زرناب کی جھنجھلاہٹ کچھ اور بڑھی تھی۔

"رات تو کمرے کی فضا انتہائی خوشگوار تھی، یہ برا وقت پھر کس وقت نازل ہوا؟ اور اس شخص کے رنگ ڈھنگ یہاں کسے معلوم نہیں ہے جو یہ اداکاری کے جوہر دکھانے کیلئے کمرے میں چلا آتا ہے؟ اتنے سارے کمرے ہے گھر میں کہیں بھی جا کر مرے سوئے۔۔۔"

بستر چھوڑتے ہوئے وہ مسلسل کھولتے ذہن کے ساتھ بڑبڑائے جا رہی تھی۔

"صبح ہی صبح ایسا منحوس چہرہ دیکھا ہے نجانے باقی کا دن کیسا واہیات جانے والا ہے۔۔"

فریش ہو کر واش روم سے نکلتے اس کے لبوں پر ہنوز کوئلے سلگ رہے تھے، مطلب اتنی دیر تلک ٹھنڈے پانی کا استعمال رائیگاں ہی گیا تھا، دماغ کی بھٹی ہنوز گرم تھی۔

"عجیب خبطی بندہ ہے، گھر کو بھی فلمی سیٹ سمجھ رکھا ہے، سوئیں گے بھی تو سپر اسٹار کی طرح شرٹ کھول کر باڈی کی نمائش کرتے ہوئے، مطلب گرے تو بھی ٹانگ اٹھا کر، فضول آدمی نہ ہو تو۔۔۔"

اپنی سائیڈ سے فون اٹھانے آئی زرناب کی بے ارادہ نظر ایک مرتبہ پھر اس کے وجود پر پڑی تو سوا نیزے پر پہنچی جھنجھلاہٹ دوچند ہوئی، مطلب اب اس کی زندگی میں یہی رہ گیا ہے صبح اٹھ کر اس بندے کے کسرتی جسم کے جلوس سے آنکھیں خراب کرنا۔

وہ چہرہ اسی جانب موڑ کر سو رہا تھا، آنکھوں پر اس کی جھالڑ دار مڑی ہوئی پلکوں کا سخت پہرا تھا، یوں کہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائیں وہ کسی کو صاحب بہادر کی نیند میں مخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

"جانتی ہو زری! جب وہ بالکل چھوٹے بچوں کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند سوتے ہیں ناں، ان کی سانسوں کی زیر و بم فضا میں ایک الگ سی موسیقی کی دھن چھیڑتی ہے، مانو ہر ذی روح کو مدہوش کر دینا چاہتی ہو، ہپنوٹائز جانتی ہو ناں؟ اور وہ مڑی ہوئی پلکیں۔۔ افف! میں نے آج تک صرف کتابوں میں مڑی ہوئی پلکوں کا ذکر سنا تھا، وہ بھی لڑکیوں کیلئے، لیکن جب ان پر دیکھا تو احساس ہوا تصور جب حقیقت کی تصویر بن کر اترتا ہے تو کس قدر دل فریب لگتا ہے۔ افف! جب وہ بھوری آنکھوں کے پہریدار چو کسی سے آنکھوں پر تعینات رہتے ہیں تو انھیں چھونے کیلئے دل دھڑک دھڑک جاتا ہے۔۔۔"

زرناب کی سماعت میں کبھی کی صدف کی بے خودی کی عالم میں کہی باتیں گونجی تھی۔

"کیا خاص ہے ان مڑی ہوئی پلکوں میں؟ بلکہ 'بونی پلکیں' لگ رہی ہے، حد ہے لڑکیوں کو کچھ بھی فیسنیٹ کرتا ہے۔۔۔۔"

جبران عباسی کی مڑی ہوئی پلکیں جس کا ایک عالم دیوانہ تھا، زرناب جاوید نے سیکنڈ میں اسے 'بونی پلکوں' کا نام دیکر عرش سے فرش پر گرایا تھا۔

"اور آپ۔۔ آپ کس خوشی میں اس شخص کے نقش و قدم پر چل رہے ہیں؟ یہی برداشت سے باہر ہے تو آپ بھی متاثر ہو رہے ہیں۔۔"

زرناب نے جھک کر انس کو احتیاط سے کروٹ کے بل لٹایا تھا اور ابھی وہ سہی سے پیچھے بھی نہیں ہٹی تھی کہ انس صاحب واپس سے پیٹ کے بل لیٹتے باپ کی جانب چہرہ موڑ چکے تھے۔

"آپ۔۔ آپ نے پھر۔۔ اففف! میں بھول کیسے گئی آخر جینس کس کا ہے۔۔۔"

غصہ سے مٹھیاں بھینچتے وہ اس پر کمفرٹر برابر کر کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"آدھے گھنٹے میں اتنا خون جل چکا ہے، ابھی دن کے دس گھنٹے باقی ہی ہیں۔۔۔"

راہداری سے گزرتے ہوئے وہ اپنے اعصاب کو اعتدال پر لا ہی رہی تھی کہ اس کا فون گنگنایا۔

یس کر کے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے اطلاع ملی کے آج جو ٹیم بلڈنگ کی آوٹنگ کا پلان تھا اور کینسل ہو گیا ہے اور سب چونکہ آفس کیلئے تیار نہیں تھے لٰہذا دو گھنٹے کی تاخیر سے یعنی گیارہ بجے آفس میں حاضری دیں۔

"بس! ایسی شکل دیکھنے کے بعد ایسی ہی خبر ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی، نجانے کون احمق ہوتے ہیں جو اس شکل کو وال پیپر پر لگا کر اپنا نصیب پھوڑتے ہیں۔۔۔"

اس کا سب کے ساتھ آوٹنگ پر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، بلکہ وہ گھر بھی بیٹھ کر بچا ہوا کام اور انس کے ساتھ ہی وقت گزارنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیکن ٹرپ معطل ہونے کی خبر سن کا غصہ ایسے آیا تھا مانو ساری منصوبہ بندی ہی اس نے کی ہو۔

وہ گہری نیند میں ڈوبا تھا، جب اسے اپنے بازو اور برہنہ سینے پر نرم گداز چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا، پھر وہ ہاتھ سرکتا ہوا اس کے چہرے تک آیا، اب اس کی ناک پر تھپڑ کی برسات ہو رہی تھی۔

اس نے کسمسا کر ذرا کی ذرا آنکھیں کھولی تو چند انچ کے فاصلے پر گول مٹول سا منہ بسورتا ہوا معصوم چہرہ نظروں کی گرفت میں آیا تھا۔

وہ واپس آنکھیں موندنے ہی لگا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ آنکھ پر پڑا تو پتلیاں ہڑ بڑا کر پھیل گئی، ساتھ اس کی لبوں پر بے ریا سی مسکراہٹ ٹھہری، وہ اس لمس پر عجب سی کیفیت کا شکار ہوا تھا۔ جسے فل حال وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔

اب کے انس نے اس کی ناک کو مٹھی میں جکڑ کر دبوچا تو اس کی ننھی انگلیوں کے پانچوں ناخون نے بڑی بے دردی سے اپنا کام کیا، جواباً جبران کی سسکی برآمد ہوئی تھی۔

"افففف! اسی چہرے سے ہماری دنیا چلتی ہے، اسے تو برباد نہیں کریں۔"

اس نے سیدھا ہو کر لیٹتے ہوئے اسے اٹھا کر اپنے پیٹ پر بٹھایا تھا، یہ حرکت اس کی یکدم بے اختیاری سی تھی جس میں عجب سی کشش و سرور تھا ایک فخریہ ایک لاشعور میں کھٹک رہے ادھورے پن کو مکمل کرتا ہوا انوکھا سا احساس، شائد اسے ہی خون کی کشش کہتے ہیں جو اس وقت جبران سمجھنے سے قاصر تھا، سمجھتا بھی کیسے دوسرے فریق کی تو الگ ہی تان تھی نا۔۔

انس صاحب کو یہ بے وقت کی پدرانہ شفقت ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ انھیں آنکھیں کھولتے ہی مام کا حسین چہرہ دیکھنا تھا تبھی وہ پاپا کے سکس پیک کو ڈھول سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے تھاپ دیتے 'مم' گردان کرنے لگے تھے۔

"ارے! ارے! ٹائم پلیز، میں سمجھ گیا، آپ اپنی مام کو ڈھونڈ رہے ہیں، چلیں میں لے چلوں۔۔۔!"

اس کے چہرے کے زاویہ بگڑتا دیکھ وہ فوراً بستر چھوڑتا اٹھ کر بیٹھا، بتدریج بگڑتے انس کے تیور دیکھ پیر میں پہنا ایک چپل بھی کھول کر سرپٹ باہر کی طرف دوڑا تھا۔

لیکن دروازہ عبور کرنے تک انس نے گلا پھاڑ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"ارے! یار، ڈھونڈنے تو دیں اس وقت آپ کی مام ہوں گی کہاں۔؟"

وہ بوکھلاہٹ کے مارے بیچ راہداری میں کھڑا ہو گیا تھا۔

جائے تو جائے کہاں؟

کچن، مین ہال، گارڈن یا پھر۔۔؟

آج اسے اپنے اتنا بڑا گھر بنانے کے فیصلے پر سخت تاؤ آیا تھا۔

کیونکہ انس نے صبر کا نام شائد سنا ہی نہیں تھا۔

"ارے! آپ۔۔۔"

ابھی وہ مزید کچھ بولتا کہ نجانے کہاں سے زرناب دوڑتی ہوئی آئی اور جھپٹ کر اس کے بازو سے انس کو لیا۔۔

"یہ۔۔یہ۔۔ گر گئے تھے کیا بیڈ سے۔۔۔؟"

انس کی پشت سہلاتے اس نے حواس باختہ انداز میں پوچھا۔

سب کو منہ توڑ جواب دینے والی وہ انس کے معاملے میں اتنی ہی جذباتی تھی۔ جبران نے نفی میں سر ہلایا۔

جبکہ آواز سن کر وہاں آئے باقی سب بے یقینی سے ہونق کھڑے جبران کو دیکھ رہے تھے جس کے پیروں میں نہ چپل تھی نہ تن پر ٹی شرٹ، وہ ٹراؤزر میں الجھے بالوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ جبکہ یہ وہی جبران عباسی تھا جو گھر میں بھی کسی فلم کے سیٹ پر گھومنے کے انداز میں نک سک سے تیار ہو کر گھومتا تھا۔اس کے بالوں تک کو آج تک کسی نے گھر میں بے ترتیب نہیں دیکھا،ایسا حلیہ تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

غرض! وہ سُپر اسٹار والی زندگی گھر اور باہر دونوں جگہ اسی جاذبیت سے جیتا تھا۔

"انیسہ! انس کے لیے وجیٹیبل کھچڑی لیکر آجاؤ پلیز۔۔"

ملازمہ کو حکم دیتی، زرناب انس کو بہلاتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ جبران ہنوز گومگو کی کیفیت میں اسی جگہ ایستادہ تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

سب کے پھٹے دیدے ہنوز خود پر مرکوز دیکھ کر اس نے بھویں اچکا کر پوچھا تھا۔

"یہ تو تم ہمیں بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟"

زینت بیگم کا لہجہ کچھ چبھتا کچھ جتاتا ہوا تھا۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟"

اس نے شانے اچکا کر نا سمجھی سے الٹا ان سے پوچھا۔

"آپ خود ہی سامنے مرر میں دیکھ لیں بھائی۔۔۔"

صنوبر نے سامنے ہال اور راہداری کو علیحدہ کرتی ہوئی گلاس وال کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ مائی گاڈ"!

جواباً جیسے ہی اس نے نگاہ وال کی جانب اٹھائی اپنے حلیہ پر نظر پڑتے ہی سرپٹ وہاں سے بھاگا تھا۔

"آپ نے بھائی کے تیوروں میں کچھ نوٹس کیا مام۔۔۔؟"

جبران کے جاتے ہی ثمرن نے چبھتے انداز میں پوچھا۔

"کیا نوٹس کرنا تھا؟"

سوال صنوبر کی طرف سے تھا۔

"کیا نوٹس کرنا تھا؟"

سوال صنوبر کی طرف سے تھا۔

"یہی ان کی بوکھلاہٹ، بچے کے ذرا رونے پر بنا چپل کے باہر دوڑے ہیں، ورنہ تو کھانے کی ٹیبل پر کھانا ٹھنڈا ہو جائے یا ہسپتال میں انسان کا جسم، وہ بنا اپنی تیاری مکمل کئے کمرے سے باہر قدم نہیں رکھتے۔۔"

ماں پر ایک نظر ڈال کر وہ ابلیس کی تربیت یافتہ شاگرد کی طرح دیدے نچا کر بولی تھی۔

"تو کیا ہوا۔۔۔؟"

صنوبر ہنوز نہیں سمجھ پائی تھی مقصد۔

"تو کیا ہوا؟ یاد نہیں تمہیں چھ سال کا ہو گیا ہے میرازین اور تین سال کی ہے دانیہ، آج تک کی تاریخ گواہ ہے بھائی نے انھیں گود میں نہیں اٹھایا کبھی، ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ مجھے بچوں کو اٹھانا نہیں آتا ہے، اور آج دیکھا کیسے بیٹے کو اٹھا کر گھر میں دوڑتے گھوم رہے ہیں۔۔۔۔"

ثمرن کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا، ان کی اولاد ہے۔۔"

صنوبر نجانے آج کیا کھا کر کمرے سے نکلی تھی جو بہن کے الٹ بول رہی تھی۔

"ارے! ان کی اولاد ہے کا کیا مطلب ہوا؟ ثمرن چیخنی، کیا میرے بچے غیر ہیں، ارے! اکلوتے ماموں ہیں، میرے بھی کچھ ارمان ہیں، لیکن۔۔۔"

"اب چپ کر جاؤ تم دونوں۔۔۔"

زینت بیگم جھلا کر کہتی اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

novel by j nikhat

باب قفس کھلا بھی تو____کچھ دیر کے لیے

جو قید میں نہیں تھے___رہا کر دیے گئے!_

"مام کا پیالا پیالا بچہ اتنا کیسٹے رولیا، مام تو پیارے سے انس کے لیے ان کی فیوریٹ کھچڑی بنانے گئی تھی نا، اتنا شالا رولیا اتنی سی دیر میں، اتنی پیاری پیاری آنکھوں میں آنسو اچھے تھوڑی لگتے ہیں مام کو۔۔۔۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا تو محترمہ بھاپ انجن ممتا کی مورت بنی انس کو منانے میں لگی ہوئی تھی۔ جس کی بڑی بڑی ہیروں سی چمکتی ہوئی معصوم آنکھوں میں ہنوز

آنسو کے قطرے ٹھہر رہے تھے جسے وہ بڑی محبت وچاہ کے ساتھ پوروں سے چن رہی تھی۔

جبران وہیں ڈور فریم سے پشت ٹکا کر سینے پر بازو باندھتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"اب تو میں آگئی ہوں نا، اب کیوں رو رہا ہے پیارا بچہ۔۔"

واپس انس کے ہونٹ لٹکتے دیکھ وہ روہانسی ہوئی تھی۔

"اچھا! اب میری سمجھ آرہی ہے، آپ اس مسٹر شو آف کا چہرہ دیکھ کر ڈر گئے تھے۔۔۔؟ ڈریں گے کیسے نہیں، سوتا بھی تو وہ بندہ ویسے ہی ہے چنبل پور کے ڈاکو کی طرح پھیل کر۔۔۔"

وہ یکدم سے چٹکی بجا کر بولی تو لبوں پر نرم سی مسکراہٹ لیے کھڑا جبران بھونچکا کر سیدھا ہوا تھا ساتھ اپنا سراپا کمرے کے قد آور آئینہ میں جا کر دیکھا۔

اتنا حسین وپرکشش چہرہ، جسے لوگ ٹھٹھک کر، مڑ کر، ٹھہر کر، حتیٰ کہ خون پسینے کی کمائی لگا کر دیکھتے تھے، وہ اسے ڈراؤنا بلکہ چنبل پور کے ڈاکو سے ملا رہی تھی؟

"لیکن غلطی آپ کی ہے، میں نے آپ کا چہرہ دوسری جانب موڑا بھی تھا لیکن آپ ہی کو ادھر کروٹ بدل کر سونا تھا، خیر آئندہ احتیاط کرنا۔۔۔"

وہ بڑے بچوں کو تنبیہہ کرنے کے انداز میں بولی انس نے تابداری سے بٹن جیسی آنکھیں پٹپٹائی۔

ساتھ جبران پر نظر ڈالی جو خونخوار نگاہوں سے اس کی مام کو گھور رہا تھا۔

"میں خوفناک ہوں چنبل پور کے ڈاکو جیسا۔۔۔؟"

جب برداشت نہیں ہوا تو کلس کر وہ سامنے آیا تھا۔

"پوچھ رہے ہو یا بتارہے ہو۔۔؟"

انس کو اٹھا کر واش روم کی جانب بڑھتے اس نے ازلی بے نیازی سے پتنگے لگائے تھے۔

"اس چہرے کی فیس ویلیو جانتی ہو تم۔؟"

وہ اس کے پیچھے پیچھے واش روم تک چلا آیا تھا جہاں وہ انس کو آرام سے واش بیسن پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پیر دھلا رہی تھی۔

"نہ ہی میرا سول سروسیز کا ایگزام لکھنے کا ارادہ ہے، اور نہ ہی میڈیکل یا آئی ٹی کا انٹرنس ٹیسٹ کیلئے اپلائی کرنے کا موڈ ہے، اور بلاضرورت کی معلومات سے دماغ کا اسٹور تج بھرنے کے تو میں سخت خلاف ہوں، قصہ مختصر اتنی اہم

معلومات رکھنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے میرے، سو تھینکس بٹ نو تھینکس۔۔۔۔"

انس کا منہ ہاتھ دلا کر پلٹتے کرارے جواب سے جبران کو منہ کھولنے پر مجبور کر کے وہ سائیڈ سے نکل گئی تھی۔

"یہ۔۔یہ۔۔یہ تم۔ تم کیا لگا رکھی ہے، جانتی بھی ہو تم سے کتنا بڑا ہوں میں۔۔؟"

وہ پیچ و تاب کھاتا ہوا اس کے پیچھے ہی آیا تھا۔

وہ ایک مرتبہ پھر اسے نادیدہ شے کی طرح نظر انداز کرتی اسٹینڈ سے تولیہ اٹھا کر انس کا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔

"ایکسکیوز می! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔۔۔؟"

صاف نظر انداز کیے جانے پر وہ تپ کر سامنے آیا تھا۔

"اس کمرے کو تم نے کسی مغربی ملک کا بیچ سمجھا ہوا ہے یا اپنے گھر کے پیچھے والا سوئمنگ پول؟"

نگاہ پھیرتے اس نے ناگواری سے حلیہ کی جانب توجہ دلائی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب، آج کی تاریخ میں کپڑے پہننے کا احسان تم کر ہی دو مجھ پر، وہ کیا ہیں نا، مجھے چھلے ہوئے آلو ہو یا انڈا دیکھنا سخت ناپسند ہے۔۔۔"

اب کے اس نے دانت پیس کر سہی احساس دلایا تھا۔

"اہ! سوری۔ سوری۔۔۔"

احساس ہوتے ہی فوراً اپنی سائیڈ جا کر اس نے جلدی سے شرٹ اٹھا کر پہنی تھی۔ پھر اس کے الفاظ کا چناؤ یاد آیا تو از سر تیوریوں پر بل نمودار ہوئے۔

نجانے کون سی لغت استعمال کرتی تھی یہ محترمہ، مطلب سکس پیک والے چست و تندرست جسم جسے پر کشش مرد کی سب سے بڑی خوبی کے طور پر دنیا تسلیم کرتی تھی اسے وہ چھلا ہوا انڈا اور آلو کہہ رہی تھی۔

"کوئی سینس آف بیوٹی جیسی چیز ہے بھی یا نہیں اس میں۔۔۔؟"

"اسے چھلا ہوا وہاٹ ایور نہیں، پرفیکٹ ٹونڈ میل اٹریکٹو باڈی کہتے ہیں محترمہ، اور ہاں! میں تم سے پورے سات سال بڑا ہوں، ابھی تو خیر ممکن ہی نہیں ہے، پر

بچپن میں تو انکل آنٹی نے کوشش کی ہوگی ناں بتانے کی کہ خود سے بڑوں کو کس طرح مخاطب کیا جاتا ہے۔۔۔؟"

وہ بھی ذرا تعظیم و تکریم کے ساتھ لفظوں کی تلوار طنز کے پتھر پر تیز کر کے آیا تھا۔

اب محترمہ بھاپ انجن کو ہر طرف سے خود پر حاوی تو نہیں ہونے دے سکتا تھا۔جواباً زرناب نے تیکھے چتونوں سے سینے پر بازو باندھے کھڑے محترم کے چلینجگ انداز کو نوٹس کیا تھا۔

پھر بولی تو وہی بے نیازی وہی ازلی نڈر اور حساب چکتا کرتا ہوا انداز تھا۔

"اسے چھلا ہوا وہاٹ سوایور کہتے ہوں یا ٹونڈ اٹریکٹو وغیرہ وغیرہ، پوائنٹ یہ ہے کہ میری آنکھیں بہت زیادہ چوزی ہے، یعنی چند چیزوں کو ہی دیکھنا پسند کرتی ہیں، مہربانی ہوگی اگر بنا ٹکٹ کا شو تم کمرے کی حدود میں، کم از کم میری موجودگی میں نہیں دکھاؤگے تو۔۔۔"

"تم۔۔۔"

جبران جلبلا کر کچھ کہنے لگا تھا کہ اس نے ہاتھ بلند کر کے سلسلہ کلام جوڑا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"اور رہی بات آپ کے انکل آنٹی کی کوشش کی تو۔۔مجھے یاد پڑتا ہے بچپن میں ہم لوگ چڑیا گھر گئے تھے جہاں ایک ایوریسٹ نامی ہاتھی کی عمر ستر سال تھی اور گریمپس نامی کچھوے کی ایک سو دو، پر بابا یا ممی میں سے کسی نے نہیں کہا کہ انھیں محترم ایوریسٹ یا جناب گریمس بلانا ہے؟ "

اس نے شانے اچکا کر اس معصومیت کے ساتھ جواب دیا تھا کہ جبران بس اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

اسے زینت بیگم کا تجزیہ یاد آیا تھا جس میں بالکل بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا تھا انھوں نے،اس لڑکی کی زبان واقعتاً قینچی کی طرح چلتی ہے، جس کے آگے وزیر آباد کی چھری بھی پانی بھرے، وہ بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس بھاپ انجن کی زبان کے آگے خندق ہے۔۔

اسے سر سے لے کر پیر تک سلگا کر وہ بڑے ہی آرام سے انس سے توتلی زبان میں بات کرتی ہوئی اسے کھچڑی پھوک پھوک کر کھلا رہی تھی۔

"ہاتھی اور کچھوے کو تو نہیں، لیکن وہاں موجود چھوٹے جانور مثلاً خرگوش، ہرن، پانڈا وغیرہ کی طرف اشارہ کر کے لازمی کہا ہو گا بیٹا انھیں آپ، جناب، محترم، عزت مآب جیسے القابات کے ساتھ مخاطب کریں۔۔۔"

تپ کر اس کے انس کو مخاطب کرنے کے انداز پر چوٹ کرتا ہوا وہ دھاڑ سے دروازہ مار کر واش روم میں بند ہوا تھا۔

جواباً زرناب کا من تو کیا جا کر ایک لات خود بھی دروازے پر مار کر آئے لیکن انس کے منہ کھول کر انتظار کرنے پر کڑوا گھونٹ بھر گئی۔

ثمرن کی چھٹی حس کا اس دن جبران کی حرکت پر کھٹک جانا کوئی ایسا غلط ثابت بھی نہیں ہوا تھا آنے والے دنوں میں یہ چیز بہت واضح طور پر سبھی کو نظر آنے لگی تھی۔

وہ جبران عباسی جو مہینوں گھر کا رخ نہیں کرتا تھا،ایک شہر میں رہ کر بھی اکثر وہ ہوٹل یا اپنے آفس میں قیام کرتا تھا،شوبز جوائن کرنے کے بعد سے کبھی ایک ہفتہ تو دور دو دن گھر ٹک کر نہیں بیٹھا تھا وہ پچھلے دنوں سے روزانہ یوں گھر ٹائم سے آ اور جا رہا تھا جیسے نو سے پانچ کی بندھی ہوئی نوکری کر رہا ہو۔

اتنی بڑی تبدیلی تو کسی کم عقل،کم شعور انسان کی نگاہوں میں بھی آ جائے پھر وہ تینوں ماں بیٹیاں تو خیر کچھ زیادہ ہی عقل و خرد،بلکہ خرد دماغ سے نوازی گئی تھیں۔

ابھی بھی وہ لوگ ہال میں اپنے مخصوص اڈے یعنی صوفے پر بیٹھے تھے جب جبران باہر سے فون کال پر بات کرتا ہوا آ کر ان کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہوا تھا۔

"کیا ہوا ایسے کیوں بھاگ رہی ہو جیسے ٹرین چھوٹ رہی ہو۔؟"

عجلتاً اندر کی جانب جا رہی ملازمہ کو دیکھ ثمرن نے ٹوکا تھا۔

"وہ کوئی لڑکی آئی ہے گیٹ پر کہہ رہی ہے بہو بیگم کی دوست ہیں،واچ مین کی کال آئی تھی تو میں وہی بتانے جا رہی ہوں۔۔۔"

ملازمہ نے پھولتی سانسوں کے ساتھ بتایا تھا۔

اس کے ذکر پر جبران کی توجہ چل رہی کال کی جانب سے ہٹی تھی۔

"ہاں تو، اس میں ایسے ہوش و حواس چھوڑ کر دوڑنے کی کیا ضرورت ہے، دوست ہی آئی ہیں نا، کوئی پرائم منسٹر تھوڑی چلا آیا ہے۔۔"

زینت بیگم نے نخوت سے کہتے ملازمہ کو کڑی نگاہ سے گھورا۔

"واچ مین سے کہو مہمان کو اندر بھیجے، اور آپ جا کر پہلے انھیں ڈرائینگ میں بٹھاؤ اور پھر کمرے میں جا کر اطلاع کر دو، وہ شائد نہا رہی ہیں۔۔۔"

فون ہولڈ پر ڈال کر اس نے پہلے ملازمہ کو سمجھایا تھا پھر واپس سے فون کی جانب متوجہ ہو گیا تو تینوں ماں بیٹی کی آنکھیں پورے حجم سے ابل کر باہر کو آئی۔۔

اور قبل اس کے کہ وہ لوگ جبران کی اس حرکت پر دھواں اگلتی جبران کال سنتے ایک جانب بڑھ گیا تھا۔

"بھائی کب سے گھر میں آنے جانے والوں کا خیال کرنے لگے؟"

صنوبر تحیر سے بڑبڑائی تھی۔

"جب سے ان کی بیوی کی پیاری سہیلی نے عباسی مینشن میں قدم رنجھا فرمایا ہے۔۔۔"

ثمرن نے دانت پیس کر اس دن کا حساب چکتا کیا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔"

صنوبر خفیف سی ہوئی تھی۔

"ہاں! ہاں! اب تم کہو گی، وہ ان کی اکلوتی بیوی کی عزیز سہیلی ہے، میرے سسرالی یا مام کے جاننے والے ان کے سگے تھوڑی ہوئے، جو بھائی جھوٹے منہ انھیں سلام کرنے یا دو گھڑی دنیاد کھاوے کے لیے شکل دکھادیں آکر۔۔۔"

ثمرن ایک مرتبہ پھر جلتے توے پر جا بیٹھی تھی۔

وہ سپر اسٹار جبران عباسی کی بہن تھی، روز اول سے سسرال میں جس وجہ سے اس کی بڑی دھاک تھی، لوگ اس سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ خوشامد کرتے تھے۔

جوابا مزید لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے ثمرن کا دل کرتا تھا کبھی اس کا بھائی اس کے سسرال آئے اور اس کے مان و مرتبے میں چار چاند لگا جائے یا پھر وہ

اپنے جان پہچان والوں کو جب عباسی مینشن بلائے، جبران دو گھڑی ان کو شکل دکھا کر چلا جائے، تاکہ لوگوں پر دبدبہ بنا رہے لیکن ایسا کبھی ہو نہیں پایا تھا جبران اپنے کام کے قلعے میں ہمہ وقت قید رہتا تھا۔

"آپا! میں نے ویسا تو نہیں کہا۔۔۔"

"جیسا بھی کہا ہو مجھے کیا، گھر میں وہ مالکن بنی گھوم تو رہی ہی ہے، کل کو تمہیں بھی انگلی دکھا کر کوئی حکم دے دے تو جی مالکن کہہ دینا، ویسے وہ دن بھی جلد ہی آئیں گے آخر آب و ہوا جو تیزی سے بدل رہی ہے عباسی مینشن کی۔۔۔"

ثمرن اچھے سے دونوں کے دماغ میں خناس بھر کر نکل گئی تھی۔

novel by j nikhat

صدیاں گزر گئیں تیرے انتظار میں

اے مرگِ ناگہاں میری طاقت تمام شد!

وہ نہا کر بالوں کو ہلکے ہاتھ سے رگڑتی ہوئی واش روم سے باہر نکلی تھی، جب ملازمہ نے آکر سدرہ کی آنے کی اطلاع دی۔اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود سدرہ آج اپنی منگنی کی دعوت دینے عباسی مینشن آئی تھی۔

"سدرہ! خواہ مخواہ کیوں فارمالٹیز کی چکر میں پڑ رہی ہو، فاروق منزل تو کارڈ دے چکی ہو نا،اور پھر تمہاری منگنی ہے مجھے بنا دعوت کے بھی آنا ہے۔۔۔"

ابھی کچھ دیر پہلے بھی اس نے کال پر منع کیا تھا۔

"ارے! ایسے کیسے، فاروق منزل کارڈ نہ بھی جائے تو چلے گا انکل آنٹی اور تمھیں آنا ہی ہے، پر عباسی مینشن کارڈ خود لے کر آنا ضروری ہے، آخر لوگوں کو بھی تو پتا چلے ہماری انجینئر صاحبہ کتنے ڈیمانڈ میں چل رہی ہے۔۔۔"

سدرہ کے اترا کر اپنی منطق سمجھانے پر اسے مانتے ہی بنی تھی۔

"وہ بہو بیگم ! بابا چپ نہیں ہو رہے۔۔۔"

وہ ڈرائیر اٹھا کر بال خشک کرنے کا سوچ رہی تھی کہ ملازمہ انس کو لیکر آئی تو ڈرائیر ویسے ہی چھوڑ کر انس کو سنبھالتی ہوئی باہر نکل گئی۔

جبران کو ہال میں آرام سے بیٹھا دیکھ اچانک ہی اس کے شیطانی دماغ میں منطق سمائی تھی۔

"میں سدرہ کے پاس جا رہی ہوں، جب تک تم اسے دیکھ لو۔۔"

اس نے جھک کرانس کو اس کی گود میں ڈالا تو اپنے میں گم جبران نے بے اختیار نگاہ اٹھائی۔ گہری بھوری پتلیوں کا گھور سیاہ شعلہ نگاہوں سے انتہائی قریب سے تصادم ہوا تھا نتیجتاً ڈوبی دھڑکن یکا یک ہی ابھرنے کی خصلت بھول گئی تھی۔

دستک دیے بغیر مرے گھر میں آگیا
یہ حوصلہ کہاں سے ستم گر میں آگیا!

ڈھلے ڈھلے روشن چہرے کی تابناکیاں چاند کو شرما رہی تھی، مانو چاندنیوں نے سمٹ کر اس تیکھے خدوخال سے سجے چہرے پر آن بسیرا کیا ہو، روشن پُر اعتماد و ذہین آنکھیں جھیل کی گہرائی کو کھلے مقابلے کے لیے دعوت دے رہی تھیں، تضاد ناکافی فاصلے کی وجہ سے سانسوں میں سرگم بن کر اتری تازہ

شیمپو، کنڈیشنراور شاور جیل کے علاوہ اس کے صندل بدن کی مدہوش کرتی ہوئی بھینی بھینی مہک! جبران کے لیے اگلی سانس کھینچ کر دھڑکن اعتدال پر رکھنا مشکل ہوا تھا تبھی اس کے گیلے بالوں سے موتی ٹوٹ کر اس کی کلائی پر گرا تو وہ اپنی غیر ہوئی کیفیت سنبھالتا ہوا جھر جھری لیکر ہوش میں آیا تھا۔۔

"یہ یہ تم کیا کر رہی ہو؟ وہاں ملازمہ کھڑی ہے اسے دو بچے کو۔۔"

جبکہ اس کے بے دھڑک جبران کی گود میں انس کو لا کر ڈالنے پر زینت بیگم بگڑی۔۔

"کیوں ملازمہ کو کیوں دوں؟ اس کے باپ کو خدانخواستہ اچھوت کی بیماری ہے جو بچہ نہیں اٹھا سکتے؟"

وہ تنک کر مستفسر ہوئی۔

"اسے بچہ اٹھانا نہیں آتا۔۔"

"جسے پیدا کرنا آتا ہے، اسے اٹھانا بھی آنا چاہیے۔۔"

"تم۔۔۔"

"مام! رہنے دیں، کچھ نہیں ہوتا۔۔۔"

جبران نے ایک نظر اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالتے انس کے گرد بازو حائل کر کے سیز فائر کیا جو ماں اور بہن کو سراسر زن مریدی لگی تھی۔

"انیسہ! کچھ دیر سے ریفر شمنٹ کا سامان لیکر ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔۔"

ملازمہ کو حکم دیکر وہ شانے پر دوپٹہ درست کرتی ہوئی ان سب کی تیکھی نگاہوں کو چہرے پر آئی لٹ کی طرح کان کے پیچھے اڑس کر عباسی سلطنت کی ملکہ کی طرح قدم اٹھاتی ہوئی ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"رہنا گھر میں ملکہ بن کر ہے، لیکن گھر کے کسی کام کی ذمہ داری نہیں لینی ہے، خوب دشمنی نکالی ہے تمہارے بابا نے، معاف نہیں کروں گی اس زیادتی کیلئے انھیں میں کبھی۔۔۔"

زرناب کے وہاں سے جاتے ہی زینت بیگم کے کڑھ وکلس پروگرام شروع ہوا تھا۔

جبران وہی ایک چپ اور ہزار سکھ کے مصداق انس کو فون تھما کر سائیڈ پر بٹھاتا ہوا خود صوفے کی پشت سے پیٹھ ٹکاتا ہوا سائیڈ پڑی میگزین کھول چکا تھا۔

"اور تم کب چپ شاہ کا روزہ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو، ارے! مانا وہ اعلیٰ عرفہ ہمیں منہ نہیں لگاتی بیگم کی شان گھٹتی ہے، لیکن تم سے بھی تو سیدھے منہ بات نہیں کر رہی ہے، مانو ہم نے کوئی ان کی سات نسلوں کا بقایار کھا ہوا ہو۔۔۔"

بیٹے کے یوں ہی انجان بن جانے پر اب کے براہ راست انھوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مام! دوست آئی ہے ان کی، اور انس ملازمہ کے پاس رہتے نہیں، ایسی کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے یہ۔"

اس نے ہمیشہ کی طرح کم سے کم الفاظ میں جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں! ہاں! میں ہی بلاوجہ بات پکڑ رہی ہوں، بلکہ میں روایتی ساس کی طرح تم دونوں کے بیچ۔۔"

"بیگم! ایک کپ اچھی سی چائے پلادیں، بڑی مہربانی ہو گی"

عباسی صاحب ہشاش بشاش سے آکر انس کے پاس بیٹھے تھے جو فلپ فون کھولنے اور بند کرنے کا اپنا ہی کوئی کھیل ایجاد کر چکا تھا۔

"انیسہ! پہلے بڑے صاحب کو چائے دے دو 'اچھی سی'۔۔۔"

دانت کچکچا کر انھوں نے ملازمہ کو آواز لگائی تھی۔

"آپ بنا دیں ناں، ملازمہ کے ہاتھوں کی تو روز پیتا ہوں۔۔۔"

وہ ترنگ میں بولے تو تینوں بھائی بہن نے ذرا چونک کر ان کا انداز نوٹس کیا تھا۔

"میں۔۔ میں کیوں؟ ملازم موجود ہیں اور ویسے بھی میرے ہاتھ میں سوتے ہوئے نجانے کیسے درد ہو گیا ہے۔۔۔"

پہلے بدک کر پھر بات سنبھالتے ہوئے انھوں نے خواہ مخواہ بائیں ہاتھ کو سہلایا تو عباسی صاحب سمجھنے کے انداز میں ہنسنے لگے۔

"واقعی میرے ہاتھ میں درد ہے۔۔۔"

ان کی ہنسی میں طنز کی آمیزش محسوس کرتے وہ آنکھ دکھا کر بولی۔

"ہاں میں نے کب منع کیا ہے۔۔۔؟"

وہ جھٹ اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔۔

"وہ تو میں کہہ رہا تھا بیگم! جب آپ کو سوئے سوئے ہاتھ میں درد ہو سکتا ہے، شاپنگ کرتے پارٹی وغیرہ میں لوگوں سے ملتے ملاتے ہوئے تھکن ہو سکتی ہے تو وہ بچی بھی انسان ہی ہے، سارا دن آفس میں رہتی ہے، وہاں سے آنے کے

بعد بچے کو سنبھالتی ہے،اور وہ کوئی عام آفس ورکر نہیں ہے، سول انجینئر ہے وہ، آئے دن کنسٹرکشن سائٹ پر جانا ہوتا ہے، تھکن تو چھوڑیں، چھوٹی موٹی چوٹ لگنا بھی ان کے لیے روزمرہ کی بات ہے، لیکن پھر بھی وہ کسی سے احساس کرنے کی امید نہیں رکھتی،اور رہی بات گھر سنبھالنے کی تو جیسا کہ آپ نے کہا نوکروں نے گھر کا نظام سنبھال رکھا ہے،تو پھر شکوہ اسی بچی کے توجہ نہ دینے سے کیوں۔۔۔؟"

عباسی صاحب نے نہایت ہی سبھاؤ کے ساتھ آئینہ داری کی تھی۔

"تو کس نے کہا ہے اسے نوکری کرنے کے لیے ہمارے پاس کھانے کے لالے تھوڑی پڑے ہیں۔ چھوڑ دے نوکری اور رہے وہ بھی ہماری طرح۔۔۔"

وہ چیخ کر بولی تو جبران تاسف زدہ نظر ماں پر ڈال کر انس کو لیکر اٹھ گیا تھا۔

novel by j nikhat

تم بھی یار اکمال کرتے ہو

اُلفت میں انا کا خیال کرتے ہو

روک کر مجھے میرے ماضی میں

یوں حال میرا بد حال کرتے ہو

ویران کر کے جا کر میری دنیا کو

دل میں میرے دھمال کرتے ہو

ترک الفت کے بعد بھی یارا !

دل کو مرے استعمال کرتے ہو!

"آج تک بس انٹرنیٹ پر جبران عباسی کے مینشن کے چرچے سنے تھے آج دیکھا تو حقیقتاً آنکھیں چوندھیا گئی ہے، بندے نے تو دوسرا تاج محل کھڑا کیا ہے یار۔۔۔"!

یہ پانچویں مرتبہ تھا جب سدرہ اسی شوخ و اشتیاق سے عباسی مینشن کی شان میں رطب اللسان ہوئی تھی۔

" تو کیا خیال ہے، پہلے تمہارا پچھلے یارڈ میں مقبرہ بنواؤ یا اٹلی سے ان آرکٹکٹ کو منگوا کر ان کے ہاتھ کٹواؤ۔۔۔؟"

زرناب نے جس سنجیدگی سے بھویں سکیڑ کر پوچھا تھا سدرہ کے حلق میں موجود کول ڈرنک برف کا گولہ بنا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔

"کس قدر خطرناک عورت ہو تم، تمھارا ذرا دل نہیں کانپا اتنی دہشت ناک بات کرتے ہوئے۔۔۔؟"

مسلسل کھانسنے کی وجہ سے سدرہ کی سرخ آنکھوں سے ہنوز پانی بہہ رہا تھا۔

"اس میں دل کانپنے جیسی کیا بات ہے؟ تاج محل سے وابستہ حقیقت ہے یہ، وہی تاج محل جس سے تم احمق لڑکیاں شدید متاثر ہو 'امر محبت کی اجر نشانی ہے' جو ایک بادشاہ نے اپنی ملکہ سے کی تھی، ہر تیسری دوشیزہ کے لبوں پر جس کے لیے 'کاش! 'ٹھہر ہوا ہے۔۔۔"

اس کے اندر یا تو لطیف جذبات ہی نہیں تھے یا پھر لوگوں کے جذبات کو تیلی لگا کر سلگانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا سدرہ اس کے تمسخرانہ انداز پر کلس کر رہ گئی تھی۔

"ہاں تو غلط کیا ہے امر پریم کی اجر نشانی ہے تاج محل، یہ میں نہیں ایک زمانہ مانتا ہے، لیکن تمہاری سمجھ نہیں آئی گی، کیونکہ تم تو ازلی ان رومانٹک اور خشک

مزاج جمع بدذوق لڑکی ہو، اور ایک بات تاج محل میں جس کا مقبرہ ہے وہ شاہ جہاں کی بیگم تھی، اس لحاظ سے تمہارا مقبرہ بننا چاہئے بیک یارڈ میں۔۔۔"

سدرہ نے بھی تنک کر جواب دیا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہانیوں میں زندہ رہنے کا، میں زندہ خوش ہوں۔۔۔"

اس نے شانے سے گرد جھاڑ تھی۔

"ویسے زرناب میں کیا سوچ رہی تھی؟"

توقف سے سدرہ کی سوچ میں ڈوبی ہوئی گمبھیر آواز ابھری۔ پر زرناب نے کوئی ردعمل نہیں دیا تھا۔

"بندہ تھوڑا سا بناوٹی تجسس کا اظہار ہی کر دیتا ہے۔۔۔"

اس کے ٹھنڈے ردعمل پر سدرہ بدمزہ ہوئی تھی۔

"بندہ ایسا تب کرے جب یقین ہو کہ سامنے والا آپ کے رسپونس نہیں کرنے پر نہیں بولے گا۔۔۔"

اس کے ٹھہرے ہوئے انداز میں بلا کی بے نیازی تھی۔

"حد بے مروت ہو، اللہ ہی پوچھے گا تم سے۔۔"!!

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

سدرہ کا من کا ہاتھ میں موجود کولڈ ڈرنک، اس کولڈ ڈرنک سے بھی ٹھنڈی لڑکی کے سر پر دے مارے۔ پھر زہر کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

"یار! میں سوچ رہی تھی۔۔"

اس نے سنبھل کر نگاہ اس کے چہرے کی جانب اٹھائی پھر نیچی آواز میں جملہ مکمل کرتے بولی۔

"اگر جبران عباسی کو تم سے محبت ہو گئی تو۔۔۔؟"

سدرہ نے کھوجتی نظریں اس کے چہرے پر گاڑے جملہ مکمل کیا تھا۔

"تو۔۔۔؟"

کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے اس نے الٹا ہی پوچھا تو پل بھر کے لیے سدرہ گڑبڑائی تھی، اس کا خیال تھا زرناب کا ردعمل شدید ہو گا، پر اس کا ردعمل تو عجیب سمجھ سے پڑے تھا۔

"تو۔۔ تم کیا کرو گی۔۔۔؟"

"تمہارے خیال میں میں کیا کروں گی؟"

اس نے پھر الٹا سوال ہی داغا تو سدرہ جھنجلا اٹھی۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو، کبھی ایسا ہو گا تم بنا تیر کے بدلے تیر مارے نشانہ قطع کر دو۔۔۔"

وہ برا منانے کے لیے پلیٹ اٹھا کر منہ میں احتجاجاً چپس ٹھونسنے لگی تو زرناب لب چباتی ہوئی سامنے کو جھک کر آئی۔

"تو میں اس موقع کا فائدہ اٹھاؤں گی۔اور اس شخص کو وہیں زخم دوں گی، جہاں زخم لے کر صدف اس دنیا سے چلی گئی، لیکن یہ حقیقی زندگی ہے یہاں معجزے۔۔۔۔"

اس کے بقیہ الفاظ انس کے رونے کی آواز پر لبوں پر دم توڑ گئے تھے وہ فوراً گلاس سامنے ٹیبل پر رکھتی اٹھ کر کھڑی ہوئی تبھی ڈور فریم میں انس کو اٹھائے جبران کا خوبرو چہرہ نظر آیا تھا۔

ساتھ ہی ہڑبڑا کر اٹھی سدرہ صاحبہ کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر قالین پر گرا تھی، پر شکر ہوا دبیز قالین نے بچت کر لی۔۔

"وہ انس ضد کر رہے تھے۔ سنبھل نہیں رہے تھے تو مجھے لگا یہ تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔۔۔"

سدرہ کی موجودگی کے خیال سے اس نے کچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ آمد کی وجہ واضح کی تھی۔

"اچھا جی! اتنی سی دیر میں ہمارا انس مام کو مس کرنے لگا تھا۔"

زرناب نے مسکراتے ہوئے انس کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ برسوں کے بچھڑے ماں بیٹے کی طرح والہانہ انداز میں ماں سے لپٹا تھا لیکن اپنا کھلونا یعنی جبران کا فون مٹھی میں دبوچ کر۔

"اب آنکھیں چھوٹی بھی کرلو انسان ہی کو دیکھ رہی ہو۔"

انس کی پیٹھ سہلاتے دیدے اور منہ کھولے ہونق سی کھڑی سدرہ پر نظر پڑی تو زرناب نے دانت پیس کر ٹہوا دیا۔

"صرف انسان کو نہیں ایک انتہائی خوبصورت انسان کو دیکھ رہی ہوں، وہ بھی روبرو بامشکل دو ہاتھ کے فاصلے سے، جو کہ سکرین اور میگزین کے کوور دونوں سے کئی زیادہ ہینڈسم ہے۔۔۔"

سدرہ کا فیوز تو جبران کو روبرو دیکھ کر ہی اڑ چکا تھا اور اب محترمہ ایک عام سی فین گرل کی طرح بے یقینی کے ریکارڈ توڑتی ہوئی اپنی دوست کی پوزیشن کی ایسی کی تیسی کر رہی تھی جس نے آج تک جبران عباسی کو کسی کھاتے میں نہیں ڈالا تھا۔

"سدرہ! انسان بن جاؤ۔۔۔"

زرناب کا شدت سے من کیا لگائے اس کے کان نیچے ایک گھما کر۔ لیکن شائد اس وقت اس کا بھی اثر نہیں ہونا تھا اسی لیے وہ ہنوز ڈور فریم میں کھڑے جبران کی طرف مڑی تھی۔

"مزید کچھ چاہیے تھا تمھیں۔۔"

"ہاں"!

جبران نے اس کی تذبذب کیفیت سے محظوظ ہوتے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا؟"

زرناب نے بڑے ہی ضبط سے پوچھا تھا۔

"میرا فون انس کے ہاتھ میں ہے، اور ابھی میری ایک ضروری کال آنے والی ہے۔۔۔"

ایک تو اس کی آواز تھی ہی بھاری گونجدار سی، دوسرا زرناب کو لگا اس نے جان کر لہجے میں گمبھیر پن شامل کیا ہے بس اس کا خون جلانے کے لیے۔

دل ہی دل پیچ و تاب کھاتی ہوئی وہ انس کی طرف متوجہ ہوئی جو فون دینے کے لیے ذرا رضامند نہیں تھا۔

"انس نہیں کرو، ماما کا فون لے لو وہ دے دو، پلیز! میرا سمجھدار بچہ ہو نا آپ۔۔۔"

جبران کو جلد از جلد منظر سے ہٹانے کے لیے وہ منتوں پر اتر آئی تھی، لیکن انس نے بھی ضد کرنے کے لیے کمال غلط وقت کا چناؤ کیا تھا، اس کی نہ ہاں میں بدل ہی نہیں رہی تھی، پھر کافی تگ و دو کے بعد بلا آخر انس نے ہتھیار ڈالے تو وہ سکھ کی سانس لیتی ہوئی جبران کی طرف مڑی تھی۔

"یہ لو تمھارا فون۔۔۔ !"

"ہیلو مس! میں جبران، جبران عباسی۔۔۔"

فون تھامتے ہوئے اس نے انتہائی بردباری کے ساتھ یوں اپنا تعارف دیا تھا جیسے اسے تو کوئی جانتا ہی نہیں نا۔۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"ارے! آپ۔۔آپ کو بھلا تعارف کی کیا ضرورت ہے آپ کو تو ایک زمانہ جانتا ہے، ایک عالم دیوانہ ہے آپ کا اور میں تو۔۔"

"سدرہ"!!

زرناب نے دانتوں تلے نام چبا کر سدرہ کی اسٹیشن سے چھوٹی ٹرین کی طرح دوڑتی زبان کو بریک لگائی تھی۔ جس پر جبران نے ذرا سا گردن جھکا کر ہنسی چھپائی جو زرناب سے نہیں چھپ سکی تھی۔

"میسنا آدمی"!

اس کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔

جبکہ سدرہ صاحبہ بی بی بچی بنی اپنا تعارف دے رہی تھی۔

"جی میں سدرہ ہوں، سدرہ امین، زرناب کی دوست، نیکسٹ ویک میری ایگنیجمنٹ ہے تو میں اسی کا کارڈ دینے آئی تھی، آپ بھی آیئے گا زرناب لوگوں کے ساتھ، مجھے خوشی ہو گی۔۔۔"

چار سو وولٹ کے بلب کی طرح روشن چہرے کے ساتھ جھٹ پرس سے کارڈ برآمد کر کے اس نے جبران کی طرف بڑھائی، جسے مسکراتے ہوئے تھام کر اس

نے سر کو یوں تابعداری سے خم دیا تھا۔ جیسے اب منگنی کی ساری تیاری ہی موصوف اپنے مضبوط کندھوں پر اٹھائیں گے۔

"آپ لوگ انجوائے کیجیے۔۔۔"

زرناب کے تندور کی مانند سلگتے نقوش پر پر لطف نگاہ ڈال کر وہ مڑ گیا تھا۔

"اب بیٹھ بھی جاؤ حسن پرست لڑکی، مشکل میں مورچہ بدل لینے والے کی مثال آج ہی کی تاریخ کے لیے بنائی گئی تھی۔۔"!

سدرہ کو ہنوز کھڑا دیکھ زرناب نے کوفت سے ٹوکا تو وہ کب سے اٹکی سانس کو بحال کرتی دھپ سے صوفے پر گری۔

"افففف! اصل میں کتنا ہینڈسم ہے بندہ یار! بالکل تراشا ہوا اپولو کا مجسمہ، ڈراموں میں تو بندے کے حسن کا ایک کونا بھی نہیں دکھاتے وہ لوگ، میرے لیے تو ابھی تک پلکیں جھپکانا دشوار ہو رہا ہے، کیا 'اوُرا' ہے کیا 'پرسنالٹی کا دبدبہ' ہے، واللہ "!!

سدرہ ہنوز اس کی شخصیت کے سحر میں گرفتار اس کی شان میں رطب اللسان ہوئی تھی۔

جواباً زرناب نے کچھ کہنے کے بجائے جھر جھری لی تھی۔

"مجھے اب تو واقعی تمھارے حوصلے اور مضبوطِ قوت ارادی پر رشک آ رہا ہے، ایسی رعبدار شخصیت سے تم دو بدو ناصرف منہ ماری کرتی ہو بلکہ اسے کسی کھاتے میں بھی نہیں لاتی ہو۔۔۔"

سدرہ کے انداز میں تعجب و ستائش کا امتزاج تھا۔

"فضول مت بکو، کیا خاص ہے عام سی شکل و صورت ہے جو ہر تیسری گلی میں درجن کے حساب سے مل جائیں گی۔ چونکہ اس بندے کو خاص اہمیت مل گئی ہے لوگوں سے تو یہ منفرد لگ رہا ہے، اس سے اچھی شکل و صورت والے تو ہماری کنسٹرکشن سائٹ پر مل جائیں گے تمھیں، لیکن وہ چونکہ مزدور ہیں تو عوام کو ان میں کشش نظر نہیں آتی۔۔۔"

زرناب نے انتہائی بیزاریت کے ساتھ راجہ بھوج اور گنگو تیلی کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا تھا۔

"کچھ تو خدا کا خوف کرو لڑکی! مطلب ذرا دل کانپتا تمھارا ایسی بکواس کرتے ہوئے۔۔۔؟"

سدرہ نے دہل کر دل کے مقام پر ہاتھ یوں رکھا تھا مانو زرناب نے کوئی انہونی بات کر دی ہو۔

"خیر چھوڑو! تم یہ بتاؤ کیا واقعی تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا اس بندے کو دیکھ کر۔۔؟"

سدرہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔۔

"ہوتا ہے نا؟"

"کیا؟ "

"نفرت، شدید نفرت، اتنی کہ دل کرتا ہے۔۔۔"

سختی سے جبڑے بھینچتے وہ سیب کے ٹکڑے انس کے منہ میں ڈالنے لگی تو سدرہ لب بھینچ گئی۔

"اور ایک بات، ایک کارڈ انکل کو دے چکی ہو، دوسرا اس بندے کو تھمانے کی کیا تک بن رہی تھی۔۔"

یاد آنے پر زرناب نے گھور کر پوچھا تو وہ کھسیا کر ہنس پڑی۔

"یار بندہ سامنے آگیا تھا اچھا تھوڑی لگتا اگر نہیں دیتی تو،اور ویسے بھی خدا ناخواستہ بندہ چلا ہی آیا میری منگنی میں تو، سوچو، ذرا میری شان میں چار چاند لگ جائیں گے۔۔۔ "

اس کے آنکھوں میں چمک لیکر کہنے پر زرناب نے گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔

وہ شوٹنگ لوکیشن سے سیدھا اپنے آفس لوٹا تھا۔اس کا آفس اس کے لیے دوسرا گھر تھا جہاں اس کی ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ کمرہ، واش روم، کچن ،الغرض ہر وہ چیز جو عام گھروں میں ہوتی ہے، دستیاب تھی۔ کیوں کہ گزشتہ پانچ چھ سال سے گھر اس کے لیے سرائے بن گیا تھا اور آفس گھر، جہاں وہ اپنا پیشتر وقت گزارتا رہا تھا۔

"چیف"!

"ہوں"!

وہ بیڈ پر آنکھیں موندے آڑا تر چھا لیٹا ہوا تھا۔ وہی شوٹنگ والے کپڑے ہنوز پہن رکھے تھے تھکن اس کے ہر ہر انداز سے عیاں ہو رہی تھی۔

"چیف! میں نے آپ کے لیے ڈنر آرڈر کر دیا ہے نکال دیتا ہوں کھا کر سو جائیں، آج تھک بھی کافی گئے ہیں نا۔۔۔"

احمد کہتا ہوا اندر چلا آیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے احمد۔۔۔"

اس نے کسمندی سے کروٹ بدلی تھی۔

"پر چیف! بنا کھائے آپ کیسے سوئیں گے؟ آپ نے آج لنچ بھی نہیں کیا تھا، اوپر سے آج تھے بھی سارے مشقت والے سین، اسٹنٹ کیا ہے آپ نے، کھا کر پین کلر لے کر سوئیں گے تو صبح تک بہتر محسوس کریں گے، ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی، یہ ڈائریکٹر صاحب بھی الگ ہی خبطی آدمی ہیں، سارے مشکل شارٹ ایک ہی دن میں ترتیب دے دیا ہے، جیسے کرنے والا انسان نہیں روبوٹ ہو، لیکن یہ بھی سہی ہے کرسی پر بیٹھ کر مائک اٹھائے 'کٹ'، 'ایکشن'

کہنے میں اور خود بھاگ دوڑ کرنے میں فرق ہوتا ہے، میں آج ہی منیجر صاحب سے بات کر کے ان کی کان کھچائی۔۔۔"

کھانا نکالتے ہوئے احمد ڈائریکٹر صاحب پر کڑھ رہا تھا۔

"کتنا بولتے ہو یار تم؟ اتنی تھکن تو مجھے اسٹنٹ کر کے نہیں ہوئی جتنی تمھارا پیراگراف سن کر ہو رہی ہے۔۔۔"

وہ اٹھ کر بیٹھا تو احمد خفیف سے ہو گیا تھا۔

"آپ تو جانتے ہیں نا چیف! جب میں غصہ میں ہوتا ہوں میری زبان نہیں رکتی۔۔۔"

وہ بیچارگی سے ہونٹ لٹکا کر بولا تھا۔

"اب یہ شاہی دستر خوان کیوں بچھا دیا۔۔۔؟"

اس نے ٹی ٹیبل پر پھیلے لوازمات کی جن اشارہ کیا۔

"آپ کے لیے چیف! تھوڑا سا کھا لیں، پھر سو جانا ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔۔۔"

احمد فکر مندی سے بولا تو جبران کی تھکن زدہ آنکھیں ہولے سے مسکائی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

غمِ حیات نے آوارہ کردیا ہے ورنہ
تھی آرزو کہ ہر شام اپنے گھر لوٹیں!

گزشتہ کتنے سالوں سے یہ لڑکا ایسے ہی سرد و گرم، دیس ودیس میں اس کا کسی اپنے کی طرح خیال رکھ رہا تھا، بے شک یہ اس کا کام تھا، لیکن وہ کام کو کام نہیں اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرنے والے مشکل سے ملتے ہیں۔اور دوسری جانب اس کے اپنے تھے جو 'جبران عباسی' سے وابستہ ہونے پر شاداں وفرحاں دنیا کی نظر میں اس کے اپنے بنے پھرتے تھے۔
لیکن اس نام وشہرت کو کمانے کے لیے اسے درپیش مشکلات سے وہ قطعی لاتعلق تھے، انھیں تو خبر تک نہیں تھی وہ اس نام کو بنانے کے لیے کیسے کیسے حالات سے گزرا ہے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے ہنوز گزر رہا ہے۔

کامیابی کی بلندی پر پیر جمائے کھڑا رہنا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔خاص طور لیم لائٹ کی دنیا میں جہاں روشن ستارے سے ٹوٹا ہوا تارہ بننے کے لیے بس ذرا سی لاپرواہی ایک غلطی کافی ہوتی ہے۔

انھیں اس کا نام و شہرت مقصود تھا تو اس نے بھی اپنے آپ کو اپنی ذات کے صندوق میں قید کر کے ان سے فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔گھر تو وہ ہوتا ہے نا جہاں واپسی کا خیال ہی آدھی تھکن نچوڑ لے،لیکن اس نے تو اپنے گھر کے لیے کبھی ایسا محسوس ہی نہیں کیا تھا۔وہاں بھی جا کر نوکر چاکر کے رحم و کرم پر ہی جینا تھا لہٰذا وہ سکون سے آفس میں ہی قیام کرنے لگا تھا۔

پر یہ لڑکا بن کہے اس کی تھکن،اس کی پریشانیاں سمجھ کر اس کا خیال رکھتا تھا۔

"کیا ہوا چیف! آپ ٹھیک ہو؟نہیں تو آپ ایسا کرو پہلے ہاتھ لے لو،میں باتھ ٹب تیار کر دیتا ہوں۔۔۔"

احمد متفکر سا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے،میں گھر جا رہا ہوں،تم ایسا کرو یہ سب پیک کر کے خود بھی جلدی گھر چلے جاؤ،تمھاری اماں بھی انتظار کر رہی ہوگی نا۔۔"

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

سائیڈ سے فون اور والیٹ اٹھاتا ہوا وہ کھڑا ہوا تھا۔

"میری اماں تو روز ہی انتظار کرتی ہے چیف! لیکن سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ آپ کا انتظار کون کر رہی ہے۔۔۔؟"

احمد نے معنٰی خیزی سے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا تھا۔

"کیا مطلب ہوا؟"

اس نے نافہم تاثرات لیے احمد کو دیکھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں چیف! آج کل آپ کو گھر جانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی رہنے لگی ہے، آپ پابندی سے کسی دفتر سے واپس جانے کے انداز میں گھر کی راہ لے رہے ہو، ورنہ تو یہ آفس ہی آپ کا گھر بنا ہوا تھا اتنے سالوں سے۔؟"

احمد نے بھویں سکیڑ کر کھوجتے انداز میں پوچھا تھا۔

"کک۔۔ کیا بکواس ہے۔ اب میں اپنے گھر بھی نہیں جا سکتا؟"

جبران گڑ بڑایا تھا۔

"نہیں! نہیں! چیف جا سکتے ہو بالکل جا سکتے ہو، سو بار جا سکتے ہو، سو جان سے جا سکتے ہو، لیکن۔۔۔۔"

"کیا تفتیشات لگا رکھی ہے۔اب اسی شہر میں شوٹ ہے،اور آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر گھر رکھ کر گھر واپس نہیں جاؤں گا تو لوگ کیا سوچیں گے،خواہ مخواہ میڈیا تک بات پہنچ گئی تو بات کا پتنگر بنادیں گے،اور پریشانی تم لوگوں کو ہی ہو گی۔۔۔"

جبران الٹا اس پر چڑھ دوڑا تھا پھر اس کے مزید گہرائی میں اترنے سے پہلے ہی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"آپ بدل رہے ہو چیف! بلکہ آپ بدل گئے ہو۔۔۔!"

عقب سے ابھری احمد کی مسکراتی ہوئی پریقین آواز سماعت میں اتری تو اس کے اٹھتے قدم عین دہلیز پر منجمد ہوئے۔

"آپ مانو گے نہیں،لیکن بھابی اور پرنس کے آنے کے بعد سے آپ کے رویہ میں واضح تبدیلیاں نظر آرہی ہے،آپ چینج ہو رہے ہو،ایک 'ورک ہالک سپر اسٹار' سے ایک 'فیملی مین '

میں،پر یہ تبدیلی آپ کو سوٹ ہو رہی ہے۔۔۔"

احمد کے مستحکم لہجے سے تعجب خیز مسرت جھلک رہی تھی۔

"مجھ پر ریسرچ کرنے کے بجائے خود پر دھیان دو،اور فیملی مین کا اشارہ میری سمجھ آرہی ہے،اس لیے تمہاری شادی کی چھٹی ابھی سے اپرو سمجھو۔بس تاریخ بتا دینا۔۔"

پلٹ کر گھورتے ہوئے کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

باب قفس کھلا بھی تو ____ کچھ دیر کے لیے

جو قید میں نہیں تھے ___ رہا کر دیے گئے

novel by j nikhat

وہ عباسی مینشن میں داخل ہوا تو پورچ میں گاڑی کے قریب عباسی صاحب کے ساتھ زرناب محو گفتگو نظر آئی تھی غالباً ان کے بیچ کسی بات پر بحث ہو رہی تھی۔انس بھی پاس ہی ملازمہ کی گود میں موجود تھا۔

"خیریت ہے بابا؟ کہیں جا رہے ہیں آپ لوگ؟"

وہ گاڑی روک کر ان کے قریب آیا تھا۔زرناب کی تیاری تو چادر میں چھپی ہوئی تھی،البتہ انس کی تیاری دیکھ کر اس نے پوچھ لیا تھا۔

"ہاں! خیریت ہی ہے، وہ آج زرناب کی دوست سدرہ کی منگنی ہے تو بچی کو وہیں چھوڑنے جا رہا تھا۔۔۔"

عباسی صاحب نے بتایا۔

"اب؟"

اس نے کلائی موڑ کر گھڑی پر نظر ڈالتے واپس سے اس پر نظر ڈالی جس نے ایک اچٹی سی نگاہ کے بعد دوبارہ نظر غلط نہیں ڈالی تھی۔

"ہاں! نا، جانا تو جلدی ہی تھا بچی کو پر آج ہی انس صاحب کی ضد شروع ہو گئی تھی تو بچی لیٹ ہو گئی ہے، اور اب میں ڈنر کر کے دوائی لے چکا ہوں تو کہہ رہی ہے کہ خود چلی جائے گی، تم ہی بتاؤ، بچے کو لے کر ڈرائیور کیسے کرے گی یہ۔۔۔"!!

عباسی صاحب کے انداز میں یکدم ہی نامعلوم سی فکر اور بیچارگی سمٹی تو زرناب نے چونک کر انھیں دیکھا ابھی چند ساعت پہلے تک ان کی آواز ہشاش بشاش تھی جس سے اب نقاہت عیاں ہو رہی تھی۔

اس کے دماغ میں ان کا انداز بڑی زور سے کھٹکا تھا اور قبل اس کے کہ وہ اس خطرے کی گھنٹی کو پہچاننے کی تگ و دو کرتی وہ مزید بولے۔۔

"اور دیکھو، آج موقع پر گھر کے دونوں ڈرائیور کو لیکر تمہاری ماں اور صنوبر صبح سے باہر ہیں، اب بچی کو مجھے ہی چھوڑنا ہو گا۔۔۔"

منجھے ہوئے اداکار کے باپ ہونے کا سارا ثبوت انھیں آج ہی دینا تھا۔ زرناب ان کا مقصد اور اداکاری دیکھ کر عش عش کر اٹھی تھی۔

"انکل! آپ بالکل بھی پریشان نہیں ہوں، میں روزانہ ہی آفس جاتے اور آتے ہوئے انس کو اکیلے ہی ڈرائیو کرتی ہوں۔ مجھے عادت ہے، آپ انس کو فرنٹ سیٹ پر ڈالو پلیز۔۔۔"

زرناب زور دیکر کہتی گاڑی کی طرف بڑھی۔

"نہیں بیٹا! دن کی بات الگ ہے اور رات کی الگ، پھر بینکوٹ کا راستہ بھی مین روڈ سے ہو کر گزرے گا، میں بالکل آپ کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔۔"

عباسی صاحب نے قطعیت بھرے انداز میں ٹوکا۔

"میری گاڑی میں آجاؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔۔"

بلاآخر باپ کا اشارہ محترم کے پلے پڑ ہی گیا تھا۔عباسی صاحب نے شکر کا سانس خارج کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے،میں اپنے معاملات دیکھنے کے لیے کافی اور اہل بھی ہوں۔۔"

وہ قطعی انداز میں بولی تھی۔

"بیٹا!ضد نہیں کرو،گھر کا آدمی ہے اچھی بات ہے لے کر جا رہا ہے تو میں بھی بے فکر ہو کر سو پاؤں گا،ورنہ تو آپ کی فکر میں نیند ہی نہیں آئے گی مجھے۔۔"

عباسی صاحب لاچاری سے بولے۔

"آپ انس کو لے کر گاڑی میں چلو،تم بھی آجاؤ جلدی۔"

وہ ملازمہ کے ساتھ اسے بھی حکم دیتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا۔

جبکہ زرناب کمر پر دونوں ہاتھ جما کر عباسی صاحب کو چھوٹی چھوٹی آنکھیں کر کے گھورنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟"

وہ معصوم بنے تھے۔

"یہ جو آپ جوڑ توڑ کر رہے ہو نا آج کل ساری سمجھ آ رہی ہے میرے پروفیسر صاحب! لیکن میں بتاتی چلو، آپ علم کیمیاء کے جتنے بھی بڑے ماہر کیوں ناں ہوں، ان دو کیمیکل کو ملا کر کوئی اچھا فارمولا ایجاد کرنے کا خیال نکال دیں ذہن سے، کیونکہ ان کے قریب بھی آنے سے دھماکے ہوں گے۔۔۔ "

وہ اچھی طرح ان کی کوششیوں کا انجام انھیں سمجھاتی ہوئی دھپ دھپ کرتی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

novel by j nikhat

"آرام سے۔۔۔"

اس کے دھڑ سے دروازہ مارنے پر جبران نے ٹوکا تھا۔ جواباً زرناب نے گردن موڑ کر اپنی خون آشام نگاہ اس پر ڈالی۔

"کل ہی سروسنگ ہو کر آئی ہے گاڑی۔۔۔"

اسٹیرنگ گھماتے ہوئے اس نے 'تو میں کیا کروں' پوچھتی ہوئی درشت نگاہوں کا جواب دیا تھا۔

"تم انکار نہیں کر سکتے تھے انکل کو۔۔؟"

گاڑی عباسی مینشن سے باہر نکلی تو وہ مزید غصہ کا دھواں آزاد کرنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

"کس لیے۔۔؟"

اس نے نافہم نگاہ گھمائی تو زرناب کا سیروں خون جل کر راکھ ہوا تھا۔

ہزار برائیاں سہی اس شخص میں پر پیشہ بڑا ہی درست چنا تھا اس آدمی نے۔

"بتایا نہیں۔۔۔؟"

"دیکھو! تم زیادہ بنو مت میرے ساتھ، تمہاری ساری اداکاریاں میری سمجھ آتی ہیں اور انکل کی اداکاری تمہاری بھی خوب سمجھ آئی تھی، پھر انکار نہیں کر سکتے تھے بجائے ہیرو بننے کے۔۔۔"

اس نے خشونیت بھرے انداز میں چوٹ کرتے پوچھا تو لحظے بھر کے لیے اس کے جلے بھنے چہرے پر نظر ڈالتے جبران نے سیکنڈ کی ہزاریں ساعت میں پھوٹی ہنسی کی کرن کو چھپایا تھا اور ایسا کرتے اسے حقیقتاً اپنے بہترین اداکار ہونے پر فخر ہوا تھا۔

"دیکھو! تم کس بات پر غصہ کر رہی ہو میری کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ بابا کو دوائی لے کر فوراً سونے کی عادت ہے اور انھوں نے خود کہا تو میں انکار نہیں کر سکا، دیٹس ایٹ! باقی ہیرو بننے کے لیے میرے پاس درجن کے حساب سے پروجیکٹ موجود ہیں، اوورٹائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔۔۔"

نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ اس نے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

"ماشاءاللہ! نظر نہ لگے اس فکر کو، اچانک سے جبران صاحب کے اندر بابا کے لیے محبت جاگ گئی ہے۔ اتنے سال تک یہ محبت کہاں سوئی ہوئی تھی۔۔۔؟"

زرناب کا تن بدن اس کے پرسکون انداز پر بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا۔

"لسن! مجھے ایسے لہجے کی عادت نہیں ہے، پہلے بھی بتا چکا ہوں، پھر بتا رہا ہوں، تمہارا لہجہ برداشت کر جاتا ہوں کیوں کہ۔۔۔"

گاڑی کی سپیڈ کم کرتے وہ پورا کا پورا اس کی جانب گھوم کا کچھ کہتے کہتے لب بھینچ گیا تھا۔ جاذب خدوخال نجانے کس احساس سے طنطنا اٹھے تھے۔

"میرے مزاج پر بھی تمہاری موجودگی برداشت کرنا اتنا ہی گراں گزرتا ہے جبران عباسی، پھر بھی میں تمھیں برداشت کرتی ہوں تو وجہ انس ہے۔۔۔۔"

اس کے لہجے و نقوش میں ایسی نفرت بھری کاٹ اتر آئی تھی کہ جبران کے اعصاب لمحے بھر کے لیے منجمد ہو گئے تھے۔

اس لمحے ان حسین سیاہ آنکھوں میں اس نے اپنے وجود کو پورے قد سے نذر آتش ہوتے دیکھا تھا۔ اتنی نفرت اس قدر بیگانگی و بیزاریت، جبران عباسی کو اس ساعت اپنا وجود پانی کے بلبلے کی مانند بنتا اور تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"اس قدر نفرت زرناب جاوید؟"

برائے نام شناسائی ہونے کے باوجود اس کے لہجے سے درد و حیرت عیاں تھی۔ جواباً زرناب کے لبوں پر زخم خوردہ مگر تمسخرانہ مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

"میرے لیے تمھارے ساتھ ایک فضا میں سانس لینے کا تصور بھی نفرت آمیز تصور ہے جبران عباسی۔۔۔"

وہ تنفر بھرے انداز میں صاف گوئی سے بولی تھی۔

"کیوں؟"

جبران کے لبوں نے بے ارادہ ہی حرکت کی تھی۔

آج تک سیکڑوں لڑکیوں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اظہار محبت کیا تھا۔اپنا دل اپنی عزت نفس اتار کر اس کے قدموں میں بطور نذرانہ پیش کی تھی۔اس سے اک نظر التفات کی فریاد کی تھی، بھیک مانگی تھی۔

یہ پہلی لڑکی تھی جو اس سے آنکھیں چار کر کے اظہارِ نفرت کر رہی تھی۔اس درجہ ناگواریت، بیزاریت اور حقارت کے ساتھ۔

"کیوں کہ مجھے اس فضا سے صدف کے جلے ہوئے خوابوں کی بو آتی ہے، صدف کے ساتھ ہوئی حق تلفی یاد آتی ہے، تمھارے ساتھ تمھارے برابر کی سیٹ پر بیٹھنا بھی اس پاگل لڑکی کی زندگی کا ایک غیر حقیقی خواب تھا اور میں اس جگہ بیٹھی ہوں اور میرے لیے یہ سیٹ نہیں بلکہ لوہے کا تپتا ہوا تخت ہے جس کے نیچے کوئلے سلگ رہے ہیں۔۔۔"

اس نے ضبط سے جلتے ہوئے انداز میں بتایا تھا۔

وہ یہاں اس شخص کو پل پل صدف کے ساتھ ہوئی ناانصافیاں یاد دلانے آئی تھی،اس کی کوتاہیوں کا حساب لینے آئی تھی،اور وہ کوئی موقع ضرب لگانے کا جانے نہیں دے سکتی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

صدف کے ذکر پر جبران نے لب بھینچ کر گاڑی کی رفتار بڑھائی تو وہ تمسخرانہ ہنس دی۔

معاً انس جبران کے پاس جانے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگا تھا۔

کچھ ہی دن ہوئے تھے اسے جبران کے قریب ہوئے اور لوگوں سے بامشکل گھلنے ملنے والا انس اس کا عادی ہو گیا تھا۔ شائد اسے ہی خون کی کشش کہتے ہیں۔

اس کی گود سے عباسی صاحب یا کسی ملازمہ کے گود میں تک نہیں جانے والا انس جبران کو دیکھتے ہی اس کی جانب ہمکنے لگتا تھا۔

اس کی آواز کا تعاقب کرتے ہوئے خود ہی گھٹنوں کے بل اسے ڈھونڈنے نکل جاتا تھا۔

ابھی بھی زرناب نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ ضد پر اڑا ہوا مچل مچل کر جبران کی طرف جا رہا تھا۔

جبران نے مسکراتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال کر دوسرا اسے تھمایا کہ میں یہی ہوں۔

پرناجی، انس کو تو گود میں ہی بیٹھنا تھا وہ اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر اس کے بازو پر چڑھنے لگا تھا۔

"اسے دے دو مجھے۔۔"

گاڑی سلو کرتے وہ پوری طرح انس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"انھیں لے کر ڈرائیو کیسے کرو گے۔۔؟"

زرناب نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ وہ لوگ مین روڈ پر نکل آئے تھے اچھی خاصی ٹریفک تھی سامنے۔

"یہ ایسے بھی ڈرائیو نہیں کرنے دیں گے۔۔"

وہ نرمی سے بولا تھا۔

کچھ دیر پہلے کی تلخی کلامی کا شائبہ ان دونوں کے درمیان سے ایک انس کے درمیان میں آنے سے بالکل غائب ہو گئی تھا اب تھی تو بس ملائمت اور فکرو احساس۔

سائیڈ پر گاڑی روک کر جبران نے انس کو اچھی طرح گود میں بٹھایا تھا اور احتیاطاً ایک ہاتھ کا اس کے گرد حصار باندھا تھا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

ساتھ زرناب نے بھی اس کی جانب ذرا سا کھسکتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ حفظ ماتقدم کے تحت انس کے پیر پر رکھا تھا جو جبران کے بازو اور تھائیس کو مس ہو رہا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو چند ساعت قبل اس کے ساتھ ایک فضا میں سانس لینے کے تصور کو بھی قابل نفرت کہہ رہی تھی اور اب اس کے اس قدر قریب جھک آئی تھی کہ وہ باآسانی اس کی پرفیوم کی دل فریب مہک ہر سانس کے ساتھ اندر کھینچ رہا تھا۔

اس کے ملائم ہاتھوں کی نرماہٹ محسوس کر رہا تھا اس کے تیکھے خدوخال کی تراوٹ نگاہوں میں جذب کر پا رہا تھا۔

بینکویٹ کے قریب پہنچتے ہی پہلے جبران نے اپنے چہرے پر سیاہ رنگ کا ماسک چڑھایا تھا پھر انس کے خیال سے گاڑی بالکل انٹرنس تک لے کر گیا تھا۔

وہ انس اور اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی اتری تھی اور ناک کے سیدھے میں چلتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

لوگ کرائے کی گاڑی سے بھی اتریں تو پلٹ کر ایک بے ارادہ نظر ڈرائیور پر ڈالتے ہیں انسانی فطرت ہے، لیکن زرناب جاوید شائد فطرت سے بھی بغاوت کی جرات رکھتی تھی اپنے اندر۔

"زرناب جاوید"!

اس کی پشت اوجھل ہونے تک جبران کی نگاہ اس کے سراپے پر مرکوز رہی تھی۔

جبران عباسی جو کہتا تھا اسے ہر لڑکی کا چہرہ ایک جیسا نظر آتا ہے، وہ تفریق نہیں کر پاتا ہے اپنی مخالف صنف میں، کون حسین ہے، کون حسین تر ہے، کس کی دلکشی جان لیوا یا کس کی ہنسی قاتلانہ ہے، اسے سب یکساں لگتی تھیں اور نام تو وہ اکثر اپنے ساتھ مرکزی کردار ادا کر رہی اداکارہ کا بھی بھول جاتا تھا، غرض صنف مخالف کی کوئی بھی قسم آج تک اسے چونکا نہیں پائی تھی۔

پر اس لڑکی سے ہوئی پہلی ملاقات سے جبران عباسی کے ذہن میں نقش ہو گئی تھی اور نام حفظ۔

"جبران" !

عباسی صاحب ہلکی سی دستک دے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"جی بابا۔۔۔؟"

بیڈ پر اسی حالت میں پڑا جبران ہڑ بڑا کر بیڈ سے نیچے کھڑا ہو گیا تھا۔

ہڑ بڑانے کی وجہ اپنے کمرے میں ان کی آمد تھی، اسے نہیں یاد پڑتا تھا آخری مرتبہ عباسی صاحب ایسے اس کے کمرے میں کب آئے تھے۔ شوبز سے منسلک ہونے کے بعد تو خیر ان کے بیچ ان دیکھی مگر مضبوط دیوار ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"وہ میں پوچھ رہا تھا بچی کو خیر سے چھوڑ تو آئے تھے نا۔۔۔؟"

"جی" !

اس نے مودبانہ انداز میں سر کو جنبش دیا تھا۔

"آپ بیٹھیے نا۔۔"

انھیں ہنوز کھڑا دیکھ وہ بولا۔

"نہیں بھئی ! میں سونے ہی جا رہا تھا کہ خیال آیا پوچھ لوں کہ لینے کب جاؤ گے، کوئی وقت بتایا ہے کیا زرناب نے؟"

"جی لینے؟"

جبران نے ہونق پن کا شکار ہوتے الٹا ہی سوال داغا تھا۔

"ہاں! برخوردار! بینکویٹ ہال ہے مقررہ وقت پر خالی کرنا ہوتا ہے، کوئی گھر تھوڑی ہے، جو آرام سے نیند پوری کر کے صبح بھی نکلیں تو، کوئی بات نہیں۔۔۔"

بیٹے کے الٹے سوال پر انھوں نے ذرا پروفیسر والے انداز میں خبر لی تھی جواباً

جبران لب چبانے لگا تھا۔

اب کیا ہی سناتا ان کی افلاطون کی جدامجد بچی کے کارنامے جو اس کی گاڑی کو پیٹھ دکھا کر یوں بھاگی تھی جیسے پلٹ کر دیکھے گی تو جبران جادو ٹونہ کر کے اسے پتھر کا بنا دے گا۔

"فاروق بھی میرے جیسا آدمی ہے، بچی کا خیال کر کے کھڑے کھڑے گیا تھا اور ملاقات کر کے لوٹ چکا ہے، البتہ بھابھی جی رکی ہوئی ہیں زرناب کے ساتھ تقریب میں، اب رات گئے دونوں چھوٹے بچے کو لے کر کہاں بھٹکیں گی۔ بچی کی تو گاڑی بھی پورچ میں کھڑی ہے۔۔۔"

ایک مرتبہ پھر عباسی صاحب اداکاری کے جوہر دکھاتے سیدھے سادے معاملے کو تشویشناک بنانے پر بضد ہوئے تھے۔ورنہ سوچنے والی بات تھی نا، سدرہ کے گھر والوں سے ان کے پرانے فیملی ٹرمز تھے، تو کیا وہ لوگ زرناب اور آسیہ بیگم کو ویسے ہی چھوڑ کر نکل جائیں گے؟

لیکن عباسی صاحب کو تو بیٹے کے اندر کے ذمہ دار مرد کو بیدار کرنا مقصود تھا نا۔

"وہ۔۔آپ۔۔آپ پریشان نہیں ہوں بابا، میں تھوڑی دیر سے جا کر لے آؤ گا۔۔۔"

وہ جھٹ ان کی بڑھتے بی پی کا خیال کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں! لے آنا، ایسا کرو کال کر کے وقت معلوم کرلو، تاکہ تمھیں بھی بے وجہ انتظار کی کوفت نہ اٹھانی پڑے، اچھا! میں چلتا ہوں پھر سونے۔۔۔"

وہ کہہ کر دروازے کی سمت بڑھ چکے تھے۔

پیچھے اپنے فون کی تاریک اسکرین پر نظر ڈالتے ہی جبران کے سامنے بڑا سا سوالیہ نشان پریشانی کی علامت بن کر کھڑا ہوا تھا کہ 'نمبر کہاں سے لائے؟'

اس نے ایک نظر فون تو دوسری کمرے سے نکل رہے عباسی صاحب پر ڈالی، پھر یہی حرکت سراسیمگی کے عالم میں ایک، دو، پھر تین مرتبہ دہرائی گئی، اور چوتھی مرتبہ زبان نے تنگ آکر حرکت کر دی۔

"بابا! وہ نمبر نہیں ہے میرے پاس، آپ نوٹ کروادیں۔۔۔"

"وہاٹ۔۔۔؟"

عباسی صاحب جھٹکا کھا کر بے یقین سے پورا کا پورا بیٹے کی طرف گھومے جوان کے رد عمل کی توقع کرتا ہوا ذرا سا گردن کے ساتھ نگاہ جھکا چکا تھا۔

"تین مہینے ہونے والے ہیں تمہاری شادی کو اور تمھارے پاس اپنی بیوی کا نمبر تک نہیں ہے، اللہ! آخر کس طرح ایسی اولاد پیدا کر لی میں نے۔۔۔؟ "

غیظ بھری نظر اپنے سپوت پر ڈالتے وہ تاسف سے بولے تھے۔

"میں اس وقت پروسیسنگ پر تھا تو کیا ہی کہہ سکتا ہوں اس پر۔۔ "

اس کی بیچارگی بھری بڑبڑاہٹ قابل ستائش تھی۔

عباسی صاحب نے زبردست گھوری سے نوازتے ساتھ ہی اپنے جیب سے فون برآمد کیا تھا۔

"آفرین ہے تمھاری لاپرواہی پر! ایک عدد بیوی بچے والے ہو گئے ہو لیکن احساس ذمہ داری چھو کر نہیں گزری، یا یہ کام بھی تم اپنے اسسٹنٹ اور منیجر کے زریع کروانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

عباسی صاحب سہی تپے ہوئے تھے، جبران کی وہی پالیسی تھی چپ رہو، خوش رہو۔

"جبران! میں نے اسی دن سے تمھارے معاملات میں بولنے سے توبہ کرلی تھی، جس دن تم نے انجنیئرنگ مجھے بنا بتایے ڈراپ کر کے اپنا کریئر خود چن لیا تھا، لیکن باپ ہوں، تو خود کو روک نہیں پاتا اس لیے کہہ رہا ہوں، کی ہوئی غلطی دہراؤ مت، خطاکاری انسان کی فطرت میں ہے، پر اسی خطا کو دہرانا حماقت ہے۔۔۔۔"

نمبر اس کے فون پر بھیجتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولے تو جبران نے ان کا اشارہ سمجھ کر لب بھینچے تھے۔

"ایک ہیرا تم اپنی لاپرواہی کے نذر کر چکے ہو، خوش قسمت ہو دوسرا موقع ملا ہے، اس نایاب نگینے کو مت کھو دینا، ورنہ شہرت کی چکاچوند تو چاروں جانب

بکھری رہے گی، لیکن من آنگن میں سکون کا چراغ جلتا ہوا دیکھنے کو ترس جاؤ گی، باوفا، باحیا عورت مقدر سے ملتی ہے ایسے ہی نیک اور شریف بیوی کو نعمت و انعام نہیں کہا گیا ہے، اور ایک اہم چیز۔۔زرناب بیٹی صدف سے قطعی مختلف ہے، وہ تم کو صدف جتنی رعایت کبھی نہیں دیں گی، تضاد تم دونوں کے رشتے میں پہلے ہی پرانے رشتے کے ان گنت پیوند لگے ہیں، باپ ہونے کے ناتے اتنا ہی کہنا تھا باقی تم اپنی زندگی کے فیصلوں کو لے کر آزاد تو ہو ہی۔۔۔"

"میں خیال رکھوں گا بابا۔۔۔"

وہ جھکی نگاہوں کے ساتھ اتنا ہی بولا تھا۔عباسی صاحب اس کا شانا تھپتھپاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔

ہائے کیا دورِ زندگی گزرا

واقع ہو گئے کہانی سے!

وہ دونوں ہاتھ بالوں میں پھسا کر آنکھیں موندتا، طویل سانس کھینچ کر فضا کے سپرد کرتا ہوا، واپس سستانے کا ارادہ ترک کرتا ہوا واش روم میں فریش ہونے چل دیا تھا۔

novel by j nikhat

قریب آدھے گھنٹے تک سیر ہو کر نہانے کے بعد، جینز پر ہاف سلیو والا وائٹ ٹی شرٹ پہنتا، خود پر بے دریغ پرفیومز کا استعمال کرتا ہوا، وہ فون چابی وغیرہ اٹھا کر گیارہ بجے کے قریب انھیں لینے کے لیے نکلا تھا۔ بینکویٹ ہال عام طور پر ساڑھے بارہ بجے تک بند ہوتے تھے وہ راستے میں کسی ریسٹورنٹ سے ڈنر کر کے آرام سے وقت پر ہال پہنچے کا حساب کتاب لگاتا ہوا مسرور سا عباسی مینشن سے نکل گیا تھا۔

novel by j nikhat

تقریب خوبصورتی کے ساتھ تقریباً اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ مہمان سارے جا چکے تھے۔ نوجوان پارٹی نے مل کر طے کیا تھا کہ تھوڑا ٹھہر کر آرام سے جائیں گے۔ لٰہذا اب بس بہت قریبی لوگ بینکویٹ ہال میں بچے ہوئے تھے۔

سدرہ اپنے کزنز کے ساتھ اسٹیج پر شور شرابہ کرنے سیلفی لینے میں مصروف تھی۔

جبکہ زرناب سدرہ کے لاکھ اصرار کے باوجود اس ہلا گُلا میں شامل ہونے کے بجائے نیچے بیٹھی تھی، انس آسیہ بیگم کی گود میں سو رہا تھا۔

چونکہ عباسی صاحب کی منصوبہ بندی کے چکر میں وہ گاڑی لے کر آئی نہیں تھی، اور سدرہ کا چھوٹا بھائی انھیں ڈراپ کرنے والا تھا، جو اس وقت اسٹیج پر چڑھا سب کے ساتھ فوٹو کھچوا رہا تھا۔ لہٰذا وہ جمائیاں روکتی ہوئی بیٹھی تھی۔

"اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔۔"

دنیا کی کوئی آخری باتونی اور پر جوش دلہن پر ایک اکتاہٹ بھری نگاہ ڈال کر جمائی روکتی ہوئی وہ آرام دہ پوزیشن میں جا کر آنکھیں موند چکی تھی۔

ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے جب اس کے کانوں کے پردے سنسنی خیز چیخ کی آواز سے جھنجھنا اٹھے تھے۔ آنکھیں موندے ہی طویل سانس کھینچتے اس نے منہ پر ساڑھی کا پلو ڈالا تھا۔

جوش وولولہ کی آوازیں رفتہ رفتہ بڑھتی گئی تھی، پھر اس میں اس نے ایک واضح نام سنا تھا 'جبران عباسی '

"یہ آدمی خواہ مخواہ ہی میرے حواسوں پر سوار ہو رہا ہے۔۔"

وہ کوفت سے بڑبڑائی۔

"زرناب! اٹھو، دیکھو جبران بیٹا آئے ہیں شائد تمھیں ڈھونڈ رہے ہیں۔۔"

"ہیں۔۔۔؟"

آسیہ بیگم کے شانہ ہلانے پر وہ ہڑ بڑا کر اٹھ کر بیٹھی تھی ساتھ ہی ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو دیدے بے یقینی سے باہر کو اُبل پڑے تھے۔

سدرہ سمیت اس کے دس پندرہ کزنز کے جھرمٹ میں ماسک لگائے نمایاں نظر آرہا شخص جبران عباسی ہی تھا وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

اتنے میں وہاں موجود مرد وزن سارے جبران کے قریب شہد کی مکھی کی طرح جمع ہو گئے تھے۔

وہ کچھ سوچ کر واپس آرام سے اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔

"ارے! بیٹھ کیوں گئی جاؤ نا۔۔۔؟"

آسیہ بیگم نے ٹہوکا دیا تھا۔

"دیکھ نہیں رہی فین مومنٹ چل رہا ہے مجھ کباب میں ہڈی کا وہاں بھلا کیا کام۔۔۔؟"

وہ صاف پہلو بچا گئی تھی۔

آسیہ بیگم نے ایک تاسف زدہ نظر اس پر تو دوسری جبران پر ڈالی جسے سب اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے اسٹیج پر لے جا رہے تھے۔ماسک وہ چہرے سے اتار چکا تھا اب ہر کوئی اپنا فون اٹھائے الگ دھر ادھر تصویر لے رہا تھا اور کیمرہ مین الگ کام پر لگا ہوا تھا۔

لبوں سے مسکراہٹ چپکائے سب کے کیمرے کی طرف دیکھ رہے جبران کی نظر پرسکون گوشے میں بیٹھی اپنی درگت کا ٹانگ پر ٹانگ جمع کر لطف لے رہی بھاپ انجن پر پڑی تو اس نے آنکھوں سے بچاؤ کے لیے آنے کا اشارہ کیا لیکن وہ یوں بن گئی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو۔

پر برا ہوا اس وقت کا جب ان دونوں کی یہ آنکھوں کی تکرار سدرہ کی زیرک نگاہوں کی گرفت میں آئی تھی۔

"ایک سیکنڈ! ایک سیکنڈ "!

سدرہ نے اچانک سے اسٹیج کے بیچ میں آکر تالی بجا کر توجہ چاہی تو سب جہاں کے تہاں منجمد ہوئے۔

"ارے بھئی! کوئی یہ تو جان لوا تنے بڑے سُپر اسٹار صاحب کی یوں میری منگنی کی تقریب میں آمد ہوئی کس کے طفیل ہے۔اور اس سے پہلے کی سب کا شک مجھ پر جائے میں بتا دوں، اتنے اثر و ساکھ والی بندی نہیں ہوں میں۔۔۔"

زرناب پر شریر نگاہ جمائے سدرہ نے علی اعلان غداری کی تھی جس پر سب ہی کا دھیان اس اہم پہلو کی جانب گیا تھا۔

"بھئی! میرے بھی تعلقات کافی محدود ہیں۔۔۔"

سب کی نگاہ خود پر آئی تو ذیشان سدرہ کے منگیتر نے بھی ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"ارے! پریشان نہیں ہوں میں بتا دیتی ہوں، میں کس مرض کی دوا ہوں۔۔۔؟"

لبوں پر شرارتی مسکراہٹ سجائے اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کندھے اچکائے تو زرناب دانت پیستی ہوئی اپنی جگہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"اپنی وائف، یعنی میری بیسٹی زرناب صاحبہ اور ہمارے پرنس انس کو رسیو کرنے، ایم آرائٹ مسٹر جبران۔۔۔۔؟"

آنکھ کا کونا دبا کر زرناب کی خون خوار نگاہوں کی غیظ و غضب کو ہوا میں اڑاتے اس نے سب پر شادی مرگ طاری کیا تھا۔

"جی! اینڈ ایکسکیوزمی گائز، آپ لوگوں کی محبت کا شکریہ، پر اب ہمیں چلنا چاہیے۔۔۔"

سدرہ کا دل ہی دل شکریہ ادا کرتا ہوا جبران موقع غنیمت جان کر اسٹیج سے اترنے لگا کہ۔

اس کے اترنے سے پہلے ہی سب کھینچ کر زرناب کو اسٹیج پر لے آئے تھے۔اور پھر واپس وہی سلسلہ شروع ہوا تھا لیکن اب ہدف زرناب تھی جس کے ساتھ حیرانی کے ساتھ شکوہ شکایات بھی جاری تھے۔

"ایک نمبر کی چھپی رستم ہیں آپ زرناب آپی! ہمیں ذرا بھنک تک نہیں لگنے دی اور اتنا بڑا اسپر اسٹار ہضم کر لیا۔۔۔"

سدرہ کی کزن نے شکوہ کیا تھا۔

"یار حد ہے، کون سا میں نے خزانہ کھود لیا ہے اکیلے۔۔۔"

وہ بظاہر ہنس کر پر بیزاری سے بولی تھی۔

"پورے کے پورے جبران عباسی پر قبضہ کیے بیٹھی ہیں اور خیر! آپ پر جچتا بھی ہے۔۔۔"

اسی لڑکی نے نروٹھے پن سے شکوہ کیا تو اب کے زرناب نے چپ رہنے پر اکتفا کیا تھا۔

اس کے بعد سب جبران عباسی جیسے بڑے آسامی کو اپنے نام کر لینے پر اس پر رشک کرتے رہے وہ جلتی کڑھتی مگر مسکراتی رہی اور وہ 'میسنا آدمی' اس کے پہلو میں بڑے استحاق سے اس کے کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑا مسکراتا اس کی حالت سے محظوظ ہوتا رہا تھا۔

novel by j nikhat

قبل اس کے کہ زرناب کے ضبط کا پیمانہ جھلکتا سدرہ کے بابا نے آکر بینکوٹ ہال بند ہونے کا اعلان کرتے سب کو رفع دفع کیا تھا وہ سکھ کی سانس لیتی ہوئی اسٹیج سے اتر کر ناک کے سیدھے میں گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

جبران اس سے بھی پہلے جا کر گاڑی میں سوار ہوا تھا۔آسیہ بیگم بھی پچھلی سیٹ پر انس کو لے کر بیٹھ چکی تھیں۔

"سدرہ "!

فرنٹ ڈور کھولتے سامنے کھڑی گاڑی میں سوار ہو رہی سدرہ کو دیکھ زرناب کے خرافاتی ذہن میں اچانک ہی کچھ سمایا تو اس نے دروازہ چھوڑ کر آواز لگائی۔

"ہاں"!

وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہاری منگنی کے بابرکت موقع پر میں تمھیں ایک بات بتانا تو بھول ہی گئی۔۔؟"

اس کا انداز خوش اخلاقی کے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔سدرہ خوش گماں ہوئی تھی۔

"کونسی بات۔۔؟"

چٹکی میں بھاری لہنگا بھرتی ہوئی وہ بے صبروں کی طرح دوڑتی ہوئی قریب آئی تھی۔

"یہی کہ تم انتہائی کوئی واہیات عورت ہو۔۔ "

کان کے پاس جھک کر وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ڈیش عورت! کم از کم 'ڈیش' ہی کہہ دیتی۔میں اپنی مرضی کا کچھ بھی فل کر لیتی اس میں "

سدرہ جل اٹھی تھی،اس بندی سے خیر کی امید ہی عبث تھی۔

"اسی لیے تو ڈیش کا استعمال نہیں کیا۔۔"

اس نے ذرا اثر لیے بغیر شانے اچکائے۔

"بدذوق و بے مروت خاتون دلہن ہوں آج کی میں۔اسٹار آف دی شو،کم از کم اسی چیز کا خیال کرلو،تعریف کا ایک لفظ تو پھوٹا نہیں تمھارے منہ سے۔۔۔"

سدرہ نے منہ بناتے شکوہ کیا تھا۔

"شکر کرلو کے میں نے دلہن ہونے کا لحاظ کرہی لیا،ورنہ تمہاری حرکت تھی نہیں لحاظ کرنے والی۔۔"

وہ بے مروتی سے بولی تھی۔

"خیر چھوڑو! آج کے دن تمھیں سات خون معاف ہے، تمھاری وجہ سے میری منگنی کا فنکشن یادگار بن گیا ہے، میں سوچ ہی رہی تھی اسے یادگار کیسے بناؤ، پر اب کوئی نہیں بھولے گا، سولویو۔۔۔"

زور سے گلے لگاتے سدرہ نے بے باکانہ انداز میں اس کے گال کا بوسہ بھی لیا تھا۔

"کہیں پہلا قتل تمھارا ہی نہ ہو جائے۔۔۔"

اسے پرے کر کے گھورتی ہوئی وہ گاڑی میں سوار ہوئی تھی۔

جبران نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہنسی ضبط کی تھی۔ مطلب بھاپ انجن صاحبہ صرف اس کے لیے نہیں سبھی کے لیے ہی تیکھی مرچ تھی۔

novel by j nikhat

پورا راستہ خاموشی کے نذر ہوا تھا۔ مختصر کلمات کا جو تبادلہ ہوا تھا وہ آسیہ بیگم اور جبران کے مابین ہی ہوا تھا۔

آسیہ بیگم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آج گھر رک جاؤ کل اتوار ہی ہے، لہٰذا وہ فاروق منزل آتے ہی انس کو ان کی گود سے لے کر ناک کے سیدھے میں اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

انس کو بستر میں ڈال کر، دونوں کانوں کو جھمکوں سے آزاد کرتی، ساڑھی کو پن سے آزاد کرتی ہوئی وہ کچن کی طرف گرم پانی کرنے بڑھ گئی تھی۔

سدرہ کی بڑی منت سماجت کرنے پر اس نے بلڈ ریڈ رنگ کی جارجیٹ کی دیدہ زیب ساڑھی زیب تن کی تھی۔ پنوں سے آزاد ساڑھی کو کمر کے گرد کس کر لپیٹتی ہوئی کمر میں سرا اڑس کر، بالوں کا جیسے تیسے جوڑا بناتی ہوئی وہ کچن میں داخل ہو گئی تھی۔

novel by j nikhat

تھرماس لے کر وہ سُر میں گنگناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ تھرماس تپائی پر رکھ کر دروازے بند کرتے ہوئے اس کی گنگناہٹ مترنم آواز میں ڈھل کر کمرے کی خاموش فضا میں سحر پھونکنے لگی تھی۔

ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر

کہ دل ابھی بھرا نہیں

ابھی ابھی تو آئے ہو

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

بہار بن کے چھائے ہو

ہوا ذرا مہک تو لے

نظر ذرا بہک تو لے

یہ شام ڈھل تو لے ذرا

یہ دل سنبھل تو لے ذرا

اس کی طرز ادائیگی میں بلا کا ٹھہراؤ اور جذبات کا سبک اتار چڑھاؤ تھا، گویا ہر لفظ اس کے دل کی ایوانوں کو چھو کر لبوں سے آزاد ہو رہے ہوں۔

کھڑکی کے قریب کھڑا اجران جو آسیہ بیگم کے بے حد اصرار پر چار و ناچار رک گیا تھا اس آواز کی سحر میں گرفتار بے اختیار سامنے آیا تھا اور تبھی تھرماس اٹھا کر مڑی زرناب کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔

"تت۔۔۔تم۔۔تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔؟ آہ"!

"تت۔۔۔تم۔۔تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔؟ آہ"!

اور اگلی ہی ساعت مترنم آواز میں مدہوش فضا میں دل دہلاتی ہوئی چیخ گونجی تھی، اسے یہاں دیکھ کر نا صرف حواسوں نے ساتھ چھوڑا تھا بلکہ محترمہ نے تھرماس کو بھی اپنے پیروں پر چھوڑ دیا تھا۔

ارے سنبھل کر۔۔"

جبران ایک جست میں اس تک پہنچا تھا جو ایک ٹانگ اٹھائے اسی جگہ دیدے پھاڑے کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہو تم۔۔۔؟"

وہ تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے گولی مارو، پہلے تم یہ بتاؤ تم یہاں کیا کر رہے ہو وہ بھی میرے کمرے میں۔۔؟"

اس نے دانت کچکچا کر پوچھا تھا۔

"آنٹی نے ضد کی تو میں منع نہیں کر سکا۔۔"

تھرماس اٹھا کر سائیڈ پر رکھتے اس نے شرافت سے جواب دیا تھا۔

"آہا! ہا! ہا! اتنے ہی معصوم ہیں نا آپ جبران صاحب؟"

اس نے ہاتھ اٹھا کر چڑانے والے انداز میں تالی بجائی تھی۔اور اسی اثنا میں اس کے کمر کے گرد لپٹا پلو آزاد ہوا تھا۔لیکن محترمہ کو غصہ میں ہوش کہاں رہتا تھا۔

"بابا نے کہا تو بینکویٹ ہال تک ڈراپ کرنے چلے گئے، پھر دماغ میں سمائی تو لینے آ گئے، لوگوں نے کہا تو اسٹیج پر چڑھ گئے، اور اب میری ممی نے کہا تو آپ یہاں رک بھی گئے، اتنے ہی فرمانبردار ہیں نا آپ؟ایک کام کیوں نہیں کرتے آپ، فل ٹائم اداکار تو ہیں ہی، پارٹ ٹائم شرافت و سعادت مندی کا بزنس بھی چلا لیں۔یقین کریں بڑا پرافٹ ہو گا۔۔۔"

وہ تپے تپے انداز میں ہاتھ نچا نچا کر اس پر اپنی کھولن نکال رہی تھی اور جبران سینے پر بازو باندھے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

سرخ جارجیٹ کی ساڑھی اس کے دراز ہوش ربا سراپے پر غضب ڈھا رہی تھی، سڈول بازوں کو آستین بس کہنیوں تک چھپانے میں کامیاب تھے، تضاد پشت پر گھنے گھٹاؤں کی طرح لہراتے اس کی آبشار زلفیں، جو اس کے ادھر ادھر گردن ہلانے پر ناگن کی طرح بل کھا رہے تھیں، صراحی دار شفاف گردن میں پینڈنٹ چمک رہا تھا، غصہ سے قندھار تیکھے نقوش کو مٹے مٹے میک اپ نے

قاتلانہ بنادیا تھا،اس پر ستم تھا بڑی بڑی گھور سیاہ آنکھوں میں کاجل کی گہری دھار،اور مسکارے سے سنواری گئی پلکوں کی چلمن کا اٹھنا گرنا۔

اسیرِ شباب ہونا،

گرفتارِ طلسم ہونا،

مدہوش و مبہوت ہونا،

جبران عباسی کی گہری بھوری آنکھوں میں اتری استحاق بھری تراوٹ کی تشریح کے لیے مندرجہ بالا سارے شاعرانہ جملے پھیکے تھے،وہ تو بے خود سا دونوں پنکھڑیوں کی تکرار میں ہی کھویا تھا آواز تو اس کی سماعت میں پڑ ہی نہیں رہی تھی۔

"ہیلو! مسٹر شرافت عباسی! میں آپ سے مخاطب ہوں۔۔۔"

جواب میں مکمل خاموشی محسوس کر زرناب نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تھی۔

"میں اتنا بھی شریف نہیں ہوں۔۔"

اپنی بے خودی پر ہولے سے ہنستا ہوا وہ بھاری آواز میں بولا تھا پر نگاہ اس کے صندل سراپے سے نہیں ہٹائی تھی۔

"وہاٹ۔۔۔؟"

زرناب اس کے انداز پر چونکی تھی۔

"میں نے کہا، میں اتنا بھی شریف نہیں ہوں کہ مجھے شرافت عباسی نام رکھنا پڑے۔۔۔"

اس کے مسکراتے ہوئے لہجے میں کچھ تو ایسی بات تھی جس نے زرناب کو سٹپٹانے پر مجبور کیا تھا۔

اس کا دھیان فوراً اپنے حلیہ پر گیا تھا، بلاؤز کافی بڑا تھا لیکن پنز نکال دینے کی وجہ سے اور کپڑا اجار جیٹ ہونے کی وجہ سے جلد نظر آرہی تھی، تضاد کھلے بال اور پلو کا انداز۔۔ مطلب وہ ٹھیک ٹھاک بے تکلف حلیہ میں اس کے سامنے کھڑی بکواس کیے جارہی تھی۔

یکایک ہی فطری شرم وحیا نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ بوکھلاہٹ میں پلو کو چاروں طرف سے کھینچتے وہ سخت مشکل میں پڑی تھی۔

Zubi Novels Zone

"کیا ہوا؟ ہو گیا کوٹا فل یا اب بھی کچھ باقی ہے میں ہمہ تن گوش ہوں، کنٹینیو کرو تم۔۔۔"

اس کے پر حجاب انداز سے حظ اٹھاتے ہوئے جبران نے ایک قدم اس کی سمت اٹھایا تھا۔

"کک۔۔ کیا مطلب ہوا تمھارا، دیکھو میں ذرا دوسرے قسم کی لڑکی ہوں، مجھے ایسے بیہودہ انداز بالکل بھی پسند نہیں آتے، میرا دماغ سنک جاتا ہے۔ اپنا حسین چہرہ سلامت چاہیے تو مجھ سے فاصلے پر رہو۔۔۔"

اپنے حلیہ کے خیال نے اس قدر اس کے اوسان قطع کر دیے تھے کہ وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے میں وہ ازلی تیز طراری شامل نہیں کر پائی تھی۔

جبکہ جبران دیدہ دلیری سے قدم در قدم فاصلہ سمیٹتا ہوا ایک قدم کا فاصلہ رکھ کر رکا تھا۔ سراسیمہ سی پیچھے قدم لے رہی زرناب کی پشت دروازے سے لگی تو اس کی سانس حلق میں الجھی تھی۔۔

"مثلاً! میرے حسین چہرے کا کیا حشر ہو گا؟"

اس کی گمبھیر آواز جذبات سے بوجھل ہو رہی تھی۔زرناب کے لیے اگلی سانس کھینچنا دشوار ہوا تھا۔۔

"دد۔۔دیکھو، میں کہہ رہی ہوں اپنے قدم روک لو ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا۔۔۔؟"

ایک جست میں بچا ایک قدم کا فاصلہ سمیٹ کر وہ حاوی آیا تھا ساتھ پیچھے دروازے پر اپنے ہاتھ کا پنجا گاڑ کر اس کی فرار کی راہیں مسدود کی تھی۔

"جبران عباسی! میں کوئی دبو یا کمزور لڑکی نہیں ہوں، تمھارے دماغ میں جو بھی خرافات چل رہی ہے اسے وہیں روک دو، نہیں تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔۔۔"

اس کی گرم جھلساتی ہوئی سانسوں کے تھپڑ اپنے چہرے پر برداشت کرتی وہ دانت کچکچا کر بولی تھی۔لیکن لہجے سے باوجود ہزار کوشش کے بھی وہ بہادری وہ ہمت و جرات کے مظاہرے مفقود تھے۔

"مثلاً میرے دماغ میں کس قسم کی خرافات چل رہی ہے؟"

وہ چہرہ لیکر کچھ اور قریب جھک آیا تھا،اب بامشکل زرناب کے اور اس کے چہرے میں انچ دو انچ کا فاصلہ تھا۔

تضاد اس کے پر تپش لہجے میں موجزن شوخ و شریر معنیٰ خیزی۔

"جبران عبا۔۔۔"

اتھل پتھل دھڑکن و سانس کے ساتھ وہ غرانے لگی کہ وہ آنکھوں میں شرارت لیے کچھ اور قریب جھکا تو لب مقفل ہوئے۔

"ششش!!! بہت بولتی ہو زرناب جاوید اور باخدا انتہائی تیکھا بولتی ہو،اتنا کہ کچن کے قریب سے کچھ کہتی ہوئی گزر جاؤ تو کھانا کھانا محال ہو جائے۔۔۔"

کان کے قریب جھک کر گمبھیر سرگوشی اس نے کمال مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے کیا تھا۔

"تمھاری۔۔۔۔آہ"!!

مچل کر اس نے اپنے بچپن میں سیکھے کنگ فو کراٹے کا استعمال اس کے پیروں پر کرنا چاہا پر درد کی ناقابل برداشت ٹیس پیر کے ناخن سے اٹھی تو یاد آیا وہ پورے ایک لیٹر کا تھرماس وہاں گرا کر پہلے ہی اپنا پیر تڑوا چکی ہے۔

اس کا چند ساعت پہلے تک حیا کی سرخی سے گلال چہرہ اب تکلیف کی شدت سے دہک رہا تھا۔

"بہت صدف صدف کرتی ہو ناتم،اور کیا کہا تھا اس دن جو حق صدف کو نہیں ملا وہ تم خود پر حرام سمجھتی ہو، چلو آج تمھیں وہ حق دیتا ہوں جو صدف کو ملا تھا، جس کی خوبصورت نشانی ہمارے بیڈ پر پر سکون نیند سو رہا ہے۔۔۔"

مخمور لہجے میں بے باکی سمیٹے جبران نے جھک کر اپنے بازوں میں بھر کر اسے اونچا اٹھایا تھا۔

"جبران عباسی !تم واہیات آدمی،نیچے اتارو مجھے ورنہ میں جان لے لوں گی۔۔۔"

بری طرح اس کی آہنی بازو میں مچلتے ہوئے اس نے ہاتھ پیر مارے تھے،اس سے بھی نہ ہوا تو اندھا دھند تھپڑ اور مکے کی برسات اس کے فولادی پیٹھ پر کر دی، لیکن سب بے اثر گیا تھا۔

"جبران عباسی !تم ایک انتہائی درجے کے لعنتی انسان ہو تمھیں۔۔۔"

"ششش !!بچہ جاگ جائے گا۔۔۔"

اسے بیڈ پر ڈالتے اس کی چلتی زبان پر جبران نے اپنی مضبوط انگلی ثبت کرانس کی جانب اشارہ کیا جو آواز پر کسمسایا تھا۔۔

"میں کہہ رہی ہوں جبران عباسی، اگر تم نے میرے ساتھ ذرا سی بھی بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو میں تمھیں ایسا وائرل کروں گی کہ، دوبارہ کیمرے کا نام سن کر خوف آئے گا تمہیں۔۔۔"

پوری طرح اس کے مضبوط بازوں کے حصار میں قید ہو کر بھی اس لڑکی کی ہی ہمت تھی جو انگشت شہادت بلند کر کے اسے ہی دھمکا رہی تھی۔

"رسّی جل جائے گی پر بل نہیں جائے گا۔۔"

وہ چہرہ جھکا کر اس کی گیدڑ بھبھکی پر ہنس ہی سکتا تھا۔

"بہت معصوم ہو تم زرناب جاوید! خیر بتاؤ گھر میں کچن کدھر ہے۔۔؟"

اس کے گلرنگ چہرے کی تابناکیاں آنکھوں سے جذب کرتے ہوئے وہ اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتا پیچھے ہٹتا ہوا کھڑا ہوا تھا۔۔

"اب اس کا کیا کرو گے؟"

"تم بنا سوال کیے، بنا بگڑے، بنا مرچ چبائے، کچھ کر سکتی ہو؟"

اس کے چوٹ کرنے کے انداز پر سنبھل کر بیٹھتے، زرناب نے کچن کا راستہ سمجھایا تھا۔

وہ جیسے ہی کمرے سے نکلا وہ پہلی فرصت میں درد کی پرواہ کیے بغیر کپڑے بدلنے گئی تھی۔

وہ کپڑے بدل کر واپس آئی تو وہ آئس بیگ لیکر اس کا منتظر بیڈ پر بیٹھا نظر آیا تھا۔

"دیکھو! تم نا زیادہ ہیرو مت بنو، یہ جینٹل مین والی ایکٹنگ تمھارے ڈراموں میں چلتی ہو گی، کیوں کہ تمہاری ہیروئنز بیچاری دکھیاری ہیرو صاحب کے رحم و کرم پر پڑی سانس لینے کے لیے بھی اس پر انحصار کرتی ہے، بٹ ایم ڈفرنٹ! مجھے ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں روزانہ کے حساب سے لگتی ہے، اینڈ ای نو ہاؤ ٹو ڈیل و تھ دیم "!

قبل اس کے کہ وہ خود قریب آتا زرناب نے پہلے ہی مضبوط انداز میں باز رہنے کا تنبیہہ کیا تھا۔۔

"میرے ڈرامازکی فی میل لیڈ صرف بیچاری دکھیاری ہی نہیں انتہائی معصوم، کم گو اور خوش گفتار بھی ہوتی ہیں، اَن لائک۔۔"

اس کے دراز و متناسب سراپے پر اس نے بھرپور نظر اوپر سے نیچے تک ڈالی۔

"خیر! میں صرف یہ لے کر آیا تھا اپنی سروسیز آفر کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا، اور جن ڈراموں میں یہ سروسیز میں دیتا ہوں بقول تمھارے، وہاں میں لاکھوں میں چارج بھی کرتا ہوں، جبران عباسی ہوں میں، لوگ میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے بھی قیمت ادا کرتے ہیں۔۔ سو مناسب لگے تو آئسنگ کر لو، ورنہ ایک نگاہ بھی ڈال دو گی تو تمھاری نظروں کی تپش سے سوجن کو سیک لگ جائے گا۔۔۔"

بڑے ہی تسلی و بردباری کے ساتھ حساب چکتا کرتا آئس بیگ وہیں پر رکھ کر وہ بیڈ کی دوسری جانب جا کر دراز بھی ہو گیا تھا۔

"میسنا آدمی۔۔آہ "!!

دانت پیس کر بے دھیانی میں پیر پٹختی وہ کراہ اٹھی تھی۔

"چہ! چہ"!

دل جلانے کے لیے تاسف کا اظہار کرتا ہوا وہ کروٹ بدل چکا تھا۔ زرناب پیچ و تاب کھاتی ہی رہ گئی تھی۔

novel by j nikhat

صبح اس کی آنکھ اشتہار انگیز کھانوں کی خوشبو سے کھلی تھی۔آنکھ ملتے ہوئے وہ ایک نظر دونوں باپ بیٹے پر ڈال کر بیڈ سے اٹھی تھی۔

دونوں ویسے ہی پیٹ کے بل ایک دوسرے کی جانب منہ کیے محوِ خواب تھے، جسے دیکھ کر زرناب کا موڈ صبح ہی صبح خراب ہوا تھا۔

"مت سویا کریں اس میسنے آدمی کی طرح۔۔۔"

حسب عادت پکڑ کر اس نے انس کو کروٹ کے بل لٹایا تھا اور حسب سابق اس کے سیدھا ہونے سے پہلے ہی انس کچھ اور جبران کی جانب کھسک کر اسی انداز میں سو چکا تھا۔

وہ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی خوشبو کے تعاقب میں کچن میں داخل ہوئی تو وہاں صبح ہی صبح الگ ہی شاہی دعوت کی تیاری چل رہی تھی۔

"ممی! آپ نے مجھے بتایا نہیں، آپ نے آج سارے خاندان کی دعوت رکھی ہے۔۔؟"

"دھت! پاگل لڑکی، اتنے سے پکوان سے پورے خاندان کا کیا ہوگا، یہ سب تو جبران کے لیے بنایا ہے۔"

ہانڈیا میں چمچ چلاتے وہ ہنس پڑی تھی۔ صدف کے جانے کے بعد آج اس نے یوں آسیہ بیگم کو کھل کر ہنستے دیکھا تھا لیکن بجائے خوشی کا دورہ پڑنے کے اس پر حیرت کا حملہ ہوا تھا۔

"خدا کو مانیں! اتنا سب کچھ وہ اکیلا بندہ کھائے گا؟ ممی! مناسب لڑکی مل گئی تو ہم اس دعوت میں اپنے انس کی بات پکی کروا سکتے ہیں۔۔۔"

دیدے پھاڑ کر ساری چیزوں کو دیکھتی وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ بولی تھی۔

"بالکل ہی باؤلی ہو رہی ہو تم، جبران پہلی مرتبہ ہمارے گھر ٹھہرے ہیں، مجھے ان کی پسند ناپسند کا اندازہ نہیں ہے، تو دو چیزیں زیادہ بنا لی، اس میں ایسے آنکھیں پھیلانے والی کیا بات ہے، تم نانا نواسی کے کھانے کو لیکر سو سو نخرے ہوتے ہیں اسی لیے میں وہی چند ایک چیزیں بناتی ہوں، آج موقع ہاتھ آیا ہے تو کر لیا ذرا اہتمام۔۔۔"

وہ متبسم انداز میں سادگی لیے بولی تھی۔خوشی وانبساط ان کے ہر عمل سے عیاں ہو رہا تھا۔

"واللہ! کیا کہنے آپ کے مسز فاروق! ذرا اہتمام؟ آپ کے شاہانہ مزاج پر گراں نہ گزرے تو عرض کر دوں راجہ مہاراجاؤں کی عالی شان دعوت کا انتظام کیا ہے آپ نے خیر سے،یقین نہیں تو گن لیں چھپن بھوگ میں بس دو تین ڈیشیز ہی کم ہوں گے،اور وہ بندہ کوئی آسمان سے نہیں آیا ہے جو سچے موتی کھاتا رہا ہوگا، ہماری طرح ہی عام انسان ہے ہمارے جیسا ہی کچھ کھاتا ہے۔"

زرناب کے تو 'ذرا سا اہتمام' سر پر لگ کر تلوں پر بجھا تھا،باقی اپنی بھولی ممی کے اہتمام وارشادات نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔اس میں سے کتنی ہی چیزیں اس کا نیند سے بیدار ہوا ذہن پہچاننے سے قاصر تھا جو اس کی ممی نے فقط ایک بندے کی شان میں بنائی تھی۔

"چھوٹی بی بی! گھر کے داماد کے لیے کرنا پڑتا ہے،زمانے سے رواج چلا آرہا ہے اور پھر دولہے بھائی آئے بھی تو پہلی مرتبہ ہیں نا،ان کی شایان شان تو ہونا چاہیے ناسب۔۔۔"

ممی کی ہیلپ کروا رہی ملازمہ لجاجت سے بولی تھی۔

"شایان شان! خدانا خواستہ آپ کے دولہا بھائی امریکہ کے صدر لگے ہیں یا سعودیہ کے بادشاہ، اور یہ داماد۔۔۔"

وہ چمک ہی تو اٹھی تھی۔

"پروین! تم ذرا اسٹور روم سے جا کر نیا والا کراکری کا سیٹ نکال کر دھودو، پھر افرا تفری میں کام نہ خراب ہو جائے۔۔۔"

زرناب کے مزید اناپ شناپ بولنے سے پہلے ہی آسیہ بیگم نے ملازمہ کو منظر سے غائب کیا تھا۔

"اب ایسے دیدے پھاڑ کر دیکھنا بند کرو اور جا کر فریش ہو کر آجاؤ۔۔۔"

اسے کینہ توز نگاہوں سے سب کچھ گھورتا دیکھ انھوں نے ٹوکا تھا۔

"ممی! آپ کو اس شخص کے لیے اتنا تو کیا کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔"

اس کا چہرہ سپاٹ ہوا تھا۔

"زرناب! اول فول مت بولو تم، مہمان ہے وہ ہمارا، اس گھر کا داماد اور تمھارا شوہر، تمیز سے مخاطب کرو 'اس شخص' کیسا انداز ہے۔۔۔؟"

انھوں نے اس کی بات کو خاطر میں لائے بغیر ڈپٹ دیا تھا۔

"شوہر مائے فٹ! اسے شوہر مانتا کون۔۔۔۔"

"زرناب تمیز سے"!!

آسیہ بیگم نے درشت انداز میں ٹوکا تو وہ لب دبا گئی تھی۔

البتہ غصہ سے اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔

"شادی ہوئی ہے تمہاری مذاق نہیں ہے کوئی، میں آئندہ تمہارے منہ سے ایسے بیہودہ الفاظ نہ سنوں اپنے شوہر کیلئے، بہت برا پیش آؤں گی میں۔۔"

انھوں نے قطعیت سے سرزنش کیا تھا۔

"یار! کس مٹی کی بنی ہیں آپ، بھول گئی اس شخص کی ماضی کی۔۔۔"

اس نے بھپڑ کے جبران کے گناہ یاد دلانے چاہے پر آسیہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

"نہیں بھولی ہوں، پر میرے لیے یہ یادر کھنا زیادہ ضروری ہے کہ وہ میری بیٹی کا مستقبل ہے، میرے نواسے کا سائیاں ہے، اور یہی میں یادر کھنا چاہتی ہوں، اور تم سے بھی کہہ رہی ہوں یہ سچ ذہن نشین کر لو، ماضی میں جینے والے حال میں تو ناخوش رہتے ہی ہیں، مستقبل بھی ناآسودگیوں سے بھر لیتے ہیں۔۔"

جبران کے رویہ میں آئی لچک نے انھیں امید دلائی تھی.

وہ ایک جہاندیدہ خاتون تھی، زندگی کے نشیب و فراز دیکھے تھے انھوں نے، وہ دستک دیتی ہوئی خوش بختی کو ماضی کی بد بختی کے خوف میں گرفتار ہو کر ضائع نہیں جانے دے سکتی تھی۔

"لیکن نہ میں کچھ بھولی ہوں، نہ بھول سکتی ہوں۔۔"

وہ کہتی ہوئی تن فن کرتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

پھر ناشتے کی ٹیبل پر فاروق صاحب اور آسیہ بیگم کو اس شخص کے صدقے واری جاتا دیکھ کر کڑھتی ہوئی وہ ناشتہ تک ڈھنگ سے نہیں کر پائی تھی اور ویسے ہی خفا خفا سی عباسی مینشن کیلئے روانہ ہو گئی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

دونوں میاں بیوی نے آج کا دن ٹھہرنے کیلئے کم از کم لنچ تک رکنے کیلئے جبران کو بہت اصرار کیا تھا لیکن ضروری کام کا کہتے اس نے سبھاؤ سے انھیں منع کر دیا تھا۔

"ہاں! ملک کا نظم و ضبط تو انھیں عالی جاہ کے ناتواں کندھوں پر ہیں، میسنا آدمی نہ ہو تو۔"

وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔۔

novel by j nikhat

اک آگ تھی کہ جلتے رہے جس میں عمر بھر
اک درد تھا کہ جس میں خیانت کبھی نہ کی!

Zubi Novels Zone

شام وہ آفس سے آ کر لان میں ڈالی گئی کین کی کرسی پر بیٹھی تھی۔انس کو گیارواں مہینہ لگ چکا تھا، منہ میں خرگوش جیسے چار دانت تو پہلے ہی آ چکے تھے کچھ دنوں سے وہ اٹھ کر خود کھڑا ہوتے قدم بھی بڑھانے کی کوشش رہا تھا۔

ابھی بھی وہ ایک جست میں پورے لان کا چکر لگا لینے کا عزم لیے بار بار کوشش دہرا رہا تھا۔ عباسی صاحب اور زرناب وہیں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

معاً جبران کی گاڑی آکر پورچ میں رکی اور وہ عجلتاً گھر کے اندر گیا اور بامشکل دس منٹ کے اندر اس کی واپسی ویسے ہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہاتھ میں مختصر سا بیگ لیے ہوئی تھی۔

"جبران! خیریت ہے، کہیں جا رہے ہو تم۔۔۔؟"

عباسی صاحب سے صبر نہ ہوا تو انھوں نے ٹوک دیا تھا۔

جواباً وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا پھر بیگ لیے ہی ان کی جانب بڑھا۔

انس کی اس پر نظر پڑتے ہی وہ کھڑا ہونے کا ارادہ ترک کرتا اپنی زبان میں نجانے کیا کہتا ہوا پرجوش سا گھٹنوں کے بل اس کی جانب دوڑا تھا اس کے گھاس سے نیچے اترنے سے پہلے ہی جبران نے بیگ چھوڑ کر اسے گود میں اٹھایا تو وہ کامیابی پر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"میں آپ ہی کے پاس آرہا تھا نا، اس کے لیے اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔"

اس کے پرجوش چہرے پر مشفق نظر ڈالتے وہ بولا تو عباسی صاحب آسودگی سے مسکرا دیے تھے۔

اور انس کو یوں خوش دیکھ کر پہلی بار زرناب کے لبوں پر بھی لحظے بھر کے لیے مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

"کہیں جا رہے تھے تم؟"

وہ آکر خالی کین کی کرسی پر بیٹھا تو عباسی صاحب نے استفسار کیا تھا۔

"ہاں! دراصل ایک پروجیکٹ ایک ڈیڑھ سال سے اٹکا ہوا تھا، بیرون ملک شوٹنگ ہونی تھی پر لوکیشن کی پرمیشن اور اویلیبلٹی کا مسئلہ ہو رہا تھا، اب ہوا ہے تو وہیں کے لیے نکل رہا ہوں۔۔"

اس نے سرسری سے انداز میں بتایا۔

ساتھ وہ انس کے کبھی ناک، کبھی آنکھ، کبھی بال تو گال کھینچنے پر بڑے ہی آرام سے بچاؤ بھی کر رہا تھا۔ جواب آنکھیں پٹپٹاتا ہوا اس کے ملتے ہونٹوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک نتیجے پر پہنچ کر جبران کی تھائی پر پیر جما کر اسی کے شانے کا سہارا لیکر کھڑا ہوتے انس نے جبران کی ٹھوڑی پر اپنے چھوٹے سے نرم لب رکھے تو سبھی اس کی اس غیر متوقع حرکت پر لحظے بھر کیلئے ٹھٹھکے، جس پر وہ بھی سب کے رد عمل پر ذرا کنفیوز ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی پیاری سی حرکت پر جبران کا محظوظ کن قہقہہ پڑا تو وہ بھی تالی بجاتا ہوا کھلکھلانے لگا تھا۔ عباسی صاحب نے بھی خوش دلی سے ان کا ساتھ دیا تھا۔

اب لان تین جنریشن کے مشترکہ قہقہہ سے گونج رہا تھا بس زرناب ہی ہونق پن کا شکار ان کا پاگل پن دیکھ رہی تھی۔

"اچھا! پھر واپسی کب تک ہو گی؟"

ہنس ہنس کر آنکھوں میں جمع ہوا پانی صاف کرتے انھوں نے پوچھا تھا۔ ان کے سوال پر بس لمحے بھر کے لیے جبران کی پتلیوں میں عجب سا گدلا رنگ اترا تھا آج

تک اسے کسی نے نہیں پوچھا تھا کب آؤ گے، کم از کم عباسی صاحب نے تو کبھی نہیں، بلکہ وہ کسی کو بتاتا ہی نہیں تھا اپنے آنے جانے کا۔

بظاہر جو چیزیں ہمیں بے معنٰی لگتی ہے جب دستیاب نہ ہو تو وہی انمول معلوم ہوتی ہے۔

"بیس سے پچیس دن کا دورہ تو ہے، باقی وہاں کے موسم اور درپیش حالات کے حساب سے شیڈیول اُوپر نیچے ہو سکتا ہے۔"

وہ سنبھل کر بولا تھا۔

"ہمم!! چلو خیر سے جاؤ، میں ذرا اندر جا رہا ہوں، تمھارے لیے کافی بھجواتا ہوں۔۔"

وہ قصداً انھیں تنہائی فراہم کرنے کے لیے منظر سے ہٹ گئے تھے۔

ان کے وہاں سے جاتے ہی زرناب نے جھک کر ٹیبل سے اپنا فون اٹھالیا تھا۔ جبکہ جبران انس کی اپنی ایجاد کردہ زبان سمجھنے کی پوری توجہ کے ساتھ کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ گاہے بگاہے نگاہ اس بے نیاز وجود پر بھی اٹھ جاتی تھی جو اس سے قطعی لاتعلق تھی۔

کیوں آئیں بائیں شائیں کرُو اس سوال پر؟

ہاں میں فریفتہ ہُوں ترے خدّو خال پر

اسے حقیقتاً خود پر حیرت ہو رہی تھی، وہ جو دنیا کے تقریباً سارے ہی لاثانی حسن و رعنائی کے لیے مشہور ممالک گھوم چکا تھا، ایک سے ایک حسین چہرہ دیکھ چکا تھا۔ جن پر اس نے ایک کے بعد دوسری نظر ڈالنے کی زحمت کبھی نہیں اٹھائی تھی۔ وہ اس بے نیازی کی خول میں سرد و سپاٹ تاثرات لیے مقید لڑکی کی طرف بار بار بلکہ ہر بار متوجہ کیسے ہو جاتا تھا۔

آخر ایسی کیا کشش تھی اس لڑکی میں جس نے اس بنجارہ جبران عباسی کو گھر کا راستہ سمجھا دیا تھا۔۔؟

وہ خود سے اتنے عرصے میں کئی بار الجھ چکا تھا۔

ملازمہ کافی لیکر آگئی تھی، اس نے کافی ختم بھی کر لی تھی لیکن زرناب کی لاتعلقی پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

"اب مجھے چلنا ہو گا۔۔۔"

گھڑی پر نظر ڈالتا وہ انس سے کہتا ہوا اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ جس پر بادل ناخواستہ زرناب کی نگاہ اٹھی تھی۔

پر اس کی تمام تر توجہ انس پر مرکوز تھی۔

"ابھی مجھے جانے دیں، واپس آکر آپ کے پاسپورٹ کی کارروائی شروع کرواتے ہیں، تاکہ آئندہ جب جائیں تو آپ کو ساتھ لے جائیں، بلکہ سب ساتھ چلیں گے، ٹھیک ہے، ابھی آپ اپنی مام کے پاس جاؤ۔۔"

بڑے بچوں کو سمجھانے کے انداز میں انس سے کہتے

'سب ساتھ چلیں گے' والی لائن پر زرناب کو لگا خصوصاً اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔ پر اس کے نگاہ اٹھانے تک وہ انس کی جانب متوجہ ملا تھا۔

"اسے لے لو۔۔۔"

"ہمم"!

اس کے انس کو بڑھانے پر زرناب کو فاصلہ سمیٹ کر اس کے قریب جانا پڑا تھا۔

"ای وِل مس یو"!

زرناب نے جیسے ہی انس کو اپنی گود میں لیا اس نے جھک کر انس کے گال کا بوسہ لیتے گمبھیر لہجے میں کہا تو زرناب نے چونک کر اسے دیکھا جو مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ سر جھٹکتی ہوئی واپس اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔

گھر میں کوئی بنا کسی غرض، بغیر آپ سے کسی چیز کی امید رکھے، فقط آپ کا منتظر ہو تو، دہلیز عبور کرنا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے، پورچ سے گاڑی نکالتے ہوئے ہنوز خود کو آنکھوں میں معصومیت لیے دیکھ رہے انس کو دیکھ کر بھاری ہوئے دل نے شدت سے آج جبران کو اس انوکھے احساس سے متعارف کروایا تھا۔

جبران کو گئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھے۔

اس کے جانے کے دوسرے یا تیسرے دن کی بات تھی جب عباسی صاحب کی آواز پر انس کو بے چینی سے ادھر ادھر نگاہ دوڑانے کے بعد مایوسی سے ہونٹ

لٹکا کر رونے کی تیاری پکڑتا دیکھ عباسی صاحب نے کچھ سوچ کر جبران کو کال ملائی تھی۔اوران کا شک بالکل درست ثابت ہوا تھا وہ ان کی آواز کو جبران کی آواز سمجھ کر اسے ڈھونڈ رہا تھا اور جیسے ہی اسکرین پر اسے جبران کا چہرہ نظر آیا وہ خوشی سے قلقاریاں مارنے لگا تھا۔

اس کے بعد سے پھر یوں ہوا تھا کہ ایک دو دن میں جبران خود کال ملا کر انس سے بات کرنے لگا تھا۔نیو یارک اور یہاں کے وقت میں فرق تھا تو وہ اس حساب سے وقت نکال کر کال کرتا تھا۔

ابھی بھی عباسی صاحب کے فون پر کال آئی تو ملازمہ انس کو لینے اس کے کمرے میں آئی تھی، لیکن انس صاحب چونکہ مرضی کے مالک تھے لٰہذا ملازمہ کے پاس جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

مجبوراًاُسے خود انس کو لیکر ان کے پاس جانا پڑا تھا۔

انس جبران کی آواز سنتے ہی فون پر قبضہ جما چکا تھا وہ ایک مطمئن نظر اس پر ڈال کر واپسی کیلئے مڑ گئی تھی۔

"شکریہ بیٹا"!

وہ بس دہلیز عبور کرنے کو تھی کہ عباسی صاحب کی گداز آواز پر متحیر سی مڑی۔وہ لبوں پر نرم سی مسکراہٹ لیے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"آج سے کچھ پانچ چھ ماہ قبل، جب آپ نے طیش کے عالم میں اپنی شرط میرے سامنے رکھی تھی، اور میں نے بنا سوچے سمجھے آپ کی حمایت کی تھی، سچ کہوں تو میں نے بالکل بھی اچھی توقع رکھ کر حامی نہیں بھری تھی۔ حتیٰ کے عباسی مینشن میں آپ کی شرط سب کو بتاتے ہوئے بھی میری بس یہی کوشش تھی کہ کسی طرح زینت اپنی ضد چھوڑ دے اور انس اپنے ننھیال کے بھرپور ماحول میں پروان چڑھے، لیکن آج جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو دل سرشاری سے بھر جاتا ہے، بیٹے کے ملنے کی وہ امید جو سات سال پہلے چھوڑ دی تھی، اب تو وہ بھی از سر نو جاگ رہی ہے، اب تو لگ رہا ہے انس کو باپ کے ساتھ اس باپ کو بھی اس کا بیٹا واپس مل جائے گا۔۔۔"

مڑ کر انس پر آسودہ نظر ڈالتے ان کا چہرہ شدتِ جذبات سے تمتما رہا تھا، لہجہ بھی بھاری سا ہو رہا تھا مگر خوشی سے۔۔

لیکن زرناب کو سمجھ نہیں آئی وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہے ہیں، لیکن دوسرے ہی پل تشکر بھرے انداز میں انھوں نے مقصد واضح کیا تھا۔

"اور اس ناممکن کو ممکن آپ نے کیا ہے بیٹا! آپ کا فیصلہ، آپ کی ہمت، آپ کا حوصلہ، آپ کی ثابت قدمی، آپ کے اٹل ارادوں نے ثابت کیا ہے کہ عورت اگر ٹھان لے تو حکم باری تعالیٰ سے ریگستان میں زم زم کا چشمہ بھی پھوٹ سکتا ہے، جہاں آج کل کی لڑکیاں ذرا سی کسی کی ازدواجی زندگی میں ناچاکی دیکھ کر سہم جاتی ہیں، خوف زدہ ہو جاتی ہیں، وہاں آپ نے ایک اپنے رشتے کو نبھانے میں ہر اعتبار سے ناکام ہوئے انسان کو اپنانے کا فیصلہ کیا اور۔۔۔"

"انکل پلیز۔۔۔"

ممنونانہ انداز میں وہ مزید کچھ کہتے کہ اس نے ٹوک دیا تھا۔

"انکل! میں نے یہ فیصلہ خالصتاً انس کی وجہ سے کیا ہے، آپ اچھی واقف ہیں اس سے، ورنہ آپ کا بیٹا دنیا کا آخری شخص بھی ہوتا تو میں اس کا انتخاب نہیں کرتی، اور ابھی بھی میں اس شخص سے اتنی ہی توقع رکھتی ہوں کہ وہ انس کے

فرائض میں کوتاہی نہ برتے، اس کی جانب سے غافل نہ ہو، دنیا کے لیے وہ سپر اسٹار بنے یا سپر مین، انس کے لیے وہ ایک عام سا باپ ہو، بس!۔۔"

بنا لگی لپٹی کے اس نے اپنے کو موقف صاف کیا تھا۔

"اور اگر وہ شخص آپ کی جانب لوٹ رہا ہے تو اس کے لیے آپ کو اس کا مشکور ہونے کی نہیں، بلکہ اسے اپنی کوتاہیوں پر شرمندہ ہونے کی ضرورت ہے۔۔۔"

وہ کبیدگی سے مزید بولی تھی۔

"بیٹا! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، اور رشتوں میں خلیج آتی ہے تو وجہ کوئی ایک ہرگز نہیں ہوتا ہے۔۔۔"

ان کے لہجے سے زیاں و ملال کا احساس آسیب کی طرح لپٹا تھا۔

زرناب اک نظر ان کے آزردہ نقوش پر ڈال کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

novel by j nikhat

مجھے خبر ہے کہ تُو مجھ سے بے خبر نہیں ہے

اسی لیے تو مجھے راستوں کا ڈر نہیں ہے

ترے بغیر مرے دن گزر نہیں رہے ہیں

تُو جانتا ہے؟ مری رات مختصر نہیں ہے

میں اُس کے دل میں اسی ڈر کے ساتھ رہتا ہوں

یہ میرا گھر ہے مگر میرے نام پر نہیں ہے!!

انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو سمجھنا قدیم مصری نجومیوں کی پیشن گوئیوں پر یقین کرنے سے بھی کئی زیادہ مشکل ہے،

کتنے مواقعہ نہیں ہوتے ہیں، جب انسان کا اچانک ہی خود سے اختیار اٹھ جاتا ہے، وہ شدت سے فرار چاہتا ہے۔

کسی جگہ سے، کسی کیفیت سے، کسی شخص سے، کسی یاد سے، درپیش حالات سے، حتیٰ کہ زندگی سے بھی، وہ خود نہیں جانتا اسے بھاگ کر جانا کہاں ہے، بس وہ بھاگ جانا چاہتا ہے، دور، بس بہت دور، جہاں دل پر سکون ہو جائے، بنجر روح تر ہو جائے، منتشر ذہن تھم جائے، رگ وپے میں دوڑتی بے چینیوں کو قرار آجائے۔

اور ایک اسی کیفیت کا دوسرا پہلو ہوتا ہے۔

جب انسان کا دل اٹھ جاتا ہے، اوب جاتا ہے، بیزار ہو جاتا ہے، بے چین، بے قرار و بے کل ہو جاتا ہے، بس کسی بھی طرح وہ اڑ کر اس جگہ پہنچ جانا چاہتا جہاں اسے معلوم ہوتا ہے، اس کا سکون، اس کا قرار، اس کی بے چینی و بے کلی راحت و سکون میں بدل جائے گی۔

یہ کیفیت اس قدر شدت آور ہوتی ہے کہ انسان کا خود سے اختیار اٹھ جاتا ہے، بس نہیں چلتا اسے پنکھ لگے اور وہ اڑتا ہوا مطلوبہ جگہ پہنچ جائے، یا کوئی جادو ہو اور پلک جھپکتے وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔۔

کچھ ایسی ہی ناقابل بیان کیفیت تھی جبران کی بھی، وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا کیوں کہ اس سے قبل اس کیفیت سے اس کا واسطہ کبھی پڑا ہی نہیں تھا۔

وہ اخیر بوریت کا شکار ویسے ہی شوٹنگ سے آ کر ہوٹل کمرے کے صوفے پر ہی ہاتھ پیر پھیلا کر دراز ہو گیا تھا، خود سے غفلت کا عالم یہ تھا کہ پیروں سے شوز یا گلے میں پہنی ٹائی کی ناٹ تک ڈھیلی کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی گئی تھی۔

novel by j nikhat

"کیا ہوا؟ "

احمد ڈائریکٹر صاحب سے کل کی شوٹنگ سے متعلق ضروری معلومات لے کر جبران کو دیکھنے آیا تو ہوٹل اسٹاف کو کھانے کی ٹرالی لیے دروازے سے مڑتا دیکھ پوچھا۔

"وہ سر دروازہ نہیں کھول رہے ہیں۔۔۔"

ویٹر نے شائستہ انگلش میں جواب تھا۔

"اوکے! ایسا کریں آپ یہ مجھے دے دیں، شکریہ۔۔۔۔"

ایک پر سوچ نظر بند دروازے پر ڈال کر وہ ٹرالی ویٹر کے ہاتھ سے لے کر اپنے پاس موجود کارڈ کی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

حسب توقع جبران کو آڑا ترچھا صوفے پر پڑا دیکھ اس کی آنکھوں میں تاسف و تشویش کے گہرے رنگ اترے تھے۔

نجانے اس کے چیف کو کیا ہو گیا تھا۔

کہاں اس کا چیف آوٹ ڈور شوٹنگز پر شوٹ ختم ہوتے ہی وہیں سے گھومنے پھرنے نکل جاتا تھا اور احمد کے بار بار کال کرنے پر، بلکہ بہت اصرار کے بعد رات

دیر گئے لوٹتا تھا۔اور کہاں اس مرتبہ کے دورے پر ناک کے سیدھے میں ہوٹل سے سیٹ اور سیٹ سے آ کر ہوٹل کے کمرے میں آدم بیزار کی طرح پڑا رہنے لگا تھا۔

وہ پھرتی، وہ تازگی و بشاشیت تو کہیں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا یہ اس کا چیف ہے ہی نہیں۔

"چیف "!

سر جھٹکتے ہوئے ٹرالی لا کر عین صوفے کے مقابل روکتے اس نے آواز لگائی تھی۔ پھر دو سے تین مرتبہ اسی آواز کی بلندی بڑھاتے ہوئے پکارتے رہنا پڑا تھا تب کہیں جا کر ردعمل ملا تھا۔

"کیا ہوا ہے یار! کیوں میرے نام کی مالا جپ رہے ہو۔۔؟"

لہجے سے بیزاری ہی بیزاری عیاں تھی۔

"کھانا آگیا ہے اٹھ کر کھالیں۔۔۔"

"رکھ دو، میں اٹھ کر کھالوں گا۔۔۔"

اس نے ساتھ ہی اکتائے انداز میں آنکھوں پر بازو رکھا تھا۔

"چیف! کھانا گرم ہے اور آپ ابھی کھائیں گے، کیوں کہ ٹھنڈا ہو گیا تو پھر آپ کو ڈنڈی مارنے کا بہانہ مل جائے گا۔۔۔"

احمد زور دیکر بولا تھا۔وہ جبران سے ڈرتا بھی تھا اور برابر جرات مندی کا ثبوت بھی دیتا تھا، ایسے ہی تو اتنے سالوں سے اس کا اسسٹنٹ نہیں تھا۔

"چیف "!!

اس کے ٹس سے مس نہ ہونے پر اس نے نام کو کھینچا تو وہ جھلا کر سیدھا ہوا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ، کیوں ملک الموت کی طرح جان پر سوار ہو کر چیف چیف چیف کیے جا رہے ہو۔۔"

اس نے کوفت سے سرخ ڈوروں سے مزین آنکھیں کھولتے خون آشام گھوری ڈالی تھی۔

"آپ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھالیں، اس کے بعد پرامس! صبح تک شکل نہیں دکھاؤ گا، بلکہ سیدھا سیٹ پر نظر آؤ گا۔"

شہ رگ پر ہاتھ رکھتے احمد نے بتیسی کی نمائش کی تو وہ جھنجھلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"شکر ہے تم لڑکی نہیں ہو۔ورنہ جس بھی مظلوم مرد کی قسمت پھوٹتی تمہارے ساتھ،اس کی زندگی کی ایسی کی تیسی ہو جاتی۔۔۔"

وہ تن فن کرتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا،کیوں کہ احمد اس کے کھانے پینے کے معاملے میں جونک سے بھی بڑا چپکو تھا۔

واپس آیا تو احمد نے سب کچھ ٹیبل پر نکال دیا تھا۔دونوں نے خاموش ماحول میں کھانا کھایا تھا،کئی بار احمد کی زبان کھجلائی بھی تھی لیکن اسے زندگی پیاری تھی لہٰذا دل مار گیا۔

"اب میں سو سکتا ہوں احمد صاحب؟"

ہاتھ نیپکن سے صاف کرتے اس نے طنزیہ پوچھا۔

جواباً احمد نے بتیسی کی نمائش پر اکتفا کیا تھا۔

"ویسے ڈائریکٹر صاحب آج وائنڈپ کے متعلق بات کر رہے تھے۔۔"

احمد نے آنکھوں میں چمک لیے ذکر چھیڑا۔

"تو۔۔؟"

فون ان لاک کرتے قصداً اس نے سرسری سا انداز اپنایا تھا۔

"تو کہہ رہے تھے اگلے ہفتے ہو جائے گا وائنڈ اپ"!

احمد کا پر جوش انداز بڑے پتے کی بات بتانے جیسا تھا۔

"یہ اگلے ہفتے وہ پہلے ہفتے سے بول رہے ہیں، اس دوران چار ہفتے نکل چکے ہیں، پانچویں کا آج چوتھا دن ہے۔۔"

وہ چڑ چڑا سا بے چین ہو رہا تھا۔

احمد نے بغور اس کا خفا خفا سا جاذب نقوش سے سجا چہرہ دیکھا، اس کی گہری بھوری آنکھیں تک بیزار تھی۔

"چیف! اگر جان کی امان پاؤ تو ایک بات کہوں۔۔۔؟"

سارے سامان جیسے تیسے ٹرے میں ڈال کر احمد نے لجاجت سے اجازت چاہی تھی۔

"ہاں! کہو۔۔"

"وعدہ کریں کہ آپ نہ غصہ ہوں گے، نہ برا منائیں گے اور نہ ہی۔۔۔"

"اتنے شرائط ہیں تو پھر رہنے دو۔۔"

فون سے نگاہ ہٹا کر اس نے بارعب گھوری ڈالی تو وہ کھسیا کر ہنس دیا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

"آپ کو اس مرتبہ واپسی کی اتنی جلدی کیوں ہے؟ بلکہ جب سے آئے ہیں واپسی کی دھن سوار ہے آپ پر۔۔۔؟"

ٹیبل پر دونوں کہنی ٹکا کر ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکاتے کمال معصومیت سے سوال کیا گیا تھا۔

"کیا مطلب ہوا اس عجیب و غریب سوال کا۔۔۔؟"

اس نے ذرا سخت انداز میں پوچھا بلکہ گھر کا۔

"چیف! میں قریب چھ سال سے آپ کے ساتھ ہوں، ان چھ سالوں میں میں نے کبھی آپ کو واپسی کے لیے بے چین ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، بلکہ آوٹ ڈور شوٹنگ پر تو آپ آخری انسان ہوتے تھے کسی بھی لوکیشن کو چھوڑنے والے، کم از کم بھی ایک ہفتہ آپ زیادہ رکتے تھے کسی بھی ملک میں، کیونکہ آپ کو تسلی سے اس جگہ کا چپہ چپہ چھان مارنا ہوتا تھا، بنا شوٹنگ کی پرواہ کیے، اور اس مرتبہ بالکل ہی الٹی گنگا بہہ رہی ہے، آپ ایک آدم بیزار انسان کی طرح روم میں پڑے رہتے ہیں اور روزانہ کے حساب سے اس عرصے میں آپ نے وائنڈ اپ اور واپسی کا پوچھا ہے مجھ سے۔۔۔۔"

اس کے سنجیدہ چہرے پر کھوجتی نظریں گاڑے بہت ہی احتیاط مگر باریک بینی سے احمد نے اتنے عرصے میں اختیار کیے گئے اس کے رویہ کی روش میں تجزیہ کیا تھا۔ بظاہر احمد کی عمر کم تھی لیکن اس کا تجزیہ بہت گہرا اور مدلل ہوتا تھا۔

"اتنی گہرائی سے جب مجھ پر تجزیہ کر ہی لیا ہے تو اس کی وجہ بھی بتادو بابا جی۔۔۔؟"

جبران فون سائیڈ پر رکھ کر گھٹنوں پر کہنی جماتا پوری طرح اس تجزیہ نگار کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"بھابی اور پرنس"!

"ناٹ آگین "!

جبران نے مضحکہ خیزی سے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ کھڑے کئے تھے۔

"میں جانتا ہوں، یہ بات آپ زبان سے قبول نہیں کروگے، لیکن دل ہی دل آپ نے اس سچ کے آگے سرینڈر کر دیا ہے۔۔"

احمد پروثوق انداز میں اس کی نادانستگی میں نگاہ چرا رہی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔

"افففف! کیا چیز ہو تم۔۔۔"

جبران نے ہنوز ہنستے ہوئے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سنوارا۔

"یار! ایک کام کیوں نہیں کرتے، تم رائٹر کیوں نہیں بن جاتے؟ بہت ترقی کرو گے کہانی بننا اور منظر کشی، مکالمہ نگاری سب کمال کرتے ہو، بہت ترقی کرو گے اور تمہارا چیف ہونے کے ناتے ابھی سے تمہارے پہلے پروجیکٹ کے لیے حامی بھر رہا ہوں، اپنے حساب سے میری ڈیٹز ایڈ جسٹ کر لو۔۔۔"

دونوں پیر صوفے پر پھیلاتے جبران نے صاف بات کو ہوا میں اڑانا چاہا تھا۔

"وہ بھی کر لوں گا چیف! ابھی جو کہانی میری نگاہوں کے سامنے ہے وہ تو یہی کہہ رہی ہے کہ ایک ورک ہالک کردار، جو اپنے کام کو لے کر جنونی تھا، جسے اپنے جنون کے آگے دنیا دکھتی ہی نہیں تھی، اس کی دنیا میں قدم رکھے دو نئے کرداروں نے اس کی پوری شخصیت بدل کر رکھ دی ہے، کوئی کہہ ہی نہیں سکتا چھ ماہ پہلے والا اور چھ ماہ کے دوران وجود میں آیا شخص ایک ہی آدمی ہے، صدف بھابی بھی آپ کی زندگی میں آئی تھی، لیکن لمحے کے لیے بھی آپ کی شب وروز

کی مصروفیت میں فرق نہیں آیا تھا،اور اب یہ عالم ہے کہ آپ سر تا پائی شخصیت میں ڈھل گئے ہو،اور۔۔۔"

"بابا جی! اتنا گیان بانٹ دیا ہے تو یہ بھی بتا دیں آگے اس ناچیز کو کیا کرنا چاہیے۔۔"

صدف کے نام پر اندر یکا یک گھٹن کا احساس ابھرنے پر وہ خشمگیں انداز میں ٹوک گیا تھا۔

"آسان ہے،ایکسیپٹ کر لیں حقیقت کو،خود ہی آپ کی بے کلی کو آرام آجائے گا،پھر آپ آرام سے اپنی روٹین لائف میں لوٹ سکو گے۔۔"

احمد بابا جی نے چٹکیوں میں بڑی سی مسکراہٹ کے ساتھ حل پیش کیا تھا۔

"بہت شکریہ! اب آپ تھک گئے ہوں گے جا کر آرام کریں،شاباش! اٹھیں،میں دروازے تک تو الوداع کہہ آؤ آپ کو۔۔"

جبران باضابطہ اسے بازو سے پکڑ کر دروازے تک چھوڑ کر آیا تھا۔

"افففف! اتنا سا ہے لیکن پورا دادا ابا ہے۔۔"

دروازہ بند کرتے اس نے سرد سانس آزاد کی تھی۔

پھر بجائے واپس اسی حالت میں پڑنے کے وہ کپڑے لے کر فریش ہونے چل دیا تھا لیکن احمد کی باتیں اس کے ذہن میں مسلسل گھوم رہی تھی۔

کبھی وابستگی، لگاؤ، کشش جیسے لطیف جذبات سے پالا پڑا نہیں تھا لہٰذا وہ تسلیم کر کے بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

پر ہاں، لیکن ایک معصوم سا گول مٹول بڑی بڑی روشن آنکھوں سے سجا چہرہ، بے ریا قلقاریاں، والہانہ انداز میں آکر لپٹ جانے کی رگ وپے میں تراوٹ بن کر اتر جانے والی معصومانہ ادا، بھول پن سے ٹکر ٹکر دیکھنے کی شریر حرکت، کبھی پیٹھ پر چڑھ کر سو جانا تو کبھی بنا اس کے کروڑوں میں ایک چہرے کی اہمیت کی پرواہ کیے اپنی بات منوانے کے لیے پے درپے تھپڑوں کی برسات کرنا شدت سے یاد آرہا تھا۔

یہ عجب انوکھا، اچھوتا سا احساس تھا۔ جو لبوں پر سورج کی پہلی کرن سی الوہی مسکراہٹ لے آتا تھا۔

اوراس پاکیزہ کیفیت میں ایسی شدت تھی کہ اس جیسا فارن ٹور کے طفیل کام سے ذراسی چھٹی لے کر زندگی کو جینے والا شخص آدم بیزار ہو کر بس واپس جانا چاہ رہا تھا۔

اور جب سے عباسی صاحب نے انس کے دو سے تین قدم بڑھانے والی ویڈیو بھیجی تھی اس کے لیے وقت گزارنا محال ہو گیا تھا۔

اور ہاں! وہ نک چڑی، بد دماغ، بد تمیزی ہمہ وقت AK*47 بنی تڑاتڑا لفظوں کی گولیاں چلانے والی انس کی بھوکی شیرانی ماں کا دلبراسراپا بھی ذہن کے پردے پر چھپ دکھا جاتا تھا۔

لیکن خیر! اصل میں وہ اپنے بیٹے کو ہی مس کر رہا۔

قصہ مختصر بنجارہ جبران عباسی جس نے عباسی مینشن نامی عالی شان مکان بنایا تھا، اب وہاں دو فرد کے اضافے سے گھر کا احساس ہونے لگا تھا اور گھر واپسی کے لیے دل کا بے چین ہونا انسانی فطرت کا حصہ ہے۔

novel by j nikhat

صدف کی برسی آنے والی تھی۔آسیہ بیگم نے اس سے بارہا کہا تھا کہ وہ فاروق منزل چلی آئے،اس کے مزاج سے وہ واقف تھی،جو بیک وقت شدت پسند اور حساس بھی تھی اور ایسے نازک حالات میں اس سے الجھنے والے کی خیر تو ویسے ہی نہیں رہنی تھی۔

لیکن اس نے کہہ دیا تھا وہ عباسی مینشن میں قرآن خوانی کروا کر وہاں آجائے گی۔آفس میں بھی عین موقع پہ پروجیکٹ کی آخری ڈیٹ نکل آئی تھی۔وہ جیسے تیسے اوورٹائم کر کے جلدی کام نپٹانا چاہ رہی تھی تاکہ دو تین دن پہلے چھٹی کر سکے۔

کیونکہ مضبوط بننے کی بہت کوشش کرنے کے باوجود اندر دن بدن بھر رہے گھٹن ودھواں سے اسے اندازہ ہو رہا تھا آنے والے دنوں میں وہ چاہ کر بھی اپنے آپ میں نہیں رہ پائے گی۔

آج آفس سے وہ جلدی نکل آئی تھی ارادہ مین ہال کی سیٹنگ بدلنے کا تھا تاکہ وہاں قرآن خوانی کے لیے مدرسے کے بچوں کو بٹھا سکے۔

"ہیلو!مس،اُپس!میں تمہارا نام بھول گئی ڈونٹ مائنڈ ہاں!۔۔"

وہ قصداً آمین ہال میں حسن کا سستہ بازار لگا کر بیٹھی شبرینہ کو نظرانداز کرتی گزر رہی تھی جب اس نے خود نزاکت سے انگریزی تلفظ میں اسے ٹوک کر اپنی شامت کو دعوت دی تھی۔

"مسز! مسز جبران عباسی کہہ لو تم، یہ نام اور پہچان تو تمہارا اولین خواب رہ چکا ہے، ایم شیور نہیں بھولو گی۔۔ "

وہ لبوں پر جلا کر خاک کر دینے والی مسکراہٹ لیے مڑی تھی۔

"تمہیں واقعی لگتا ہے تم مسز جبران عباسی ہو۔۔؟"

وہ تلملا کر اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔

"لگتا ہے میں وہ جیتے ہیں، جو کھلی آنکھوں سے غیر حقیقی خواب دیکھتے ہوں، یعنی تم، جبکہ میں حقیقت ہوں۔۔ "

سینے پر بازو باندھتے ایک سیکنڈ لگا تھا اسے اس سترنگی تتلی کے چہرے کے سارے رنگ اڑانے میں۔۔

"یو۔۔یو۔۔ تمہیں واقعی لگ رہا ہے تم ایک بچے کا استعمال کر کے جبران کو حاصل کر چکی ہو۔۔؟"

سرتاپا سلگتے ہوئے شبرینہ نے تمسخرانہ نظر اس کے پُراعتماد چہرے پر ڈالی۔

"تمہیں اعتراض کس چیز پر ہے، کہ میں نے ایک چھوٹے سے بچے کے ذریعہ تم سے وہ چھین لیا جس کے حصول کے لیے تم نجانے کتنے سالوں سے ان ماں بہن کو مسکے کا چم چٹا رہی ہو، اس پر یا پھر جبران عباسی نے تمہیں ڈچ کر دیا اس پر۔۔؟"

دو قدم شبرینہ کی جانب لیتے اس نے آنکھیں پٹپٹا کر کمال سادگی سے پوچھا تھا۔ جس پر شبرینہ کا حسین چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا تھا۔

"ویری سیڈ! لیکن کیا کیا جاسکتا ہے؟ اب تو تم تیس ایپیسوڈ کے ڈرامے یا تین گھنٹے کی فلم میں ہی اپنے ٹوٹے خواب کو جی سکتی ہو۔۔اُپس! میں نے ریئلائز کیسے نہیں کیا بات تو واقعی بڑے دکھ کی ہے، چہ! چہ!۔۔"

اس کے استہزائیہ انداز پر شبرینہ مارے غصہ واہانت کے سرخ ٹماٹر ہو گئی تھی۔۔

"تم۔۔۔تمہاری اتنی ہمت کہ تم۔۔۔۔"

وہ پیچ وتاب کھاتی انگلی اٹھا کر کچھ کرارا سا کہنے کی خواہش میں طریقے سے اپنی بے عزتی کو دعوت دے رہی تھی کہ زرناب نے ایک قدم آگے لے کر ہونٹوں پر انگلی رکھتے اسے چپ کرایا۔

"ششش !! کیوں اپنی شامت بلا رہی ہو، نازک سی تو جان ہے تمہاری، پھوک مارو تو بھی چھالے آجائیں، جبکہ میں اینٹ روڑے اٹھانے والے ہاتھوں کی صحبت یافتہ بندی ہوں، خدانخواستہ دماغ گھوم گیا اور تازی بھینڈی کی دم کی طرح توڑ دی لیڈی فنگر جیسی نازک انگلی تو، ڈس فگر ہو کر رہ جاؤ گی، اس لیے حد میں رہو فائدے میں رہو۔۔۔"

کسی عادی غنڈے موالی والے کھردرے انداز میں کہتی وہ اس نازک اندام دوشیزہ کو جسے انڈسٹری میں باربی ڈول کہاں جاتا تھا بت بنا چھوڑ واپسی کے لیے مڑی پھر کچھ یاد آنے پر قدم روکے۔

"اور جس نے تمہیں بلایا ہے بہتر ہے اس کے کمرے میں جاؤ، یہاں میں کام کروانے آرہی ہوں، خراش وراش نہ آجائے اس سنگ مرمر سے سراپے میں۔۔۔"

"شبرینہ یہی بیٹھے گی، میں بھی تو دیکھوں کون شبرینہ کو یہاں سے اٹھاتا ہے۔۔"

ہاتھ اٹھا کر پچکارنے والے انداز میں کہتی وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا پائی تھی کہ زینت بیگم کی تڑکتی بجلی جیسی آواز ابھری۔

"شیور! آپ شوق سے دیکھیں، پہلے میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں، پھر ساری 'فالتو پلاسٹک کی چیزوں' کو اپنے ہاتھوں سے باہر پھینکوں گی، اچھا نہیں لگتا نا ایسی خوبصورت جگہ پر پلاسٹک کی سجاوٹ، اور پھر میری مرضی کے مطابق سیٹنگ ہو گی۔۔"

اس کے لبوں پر خون کو اُبال دینے والی مسکراہٹ رقصاں تھی تضاد 'فالتو پلاسٹک کی چیزوں' پر مضحکہ خیزی سے زور ڈال کر شبرینہ پر سیدھی نظر ڈالنے کی کمینگی۔

"آا۔۔اتنی۔۔اتنی بے عزتی۔۔اتنی بے عزتی میری آج تک لائف میں نہیں ہوئی، میں اب ایک منٹ یہاں نہیں رکوں گی۔۔"

اپنا قیمتی بیگ اٹھاتی شبرینہ کی آواز مارے بے عزتی کے بھرا گئی تھی۔

"ارے! ارے! شبرینہ کول ڈاؤن یار"!

صنوبر اور ثمرن نے آکر بروقت سنبھالتے ہوئے اسے زبردستی لیکر اندر گئی تھی۔

"کس کی اجازت سے تم یہاں کی سیٹنگ چینج کرنے کا سوچ رہی ہو؟ "

زینت بیگم خونخوار نگاہوں سے اسے کچا چبانے کی حسرت لیے مڑی تھی۔

"کم آن ساسوماں! آپ تو جانتی ہیں، میں کتنی موڈی اور مصروف بندی ہوں اور مجھے کچھ کرنے کے لیے اجازت کی نہیں مرضی اور فرصت کی ضرورت پڑتی ہے، اور ابھی دونوں ہیں تو میں یہاں کی سیٹنگ چینج کروں گی۔۔"

وہ باہیں کھول کر کمال بے نیازی سے بولی تھی۔

"تم ایسا کچھ نہیں کروگی۔۔"

"میں ابھی آدھے گھنٹے کے اندر یہاں کا نقشہ بدلنے والی ہوں، اور یہاں کل یا پرسوں قرآن خوانی ہوگی، مناسب لگے تو شرکت کرلیجیے گا، نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں، کیوں کہ قدر زندگی میں ہوتی ہے، مرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنے والے منافقانہ ڈھونگ کے میں سخت خلاف ہوں۔۔"

بھڑ بھڑ جلتی ہوئی زینت بیگم پر مزید اپنے لفظوں کی پیٹرول ڈال کر وہ شان سے اپنے راہ نکل چکی تھی۔۔

کچھ درد ہیں ایسے کہ جو چہرے سے عیاں ہیں
کچھ زخم ہیں ایسے جو دکھائی نہیں دیتے
یادوں کی ہے اک بزم سبھی خانہءدل میں
اس بزم میں غیروں کو رسائی نہیں دیتے !

پلک جھپکتے ہی ایک سال کا عرصہ بیت گیا تھا صدف کو ان سے بچھڑے۔
ارد گرد نگاہ دوڑائی جائے تو ایک زندہ دل لڑکی کے چلے جانے سے بھلا کیا بدل گیا تھا زمانہ میں؟
کچھ بھی تو نہیں !

نہ زمین نے اپنی گردش بدلی تھی،

نہ سورج نے شب وروز کا سفر چھوڑا تھا،

نہ ہوائیں چلنے کا ہنر بھولی تھی،

نہ آتے جاتے رت موسم کی ترتیب بدلی تھی،

اور نہ ہی ان کی اپنی زندگی میں چلتے نظام میں کچھ ردو کد آیا تھا۔

سوائے اس کے کہ،

اب دل کا ایک گوشہ دائمی جدائی کا روگ پالے تاریکوں میں ڈوبا نوح کناں رہنے لگا تھا۔

آنکھوں میں اس کی یادیں اکثر کانچ بن کر اتر آتی تھی،

خوشی کے مواقعوں پر لبوں کے کناروں سے پھوٹتی مسکراہٹ میں اداسی کے میلے رنگ گھلے ملتے تھے،

اکثر طویل خاموش راتوں میں یادیں تکیہ بھگو دیتی تھی،

اور کبھی شدید بھوک ہونے کے باوجود کوئی لذیز پکوان دیکھ کر بھوک مر جاتی تھی۔

ورنہ تو کچھ نہیں بدلہ تھا۔

دو دن سے اس کی حالت ایسی ناگفتہ ہو رہی تھی جیسے ابھی صحن سے صدف کا جنازہ اٹھا ہو۔

گھر میں از سر نو صفِ ماتم بچھا تھا،

قریبی رشتہ دار اسی خلوص واپنائیت سے دلجوئی کیلئے آ جا رہے تھے۔

دوست احباب کا بھی تعزیت کیلئے تانتا بندھا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں ہی رہی تھی۔

آفس سے اس نے پورے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی، باس نے اس کی حالت کے پیش نظر بنا پس و پیش چھٹی منظور بھی کر لی تھی۔

اور ٹھیک اسی دن انس بنا گرڈے، بغیر لڑکھڑائے ہال سے اسے ڈھونڈتا ہوا پرجوش سا کمرے تک آیا تو بجائے خوشی سے کھلکھلاتے ہوئے، اسے گلے لگا کر اس کی کامیابی کا جشن منانے کہ، وہ اس کے آگے شکستگی سے گھٹنوں کے بل بیٹھتی اسے خود میں بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

آج اسے بھی ایک سال ہو گیا تھا۔ صدف زندہ ہوتی تو آج کا دن ان کی زندگی کا خوبصورت ترین دن ہوتا، لیکن قسمت کی ستم ظریفی تھی، اتنا خاص دن ان کیلئے سیاہ دن بن گیا تھا۔

"پرنس! آج آپ کی ماما ہوتی ناں، آپ کے دنیا میں آنے کی خوشی میں پورے شہر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا ہوتا انھوں نے، کیونکہ انھیں لوگوں کے جنم دن یاد رکھنے اور منانے کی خبطی بیماری تھی، میں آپ کیلئے ان کا پاسنگ بھی نہیں کر سکتی، ایم سوری! یہ آپ کی مام ہیں، دنیا کی بیسٹ مام، انس کی مام، آپ چاہیں تو بڑے ہو کر مجھے مام نہیں بھی بلا سکتے ہیں، اپنی مام کی طرح زری یا نانو کی طرح زرناب بھی بلا سکتے ہیں، مجھے برا نہیں لگے گا۔۔۔"

وہ صدف کی تصویر اسے دکھا رہی تھی، اس کی باتیں اس کی عادتیں اسے بتا رہی تھی۔

فگار لبوں پر مسکراہٹ تھی، زخمی تکلیف دہ مسکراہٹ، آنکھوں میں درد کا سمندر ٹھاٹھے مار رہا تھا، چہرہ اذیت کی پرچھائیوں سے سرسوں کے پھول کی مانند زرد پڑ رہا تھا۔

وہ بہت بہادر تھی، نڈر، بے خوف، صاف گو، بلکہ تلخ گو تھی، لیکن اپنے سے جڑے لوگوں کو لیکر بلا کی جذباتی اور شدت پسند بھی تھی۔

novel by j nikhat

منا رہا ہوں تیرے بعد _____ برسیاں اپنی

کہ جی لیا تیرے ساتھ جتنا جینا تھا! ___

"شٹ! فائلز تو عباسی مینشن میں ہے۔۔"

آج پورے ایک ہفتہ بعد وہ آفس کیلئے گھر سے نکلی تو دماغ کا بلب جلا کے جس پروجیکٹ پر آج میٹنگ ہونی ہے اس کی فائل وہ عباسی مینشن سے نکلتے ہوئے افرا تفری میں چھوڑ آئی ہے۔

کبیدہ دل ذرا اس مینشن کی جانب رخ کرنے کا روادار نہیں تھا، لیکن دنیاوی معاملات جذباتی نہیں عملی سوچ کے ساتھ چلتی ہے۔ لہٰذا بھاری دل کے ساتھ اس نے آفس کے بجائے عباسی مینشن کے راستے پر گاڑی ڈالی تھی۔ ایسا کرتے اس کے سنجیدہ اعصاب تن گئے تھے۔

عباسی مینشن کی پورچ میں گاڑی روکتے ہوئے وہ عجلتاً اندر کی جانب بڑھی تھی ارادہ فائل لیکر الٹے قدم لوٹنے کا تھا۔لیکن مین ہال کی حدود میں قدم رکھنے کیلئے اٹھے اس کے قدم صنوبر کی چہکتی مسرور آواز پر ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔۔

"اففف! تین دن سے پیچھے پڑی ہوئی تھی میں پارٹی کی فوٹوز کیلئے شبرینہ کے،فائنلی میڈم کو فرصت مل گئی آج،دیکھیں، کتنی پیاری پکچرز آئی ہیں۔"

صنوبر نے خوشی سے بتاتے ہوئے ٹیبلیٹ ماں بہن کے آگے کیا تھا۔

"ہاں دیکھو تو،مین پارٹی سے تو ایڈوانس سیلیبریشن میں شبرینہ زیادہ خوبصورت لگ رہی ہے۔۔۔"

یہ فدائیہ تبصرہ ثمرن کا تھا۔

"وہ کب پیاری نہیں لگتی ہے۔۔"

زینت بیگم نے یوں تفاخرانہ انداز میں حصہ ڈالا جیسے ان کی ہی تعریف ہو رہی ہو۔

"وہ بات نہیں کہہ رہی میں مام! باربی ڈول کہتے ہیں لوگ اسے ایسے ہی تو نہیں کہتے ناں،میں تو یہ کہہ رہی ہوں،یہ جو ایکسٹرا اگلو آیا ہے ناں چہرے پر یہ بھائی کی سرپرائز انٹری کی وجہ سے ہے،دیکھیں،ذرا بھائی کو،ایئرپورٹ والے حلیہ میں

سید ھادر آمد ہو گئے تھے، نیند سے بھری آنکھوں اور لگیج کے ساتھ۔اس پر بھائی کہتے ہیں مجھے نہیں انٹرسٹ شبرینہ میں۔وہاٹ آجوک۔۔ہاہاہا،۔۔۔"

ثمرن نے فخریہ انداز میں فوٹو کو زوم کر کے تجزیہ کیا تو زرناب کو یکا یک اپنے آس پاس بھانبڑ جلتے ہوئے معلوم ہونے لگے تھے۔

تین دن پہلے وہ آیا تھا اور تین دن پہلے ہی وہ قیامت کی رات ایک سال کا مدار مکمل کر کے لوٹی تھی جب صدف نے زندگی کی آخری ہچکی لی تھی۔

اور اسی دن شام میں عباسی صاحب انس کو لیکر گئے تھے جبران سے ملانے یہ کہتے ہوئے کہ رات دو بجے اس کی واپسی ہوئی ہے۔

اور اس ہفتے شبرینہ کی برتھ ڈے ہے اس کا گانا تو تینوں ماں بیٹیاں ایک مہینہ پہلے سے گا رہی رہی۔

اس کے سلگتے ہوئے ذہن نے بڑی ہی تیزی سے جوڑ توڑ کیا تھا۔پھر اس کے اعصاب اور مٹھیاں سختی سے بھینچی تھی اور آنکھوں میں خون شعلہ بن کر اترا تھا۔

اس قدر بے حسی، ایسی تضحیک، ان لوگوں کے اندر انسانیت نام کی چیز تھی بھی یا نہیں تھی۔؟

ایک جانور بھی دس دن ساتھ رہے تو انسان کو اس سے انسیت محسوس ہوتی ہے، عادت سی ہو جاتی ہے۔ ایک دیوار ایک پیڑ بھی کسی جگہ ایک وقت تک کھڑا ہو تو اس جگہ سے گزرتے ہوئے انسان بلاوجہ ہی خالی پن محسوس کر ٹھٹھک جاتا ہے، لیکن یہ لوگ پانچ سال تک ساتھ رہے شخص کو یوں بھول گئے تھے جیسے اس کا وجود کبھی کرۂ ارض پر تھا ہی نہیں۔

ماتھے پر شکن و ملال کی امید تو تھی ہی عبث!

اس کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگی تھی، پورا وجود غصہ و اشتعال سے کانپنے لگا تھا وہ مزید ان کی ہنسی ٹھٹھولی سن کر اپنا آپا کھونے سے پہلے کمرے کی طرف تیز قدموں بڑھی تھی۔

اس کا ہر اٹھتا قدم باغی سمندری لہروں میں مچلتی ہوئی تباہیاں سمیٹے ہوئے تھا۔ جسے اگر کوئی ٹوک دیتا اس لمحے تو وہ اسے بے رحمی سے ریزہ ریزہ کرتی ہوئی گزر جاتی۔

"تم آگئی! انس کہاں ہے؟"

وہ اپنے اندر کی وحشتوں کو سمیٹے فائل لیکر مڑنے لگی تھی کہ عقب سے ابھری بشاش آواز نے یکایک ہی کسی طوفانی بارش کے بعد ٹوٹتی ڈیم کے پھاٹکوں کی طرح تڑاتڑ اس کے ضبط کے باندھ کو توڑا تھا۔۔

ایک پل، بس ایک اشتعال انگیز مادے کے نذر ہوئے پل کیلئے، اس کا من کیا پلٹ کر اس شخص کا گریبان تھام لے۔

لیکن وہ اپنے اندر کی تباہیوں کو اندر ہی دباتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ اس کے اندر برپا طوفان کی جارحیت اس کے اٹھتے قدموں سے بہت واضح تھی۔ جسے سمجھنے میں جبران کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی وہ تولیہ بیڈ پر اچھالتا نا سمجھی کے عالم میں اس کی سمت بے اختیارانہ لپکا تھا۔

"زرناب! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔۔"!

زرناب! آر یو لسننگ ٹو می؟ "

"زرناب جاوید! ایم ٹاکنگ ٹو یو وہاٹ ایز دس بہیوئیر؟"

وہ اس کے دروازے کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی جھلاتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔

ایک نفرت آمیز نظر اس پر ڈال کر وہ تیزی سے دروازہ عبور کر کے نکلی تھی۔

"فار گاڈ سیک! ایسے کہاں جا رہی ہو؟ تم۔۔ تم کم از کم بتا دو، زرناب ایم۔۔۔"

وہ اپنا نام، مرتبہ، شان و شوکت سب بھلائے دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

"نام مت لو اپنی گندی زبان سے میرا، گھن آتی ہے مجھے۔۔۔"

وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔

"لیکن ہوا کیا ہے میری بات تو۔۔۔"

اس کے لہجے اور لفظ کی پرواکئے بغیر اب کے جبران نے بے چینی سے اس کے بازو کو گرفت میں لیتے اسے روکنا چاہا دوسرے ہی لمحے انتہائی نفرت کے ساتھ جھٹکتے وہ غیظ و غضب کی عملی تفسیر بنی بجلی کی مانند گری تھی۔

"ڈونٹ ٹچ می، ای سیڈ ڈونٹ ٹچ می، ورنہ جان لے لوں گی میں تمہاری گھٹیا آدمی، کراہیت محسوس ہو رہی ہے مجھے تمہارے لمس کے احساس سے بھی، چھی "!!

اس نے حقارت کے ساتھ سائیڈ پر تھوکا تو تضحیک کے احساس سے جبران کا پورا وجود سنناٹے میں اترا تھا۔

"ارے! تم جیسے گرے ہوئے آدمی کے ساتھ ایک چھت کے نیچے سانس لینے کے خیال سے بھی گھٹن محسوس ہو رہی ہے مجھے، لہٰذا اپنی اداکاریوں اور اپنی بیہودگیوں کے ساتھ مرو تم یہاں۔۔"

اس کی پوری ہستی کو ایک جھٹکے میں حقیر کیڑے سے بھی کم تر کرتی ہوئی وہ مڑی تھی جب ضبط کے باندھ توڑتے ہوئے جبران نے طیش کے عالم میں اسے دونوں بازوں سے جکڑ کر پیچھے دیوار سے لگایا تھا۔

"کیا گھٹیا پن کیا ہے ہاں؟ اور کونسی گری ہوئی حرکت کی ہے، گری ہوئی حرکت کا مطلب بھی جانتی ہوں تم زرناب جاوید؟"

اس کی اشتعال انگیز چنگھاڑ سے پورا عباسی مینشن کانپ اٹھا تھا لیکن وہ آنکھوں میں تمسخر لیے اس کے تمتمارہے خدوخال کو دیکھ رہی تھی جو جبران کے اشتعال کو مزید ہوا دے رہا تھا۔

"جواب دو زرناب جاوید؟"

وہ زخمی شیر کی طرح یوں دہاڑ جیسے تنکا تنکا اس لڑکی کو بکھیر دینا چاہتا ہو۔

"اپنے گریبان میں جھانکو جواب مل جائے گا۔۔۔۔"

اس کی آواز اس سے زیادہ اونچی آندھیوں کی وحشتیں سمیٹے ہوئے تھی۔

"نہیں جھانکتا میں، تم بتادو اتنا کچھ تو کہہ ہی چکی ہو۔۔۔"

اب کے اس کی آواز میں ویران وادیوں سا سکوت گونج رہا تھا۔

"اوہ! میں بھول کیسے گئی، تم تو مصروف آدمی ہو ناں، اتنے مصروف کہ تمہاری بدقسمت بیوی تمہارے بچے کو جنم دیتی ہوئی اپنی زندگی ہار گئی تمہیں فرصت میسر نہیں آئی، پر ٹھیک اس کی برسی کے دن اپنی معشوقہ کی ایڈوانس برتھ ڈے پارٹی میں شمولیت کیلئے تمہیں نیویارک سے آنے کی فرصت مل گئی۔۔ واہ! کیا مصروفیت ہے سپر اسٹار صاحب کی۔۔۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر استہزائیہ تالی بجائی تھی نجانے کہاں سے بنجارہ آنسو غلط وقت پر آنکھوں میں اترتا گالوں پر لڑھک گیا تھا۔

"شرم نہیں آتی ناں تمہیں جبران عباسی؟ لیکن مجھے کراہیت آرہی ہے تمہارے نام سے بھی، اس لیے زندگی پیاری ہے تو اس گھڑی کے بعد دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا ورنہ بخئیے ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔۔۔۔ "!

پوری قوت سے اسے پیچھے کی جانب دھکا دیتی ہوئی وہ آندھی طوفان بنی نکل گئی تھی اور جبران وہیں ساکت و جامد کھڑا تھا جیسے اب کبھی اس کے وجود میں زندگی متحرک نہیں ہو گی۔

novel by j nikhat

Zubi Novels Zone

میری عمر بھر کی مسافتیں،

مجھے ایک پل نہ تھکا سکی،

تیری اک نظر کی بے رخی سے

میں ذرہ ذرہ بکھر گیا!

وہ پورچ سے گاڑی نکال کر جس حالت میں تھا اسی حالت میں گھر سے نکل گیا تھا بنا جگہ یا سمت کا تعین کیے۔

اگر کہا جائے کہ وہ اس ذہنی حالت میں ہی نہیں تھا کہ ان چیزوں کا دھیان رکھ سکے تو زیادہ موزوں ہو گا۔

اپنے لُکس کو لیکر آخری حد تک محتاط جبران عباسی اس وقت عام سے ٹراؤزر اور شرٹ میں بے ترتیب بالوں،اور خدوخال کی جازبیت بگاڑے سنسنان سڑک کے کنارے گاڑی روک کر ڈرائونگ سیٹ پر نجانے کتنی دیر سے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا۔

شہر کی گہما گہمی بہت پیچھے چھوٹ چکی تھی اب تاحد نگاہ خالی اور خاموش سڑک ہی نظر آ رہی تھی۔

اس لڑکی کے سخت بلکہ نفرت انگیز الفاظ نے اسے اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔

اور اب وہ مکدر و منتشر ذہن کے ساتھ ضمیر کی عدالت میں کھڑا نادانستگی میں سرزد ہوئے خطاؤں کا احتساب دے رہا تھا۔

بڑا ہی کڑا مرحلہ ہوتا ہے جب انسان مخدوش روح، شکستہ اعصاب اور مجرمانہ خاموشی سے لب مقفل کئے ضمیر کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے۔

کسی بھی کیس میں ملزم پر عائد الزامات کی تائید یا تردید میں دلائل کا طوفان اٹھانے سے قبل، اس کے جرم میں ملوث ہونے سے پہلے کے حالات پر ایک سرسری سی نگاہ دوڑانا بھی اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ ثبوت یا گواہ۔

novel by j nikhat

جبران عباسی!

زینت عباسی اور حسین عباسی کی پہلی اولاد۔

زینت عباسی، ایک تند خو، خود مزاج، حالات کو مفاہمت سے کم جارحیت کے ساتھ زیادہ قابو کرنے میں یقین رکھنے والی خود سر عورت۔

ان کے برعکس حسین عباسی، ایک متحمل مزاج، معاملہ فہم، سمجھدار اور وضع دار شخصیت کے مالک آدمی۔

یہ بات یہاں جاننا ازحد ضروری ہے کہ نیوٹن کا قانون

'اپوزٹ اٹریکٹس' ہر دو یکسر مختلف خصلت رکھنے والی چیزوں پر استعمال نہیں ہوتا ہے، کم از کم یہ منطق ازدواجی زندگی جیسے نازک ڈور سے بندھے رشتے پر تو

بالکل بھی لاگو نہیں ہوتا، کیونکہ اس رشتے کا سارا دارو مدار ہی ذہنی مطابقت پر ہوتا ہے۔۔

اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ والدین کے درمیان موجود تعلق کی نوعیت کا سیدھا اثر بچے کی شخصیت پر پڑتا ہے۔

خاص کر اگر والدین کے مابین رشتہ تلخ ہو تو اس کی سب سے زیادہ منفی اثرات پہلی اولاد کی ذہنی حالت پر مرتب ہوتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں بچہ خاص کر پہلا بچہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان کی ناچاکیوں کا نشانہ بن جاتا ہے۔جو کہ جبران عباسی بنا تھا۔

قصہ مختصر عباسی صاحب اور زینت بیگم کی کبھی ذہنی مطابقت نہیں ہو پائی تھی، آج کل کے دور میں ایسا رشتہ شائد ایک مہینہ بھی نہیں ٹک پاتا پر اس دور میں رشتہ کا مطلب نبھا ہوتا تھا تو ان کا بھی جیسے تیسے نبھا ہو گیا تھا۔

پر ان دونوں نے کبھی ایک دوسرے کی بات سے نہ اتفاق کیا تھا اور نہ ہی سمجھوتہ، ہر بار لایعنی بحث کے بعد جو بھی نتیجہ سامنے آتا تھا اس پر راست یا بلواسط طور پر اکتفا اور سمجھوتہ دونوں جبران کے حصے آیا تھا۔

اسی لئے ہوش سنبھالتے ہی جبران کی جو پہلی کوشش تھی، وہ گھر کے ماحول سے فرار کی رہی تھی، گھر کا مطلب ہی اس کیلئے گھٹن تھا اور گھٹن سے ہر ذی شعور فرار چاہتا ہے، لہٰذا اس کی کوشش بھی یہی رہی تھی۔

پانچویں جماعت سے ہی اس نے خود بورڈنگ اسکول کا انتخاب کیا تھا۔

اداکاری اور گلوکاری کا وہ شوق ہمیشہ سے رکھتا تھا، بلکہ اس کا جنون تھا۔ اور یہ جنون یوں ہی بے سبب نہیں تھا، وہ حسن اور ہنر کے اس عمدہ معیار سے نوازا گیا تھا جو اسے کامیابی کی بلندیوں تک لیجا سکتا تھا بس ایک رہنمائی کیلئے بڑھا ہاتھ شرط تھی۔

اسکول اور کالجز میں اس نے بہت سے اس قسم کی غیر نصابی مقابلوں میں امتیازی انعامات جیت رکھے تھے۔ عباسی صاحب کسی قیمت پر اسے اس میدان میں طبع آزمائی کی اجازت نہیں دیں گے، اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اس نے بارہویں کے بعد ان سے چھپ کر ایکٹنگ کلاسیز لینی شروع کر دی تھی۔۔

بچپن سے ہر قدم پر سمجھوتہ کرتے ایک بات وہ ٹھان چکا تھا کہ انجام جو بھی ہو وہ اپنے مستقبل پر سمجھوتہ نہیں کرے گا، وہ اپنا کریئر ایسا چننا چاہتا تھا جس سے اسے حقیقی معنوں میں خوشی ملے جو کم از کم انجینئرنگ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بخت کا ستارہ بلندیوں پر تھا تبھی انجینئرنگ کے پہلے ہی سال میں چیریٹی پلے کے دوران ایک کاسٹنگ ڈائریکٹر کی پارکھی نگاہوں نے اس کے اندر کے سپر اسٹار کو پہچان لیا تھا۔۔

اور وہی سے اس کے جبران عباسی بننے کے سفر کا آغاز ہوا۔

پہلے فلم کی شوٹنگ مکمل کرنے کے بعد وہ بے صبری سے اس کے نشر ہونے کا انتظار کر رہا تھا لیکن ایک سال تک کسی وجہ سے اس فلم کو نشر کیئے جانے کی اجازت نہیں مل سکی تھی۔

وہ برف کی سیج پر بیٹھا صبر واستقامت سے پورے ایک سال تک انتظار کرتا رہا تب کہیں جا کر وہ فلم ریلیز ہوئی۔اور راتوں رات وہ گمنام جبران عباسی سے ہیرو جبران عباسی بن گیا تھا۔عوام نے اس کے کام کو جس قدر سراہا اس کی کسی کو امید نہیں تھی۔

قسمت مہربان تھی،ان دنوں یونیورسٹی کی جانب سے پروفیسر صاحب جرمنی کسی ریسرچ کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔لوگوں سے رابطے محدود تھے لہٰذا اس کارازان پرافشاں نہ ہوسکا تھا۔

اورادھر اسے دھرادھر مختلف پروجیکٹز کے آفر ملتے گئے جسے وہ بناپس وپیش قبول کرتا گیا تھا،وہ ایک لمحے کیلئے بھی اپنے قدم روکنا نہیں چاہتا تھا۔

انجینئرنگ کے دوسرے سال کوپوری طرح خیر آباد کہتے وہ مکمل طور پر خود کو فلمی دنیا کے نذر کرچکا تھا۔

پروفیسر صاحب کی واپسی کے بعد حسب توقع ٹھیک ٹھاک ہنگامہ کھڑاہوا جس کیلئے وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھا،اس نے بڑے ہی تحمل کے ساتھ ان کے جاہ وجلال کا سامنا کیا تھا،اور خاموشی سے اپنی راہ چل دیا تھا نہ اس کا قدم پیچھے لینے کا ارادہ تھا نہ اس نے ایسا کچھ سوچنے کی تکلف اٹھائی تھی۔

پروفیسر صاحب نے اس کا مکمل بائیکارٹ کردیا تھاالبتہ ماں اور بہنیں اس کی کامیابی کو بڑھ چڑھ کر کیش کررہی تھی۔

باقی اس سفر میں وہ خاردار راستوں سے گزر رہا ہے یا پھول کی رہ گزر پر، اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کبھی رونا رویا تھا کسی کے آگے۔۔

پیر تو ستاروں پر قدم رکھنے سے بھی جل سکتے ہیں ناں؟ پر یہ دکھ تو غم گساروں کے سمجھنے کے ہوتے ہیں !

اور قریب دو سال بعد کی بات تھی، جب کسی غیر ملکی اداکارہ کے ساتھ افئیر کی سنسنی خیز خبرون نے اس کی بہتے دریا سی زندگی میں ہل چل مچائی تھی۔

خبر جب گھر تک پہنچی تو پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ پھر جاہ و جلال میں آتے ہوئے اس کے سامنے دو راستے رکھے تھے یا تو وہ شوبز کو ہمیشہ کیلئے خیر آباد کہہ دے یا پھر وہ اس سمیت اس سے تعلق رکھنے والے ہر شخص سے سارے رشتے ناتے توڑ کر چلے جائیں گے۔۔

دوسری جانب اپنی شان و شوکت بڑھانے سے مطلب رکھنے والی زینت بیگم کی اس اداکارہ کی جبر ان میں دلچسپی دیکھتے ہوئے رائے تھی کہ افواہ کو حقیقت میں بدل کر لوگوں کے منہ بند کر دیے جائیں۔

اب جبران کی مرضی تھی وہ اسے گرل فرینڈ کے طور پر قبول کرے یا منگیتر یا پھر بیوی کی حیثیت سے انھیں کوئی سروکار نہیں تھا۔

ماں کی بے تکی منطق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی تشویش کا مرکز بصورت دیگر باپ کا انتہائی اقدام تھا۔

وہ باپ کی ناراضگی تو اپنے کریئر کیلئے برداشت کر سکتا تھا لیکن لا تعلقی نہیں۔

" بابا! میں ایسا کیا کروں جو آپ کو یقین آ جائے کہ میرا کسی اداکارہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، میرا شوبز کی دنیا سے تعلق پروفیشنل نوعیت کا ہی ہے بس" !

وہ پورے دو سال بعد پروفیسر صاحب کے سامنے کھڑا صفائی دے رہا تھا۔

" تمہیں فاروق کی بیٹی سے شادی کرنی ہو گی، میں اپنے خاندانی عزت و ناموس کی ہر قسم کی نظروں کی تسکین بننے والی عورت کے ہاتھوں لٹنے کا تماشا دیکھنے کا انتظار نہیں کر سکتا۔۔۔"

عباسی صاحب نے بنا پس و پیش اپنا مدعا رکھا تھا۔

"جیسا آپ چاہیں" !!

اس نے بنا توجہی پیش کیئے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

جبکہ اس وقت وہ اپنے فلمی کریئر کے اس سنگین موڑ پر کھڑا تھا۔ جو کسی بھی طور سے ایک نئے وجود کو اس کی زندگی میں شامل کرنے کیلئے موزوں نہیں تھا۔

وہ انٹرٹینیٹ انڈسٹری کیلئے باہر والا تھا۔

بظاہر شوبز کے باہر سے چمکتے دمکتے روشن چہرے، اپنی دل لبھاتی باتوں، دل آویز اداکاریوں سے معصوم عوام کو سچائی، اچھائی، نیکی، صلہ رحمی کا درس دینے والے یہ اداکار اور ان کی دنیا در حقیقت کس قدر گھناؤنی، اور

حرص، حسد، ہوس ولالچ سے بھری، سازشوں سے گھری ہوتی ہے یہ اس دنیا میں رہنے والے ہی جانتے ہیں۔

ان کی دنیا میں بنا مضبوط پشت پناہی کے نئے تعارف کے ساتھ داخل ہونے والوں کی زندگی دوبھر کرنے میں، زندہ زندان بنانے میں وہ کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں، فقط اپنی حکومت اس سلطنت میں قائم رکھنے کیلئے، اپنے پنجے گاڑے رکھنے کیلئے۔

اس لیم لائٹ نامی روشنی کی دنیا سے راتوں رات نئے چہرے یوں غائب کر دئے جاتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں سے تک ان کی تصویر دھل جاتی ہے۔

اور جنھیں گمنام کرنے میں اس دنیا کے اثر و ساکھ والے لوگ کامیاب نہیں ہوتے وہ گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں نشیں من پر بجلیاں گرانے کیلیئے۔

اور جبران اس وقت انھیں سازشوں کی زد میں تھا۔

اسے اس وقت تک ڈٹ کر متحرک رہنا تھا جب تک وہ اپنی جگہ اس دنیا میں مستحکم نہیں کر لیتا۔

شہرت کی دنیا کی مثل یوں بھی ٹریڈ مل جیسی ہوتی ہے جس کی رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھتی رہتی ہے اگر آپ اس سپیڈ کے ساتھ دوڑ سکتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ منہ کے بل گرنا ہی مقدر ٹھہرتا ہے۔

اور جبران اس وقت شہرت کی اس ٹریڈ مل پر چڑھا ہوا تھا اور جنون خیز ارادے ہر صورت منزل تک پہنچنے تک دم بھرنے کیلیئے تک روادار نہیں تھا۔

ایسے ناسازگار ماحول میں اس کی زندگی میں اضافہ ہوا تھا 'صدف فاروق' کا۔

معصوم بے ضر، جبران عباسی کی عشق میں گرفتار، اس کی پرستار، اسے دیوتا سمجھ کر پوجنے والی بجارن۔

جسے احتجاج کرنا، اپنے حق کیلیئے سوال اٹھانا آتا ہی نہیں تھا۔

وہ کملی جھلی تو اسے پاکر ہی نہال تھی، اسے دیکھ کر مبہوت ہو جاتی، اپنی خوش بختی پر نازاں و فرحاں شکرادا کرتے نہیں دکھتی تھی۔ تو جحت و دعویداری کہاں سے کرتی۔

بھلا دیوتا سے بھی کبھی کسی پجارن نے سوال کیا ہے۔؟

داسی کی کب اتنی مجال ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ سے اس کے رویہ کیلئے بازپرس کر سکے؟

وہ تو اس کی پل بھر کی عنایت پر ہی سدھ بدھ کھونے لگتی تھی۔

یوں اس پر جملہ حقوق رکھ کر بھی صدف نے جو ملا جتنا ملا پر اکتفا و قناعت کو اپنی ازدواجی زندگی کا طرز بنا لیا تھا۔

سمجھوتہ اچھی چیز ہے لیکن ایک حد سے تجاوز کرنے کے بعد اچھائی برائی سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

اور ہر چیز اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے، سر کا تاج سر پر ہی سجتا ہے اسے اٹھا کر تخت پر بھی رکھ دینا توہین ہے۔ لیکن یہ بات اس کملی لڑکی کو کون سمجھاتا۔

یوں اس لڑکی کا وجود جنون کے گھوڑے پر سوار ہر طلوع ہوتے سورج کے ساتھ نئی بلندیوں کو داغنے کے سفر پر گامزان جبران عباسی کے پیچھے چھوٹتے دھواں کے نذر ہو گیا تھا۔

اس کے سلونے خواب، انوکھی خواہشیں، جواں امنگیں سب دیوانہ وار کامیابی کی منازل کو قدموں تلے روندر ہے اس شخص کی اک نظر التفات، دو گھڑی کے ساتھ اور ہمراہی کی حسرت میں کب راکھ کا ڈھیر ہو گئے اسے خبر تک نہیں ہوئی۔
اس لڑکی کی اس کی مصروف زندگی میں حیثیت فرصت کی محتاج ہو گئی تھی، ملی تو بہتر نہ ملی تو بھی بہتر۔۔

ایک دوسری عملی منطق لگائی جائے تو صنفِ مخالف میں وہ سپر اسٹار بننے سے قبل سے ہی بہت مقبول رہا تھا اور بننے کے بعد تو ہر جگہ حوروں کو شرماتا ہوا حسن کا ہجوم اس کے آگے پیچھے منڈراتا، اس پر جان لٹاتا رہتا تھا، جس سے وہ پہلے ہی سخت بیزار تھا۔

ایسے میں اگر اسے اپنی جانب کچھ متوجہ کر سکتی تھی تو وہ انفرادیت تھی۔

لیکن بھولے بسرے گھر آنے پر اسے کمرے میں موجود ملنے والی لڑکی کم وبیش باہر اس پر جان نچھاور کرنے والی لڑکیوں ہی کی طرح اس کے آگے پیچھے اس کی خوش آمد کرتی پھرتی تھی، پھر وہ بھلا کیوں آسمان سے نیچے زمین پر کھڑے لوگوں کی خبر گیری کرتا؟

لہٰذا صدف کے اس کی زندگی میں مستحکم حوالے کے ساتھ شامل ہو جانے کے باوجود اس کے شب و روز کے نظام پر چنداں اثر نہ پڑا۔

وہ عادت کے مطابق فرصت ملتی تو مسافروں کی طرح گھر آتا تھا ورنہ مہینوں غائب رہتا تھا۔

عملی دلیل کے مطابق ناگہانی آفت کی طرح داخل ہونے والی تبدیلیوں میں ہی پختہ عادتوں کی بنیادیں متزلزل کرنے کی طاقت ہوتی ہے،اور صدف کی اس کی زندگی میں آمد تبدیلی نہیں اضافہ تھا، جس طرح بلندی کو پستی پر فوقیت حاصل ہے اسی اصول کے پیش نظر 'اضافے 'کو' عادت' کے زیر پا آنا پڑتا ہے۔

عادتوں کو باغی تبدیلیوں کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے، جیسے زرناب کے ساتھ جبران کی عادتوں نے کیا تھا۔

جبکہ 'اضافے' کو عادتوں کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑتا ہے جیسے صدف جبران عادتوں کے ساتھ کر چکی تھی۔

ایک عمر اُجالوں کے۔۔ تعاقب میں گنوا کے۔
ہم شام کے منظر میں سحر ڈھونڈ رہے ہیں!

جواب کا پر وثوق اندازہ ہونے کے باوجود اس نے بہت ہمت مجتمع کر کے دربان قلب سے 'صدف فاروق' نامی لڑکی کا ٹھکانہ پوچھا تھا۔ اور وہاں سے متوقع مگر انتہائی سفاک جواب آیا تھا وہاں صدف نامی کسی لڑکی کا کبھی بسیرا رہا ہی نہیں تھا۔ حتٰی کہ صدف کے انتقال کی خبر سن کر بھی فقط اس کے اعصاب بوجھل ہوئے تھے، لبوں سے پر ملال سانس خارج ہوئی تھی آنکھوں میں تاسف کا دھواں ٹھہرا تھا۔
لیکن دل نے زیاں کا احساس، خلش، کسک، خلاء جیسا کچھ محسوس نہیں کیا تھا، کیونکہ وہاں سے کچھ خالی ہوا ہی نہیں تھا ناں۔۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

نہ ہی اس کے جانے سے زندگی میں کوئی خاص کمی یا تبدیلی رونما ہوئی تھی۔

کیونکہ وہ لڑکی تو اس کی اجلی ذات کی ضمانت تھی فقط، جو اس نے اپنے باپ کو دی تھی۔

وہ تو اس کی ذات سے اس قدر بے خبر تھا کہ، پانچ سال تک رشتہ ازدواج میں رہنے کے باوجود وہ اس لڑکی کے خوابوں کا شہزادہ، دیوتا اور نجانے کیا کیا تھا یہ حقائق اس پر زرناب کی نفرت میں ڈوبے طنز کے نشتروں نے اجاگر کی تھی۔۔

زرناب جاوید ہی نے اس کی پختہ عادتوں کی زنجیر ہلائی تھی۔

اسی نے اس جنون کے دوڑ میں دیوانہ وار بھاگ رہے شخص کو اپنے مضبوط کردار اور نفرت کے وار سے منہ کے بل گرایا تھا۔

تلخ تھی لیکن یہی حقیقت تھی کہ ذاتی زندگی بھلائے روشنیوں کے تعاقب میں کامیابی کے جگنو سمیٹنے کے پاگل پن میں گرفتار جبران عباسی کو حقیقت کی دنیا میں زرناب جاوید کی نفرت، جارحیت اور اس کے نام ورتبے کو جوتی کی نوک پر رکھنے کی انفرادی ادا نے لایا تھا۔

اور ایسا ہوش میں لایا تھا کہ ابھی وہ ابتر حالت میں سنسنان سڑک پر بھوکا پیاسا بیٹھا اردگرد کا ہوش بھلائے اپنا احتساب کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ ماضی کے ریگستان میں دھنستا جارہا تھا، جہاں چاروں جانب تلخی کی ریت ہی ریت تھی۔

غلطی صدف کی مستقل خاموشی اور سمجھوتے کی تھی،

یا جبران کے جنون اور خود اور خود سے جڑے وجود سے لاپرواہی کی تھی،

یا پھر وقت اور حالات کی۔

غلطی کس کی تھی؟

یہ اہم سوال اب قطعی بے معنی ہو چکا تھا کیونکہ تلافی اب ممکن ہی نہیں تھی۔نہ وقت پلٹ کر آنے والا تھا نہ شہر خاموشیاں میں اپنا آشیانہ بسا چکی وہ بے ضرسی لڑکی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

زندگانی کا دکھ سمجھتے ہو

رائیگانی کا دکھ سمجھتے ہو

جس میں راجہ نہیں ہے رانی کا

اس کہانی کا دکھ سمجھتے ہو

لاکھ چاہیں یہ مل نہیں سکتے

آگ پانی کا دکھ سمجھتے ہو

عمر کچی ہو جسم بوڑھا ہو

اس جوانی کا دکھ سمجھتے ہو

مجھ کو حسرت سے دیکھنے والو

بے زبانی کا دکھ سمجھتے ہو

دل سے زویا کے جا رہے ہو سنو

لامکانی کا دکھ سمجھتے ہو!!!

اس نے گھر آکر اپنے کھولتے ذہن کو بہلانے کے لیے آج قریب ڈیڑھ ہفتے بعد اپنا انسٹا گرام اکاؤنٹ کھولا تھا اور سامنے ہی سرچ بار میں آئی ویڈیو دیکھ کر اس کے اندر باہر واپس سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگی تھی۔

اسکرین پر چل رہی ویڈیو انٹر ٹینمنٹ میڈیا کی جانب سے اپلوڈ کی گئی تھی۔اور سامنے ہی جبران عباسی سفید ہاف سلیوٹی شرٹ پر گاگلز اور سیاہ ماسک لگائے ایئر پورٹ سے نکل رہا تھا۔

اور اسی حلیہ میں اس کی تصویر وہ صنوبر کے ٹیبلیٹ میں شبرینہ کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔

وہ زور سے فون بیڈ پر پٹختی ہوئی جا کر بالکنی میں کھڑی ہو گئی تھی۔چاند کی اجلی روشنی میں صدف کے رنگ برنگے پودے بہار دکھا رہے تھے اس کا غصہ، گھٹن واذیت میں بدل گیا تھا۔

"کیوں تھی آپ کو اس ہرجائی شخص سے اتنی محبت صدف؟ کیوں؟ وہ شخص قابل نفرت بھی نہیں ہے؟"

وہ صدف کے پسندیدہ پودے کے قریب دو زانو بیٹھ کر بے بسی سے مستفسر تھی۔

جبکہ صدف کی زندگی میں یہ سوال وہ ہمیشہ انتہائی جارحانہ انداز میں کیا کرتی تھی۔ جس پر ہمیشہ صدف مسکرا دیتی تھی۔

"ایسا نہیں ہوتا زری! محبت امید دلاتی ہے، امنگیں بڑھاتی ہے، دل مجبور ہو کر چاہ کے بدلے چاہ کی امیدیں بھی لگاتا ہے، لیکن محبت میں شرائط نہیں ہوتی ہے، آپ کسی کو اس شرط پر نہیں چاہ سکتے کہ وہ بھی آپ کو چاہے، محبت تو انعام ہے، معجزہ ہے، طلسم ہے، سحر ہے، اک آفاقی جذبہ ہے، تجارت تھوڑی ہے جو سودے بازی ہو۔۔۔"

اس نے انتہائی نرمی، حلاوت، اپنائیت و عقیدت سے محبت کا دفاع کیا تھا۔

"بکواس! میں تو کبھی بھی ایسے شخص سے محبت نہ کروں، جو بدلے میں مجھے اسی شدت سے نہ چاہے۔۔"

وہ ضدی انداز میں بولی تو صدف اس کے بھولپن پر کتنی ہی دیر تلک ہنستی رہی تھی حتیٰ کہ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا۔

"پاگل ہو زری! ایسا نہیں ہوتا ہے، محبت میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔

"تو ہم بنا سکتے ہیں نا قانون، اور پھر صدف میری منطق کو گولی ماریں، آپ اس کی محبوبہ نہیں بیوی ہو، آپ بازپرس کیوں نہیں کرتی اس کی شب و روز کی غیر حاضری کے متعلق؟"

"وہ مصروف ہوتے ہیں یار! ان کی زندگی آسان نہیں ہے۔ بہت کام کرتے ہیں وہ۔۔۔"

وہ یوں ہمدردی سے بولی مانو وہ دہاڑی لگانے جاتا ہو۔

"کم آن صدف! وہ بندہ شوٹنگ کرتا ہے یا چوکیداری جو چوبیس گھنٹہ مصروف رہتا ہے۔ آپ بہت بھولی ہیں اس دنیا کی گندگی نہیں جانتی، یہ لوگ شادی بس دنیا کی نظر میں معتبر ہونے کے لیے کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے بدبودار کردار کی گندگی دنیا کی نگاہوں سے۔۔۔"

"خدارا زری! ایسے نہیں کہو، وہ سب کر سکتے ہیں، لیکن میرے حق میں خیانت نہیں کر سکتے۔۔۔"

یوں تڑپ کر وہ آنکھوں میں حوادث کے آنسو لے آئی تھی جیسے یہ رکیک الفاظ جبران کے لیے نہیں اس کے لیے استعمال کیے گئے ہوں۔

"آپ غلط تھیں صدف! وہ شخص بد دیانت بھی ہے، بے وفا بھی ہے اور گھٹیا کردار کا مالک بھی ہے۔پر آپ بھی قصوروار تھی، آپ کی قناعت پسندی، آپ کی خاموشی، آپ کی اس کی ہر کج ادائی، ہر جائز و ناجائز کو دفاع کرنے کی عادت آپ کا قصور تھا، اگر آپ بروقت اپنے لیے اسٹینڈ لیتی، اس کے فریبِ سحر سے نکل آتی تو آج حالات مختلف ہوتے، ہم ساتھ ہوتے، خوش ہوتے، مطمئن ہوتے، آپ نے غلط کیا صدف، بہت غلط کیا، اپنے ساتھ بھی اور ہم سب کے ساتھ بھی۔۔۔"

اس کی آنکھوں سے تسلسل سے درد بہ رہا تھا، ضبط کی انتہا سے خد و خال جل رہے تھے۔

ایک جھٹکے میں اس شخص سمیت پوری دنیا کو تہس نہس کر دینے کی خواہش اور بے بسی ایسی کہ چیخ بھی نہ سکو۔۔

وہ وہیں بھر بھری مٹی کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

چانداس چاندزادی کی ناگفتہ حالت پر آزردہ سابدلیوں کی اوٹ میں جاچھپا تھا،

چاندنی بھی اس کے غم میں ماند پڑ گئی تھی۔

novel by j nikhat

فون کان سے لگائے احمد بڑی بے تابی سے دوسری جانب سے کال اٹھائے جانے

کا انتظار کر رہا تھا۔

"شٹ "!

بیل مکمل ہو کر خود بند ہوئی تو اس نے جھلا کر ہاتھ جھٹکا تھا لیکن ہمت نہ ہارتے

ہوئے واپس کال لگائی۔۔

"ہیلو"!

اسپیکر سے نسوانی آواز ابھری تو یکدم سے اس کا مضمحل چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"جی ہیلو! میں احمد بات کر رہا ہوں، اور۔۔"

"کون احمد؟"

دوسری جانب سے استفسار کیا گیا تھا۔

"جی میں احمد! جبران عباسی کا اسسٹنٹ بات کر رہا ہوں آپ چیف کی مسز کی دوست مس سدرہ ہیں نا۔۔؟"

اب کے احمد نے اس کے ٹوکنے سے قبل ہی ایک سانس میں جملہ مکمل کیا تھا۔

"جبران عباسی کا اسسٹنٹ؟"

سدرہ نے فون کان سے ہٹا کر عجیب نگاہوں سے اسکرین کو دیکھا۔

"جی فرمائیں؟ کیوں کال کی ہے؟"

سدرہ کی متحیر آواز میں اب کھردری سی سنجیدگی شامل ہوئی تھی۔

"دراصل مجھے آپ کی ہیلپ چاہیے تھی، پلیز منع نہیں کیجیے گا، میری آپ کے علاوہ اس معاملے میں کوئی ہیلپ نہیں کر سکتا ہے، اور پھر آپ بھابی کی دوست ہیں تو آپ خود بھی نہیں چاہیں گی کہ آپ کی دوست کا رشتہ خراب ہو وہ ناخوش رہے یا۔۔۔"

"اُو پلیز! سیدھے سیدھے بتاؤ ماجرا کیا ہوا ہے، اس کے بعد میں طے کروں گی کہ کرنا کیا ہے۔۔"

اس کی ایک سانس میں شروع ہوئی زبان کو سدرہ نے تحکمانہ انداز میں بریک لگائی تو جواب میں بنا پس و پیش احمد اسے سب بتاتا چلا گیا تھا۔

"تو تم اپنے چیف کی وکیل بننے کی کوشش کر رہے ہو اور چاہتے ہو میں بھی اس نیک کام میں تمہاری رہنمائی کرو؟ رائٹ؟"

سدرہ نے طنزیہ پوچھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں میم! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے چیف کیسے ہیں، کیا ہیں، یہ مجھ سے بہتر شائد ہی کوئی جان سکتا ہے، میں چیف کے ساتھ چوبیس گھنٹے کے لیے لگا ہوا سی سی ٹی وی کیمرہ ہوں، میں ان کے شوبز میں آنے سے اب تک کے سارے وقت کا حساب انگلیوں پر گن کر دے سکتا ہوں، میں ان کے ماضی کا رویہ جانتا ہوں تو میں ان کے حال کی حالت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ پلیز بس مجھے ایک موقع دے دیں۔۔"

احمد نے نہایت ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ گزارش کی تو سدرہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکی تھی۔

"شکریہ میم! میں آپ کا احسان یاد رکھوں گا۔۔"

رابطہ منقطع کرتے اس نے ایک طویل سانس فضاء کے سپرد کا تھا جیسے کتنا بڑا سینے سے بوجھ سر کا ہو۔

سرشار سا کمرے میں آیا تو جبران اوندھا بیڈ پر سو رہا تھا۔

نیند میں بھی چہرے پر سو دوزیاں کے چھاپ بکھرے ہوئے تھے ورنہ اس کا چیف تو گہری بے فکر بچوں جیسی نیند سونے کا عادی تھا۔

لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی حالت آسیب زدہ شجر جیسی ہو گئی تھی، ساری شادابی و بشاشیت عجب سی یاسیت آمیز سنجیدگی کی پرت نے چھپالی تھی۔

"چیف! اب اٹھ بھی جائیں، آج آپ کا پریمئیر ریلیز ہونے والا ہے آپ کو وہاں پہنچنا ہے، آپ ایسے سوئے رہو گے تو شام میں چہرہ موموز کی طرح اُبلا پھولا ہوا نظر آئے گا۔۔۔"

وہ اس کے سر پر سوار ہوا تھا۔

خلافِ معمول وہ بنا آئیں بائیں شائیں کیے اٹھ گیا تھا۔ دو تین دن سے اس کا رویہ ایسا ہی میکانکی ہو گیا تھا۔

ہاں یا نہ کچھ نہیں، کسی مشین کی طرح وہ حرکت کرتا تھا۔

"ڈیزائیز سے کپڑے آگئے؟"

"جی"!

"گاڑی تیار کرو، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔۔۔"

نپے تلے انداز میں کہتا ہوا وہ فریش ہونے چل دیا تھا۔

novel by j nikhat

تلخ اتنی تھی کہ پینے سے زباں جلتی تھی

زندگی آنکھ کے پانی میں ملالی ھم نے

Zubi Novels Zone

"السلام علیکم انکل"!

وہ انس کو اٹھائے ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام! ارے! آیئے آیئے بھئی!۔۔۔"

مسکراتے ہوئے جواب دیکر انھوں نے انس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔

جوان کی آواز کو جبران کی آواز سمجھ کر اندر تو آگیا تھا لیکن نگاہوں کو گوہرِ مقصود نہ ملنے پر اب ماں کے کندھے سے منہ بسورتا ہوا ناک رگڑ رہا تھا۔

"جائیں انس! دادو بلا رہے ہیں۔"

زرناب نے اسے ان کے پاس صوفے پر بٹھایا تھا اور خود بھی مقابل صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

چند ایک ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فاروق صاحب اٹھ کر باہر گئے تو انس کو سیب کھلا رہے عباسی صاحب اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"کب آرہے ہیں پھر آپ دونوں چھٹیاں گزار کر واپس؟ بھئی! یہ نانی کے گھر قیام کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا ہے، اُدھر عباسی مینشن آپ دونوں کے بغیر بالکل سونا ہو گیا ہے، میرا تو گھر جانے کا من ہی نہیں کر رہا ہے، شام کی چائے تو بھول ہی گیا ہوں میں۔۔۔"

انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں بات کا آغاز کیا تھا۔۔

"تو ادھر آجایا کریں نا انکل! بابا کے ساتھ شام کی چائے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔۔"

زرناب مسکرا کر بولی تھی۔

"صرف چائے کی بات تھوڑی ہے بھئی! وہاں چوبیس گھنٹوں کا ساتھ تھا، رفتہ رفتہ میری اپنے پوتے سے دوستی ہو رہی تھی اپنے نانا کے پاس آکر تو یہ بالکل مجھے بھولنے لگے ہیں، پھر جبران بھی بہت یاد کر رہے ہیں انھیں، یہ بھی پاپا کو مس کر رہے ہیں لگ رہا ہے، ایسا کریں، آپ تیار ہو جائیں ساتھ ہی چلتے ہیں،۔۔۔"

انھوں نے اسی تناؤ سے مبرا انداز میں پلان ترتیب دیا تھا۔

زرناب کے مسکراتے نقوش میں کھینچاؤ اترا تھا۔

"میں انس کو تیار کر دیتی ہوں انکل! آپ ساتھ لے جائیں، جب پریشان کریں لا کر چھوڑ دیجیے گا۔۔"

اس نے کمال اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"میں صرف اپنے پوتے کو ہی نہیں، بہو کو بھی مس کر رہا ہوں۔۔"

وہ اب کے براہ راست زور ڈال کر بولے تھے جواباً وہ چپ ہو گئی تھی۔

"ہوا کیا ہے بیٹا! آپ کچھ بتائیں گی تو معلوم ہو گا نا، تبھی تو کوئی حل نکلے گا، ملازموں نے مجھے اس دن بتایا تھا آپ بہت غصہ میں گھر سے نکلی تھیں، کوئی ناراضگی ہوئی ہے آپ کی جبران سے۔۔۔؟"

وہ فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ کے بیٹے اور میرے مابین ایسا کوئی تعلق نہیں ہے انکل! جس میں ناراضی کی گنجائش نکلے۔۔"

وہ ہمیشہ کی طرح صاف گوئی سے بولی تھی۔

"بیٹا! آپ۔۔۔"

"انکل! آپ لوگوں کو اندازہ ہوگا میں کوئی آئیڈیل لڑکی نہیں ہوں، ایثار و قربانی، صبر واستقامت، نرم طبیعت، متحمل مزاج، دوسروں کی خوشی کے لیے خاموشی اختیار کر لینے جیسی عمدہ و معیاری خوبیاں مجھ میں نہیں ہے، اور نہ ہی میں دنیا کی نظر میں خوش و خرم نظر آنے کے لیے ذہنی یکسوئی پر سمجھوتہ کر سکتی ہوں، میں خود غرض قسم کی لڑکی ہوں اپنے دائرے میں اپنے اپنوں کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہوں، آسان الفاظ میں میں عباسی مینشن کی بہو کبھی نہیں بن سکتی، آپ مجھے اس روپ میں دیکھنے کی خواہش ترک کر دیں۔۔۔"

"ایسے نہیں کہو بیٹا"!

وہ اس کی سفاکانہ انداز پر تڑپ اٹھے تھے۔

"انکل! یہی حقیقت ہے، آج، کل، دو مہینے، پانچ مہینے، دس مہینے دو سال حتیٰ کے پانچ سال بعد بھی اس رشتہ کا انجام وہی ہوگا، آپ امیدیں جتنی کم رکھیں گے اتنا بہتر ہے۔ امیدیں بس تکلیف ہی دیتی ہے۔ میں آپ لوگوں کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی۔۔"

وہ بنا لگی لپٹی کے سنجیدگی سے انھیں باور کرا رہی تھی اور وہ بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھے گئے تھے۔۔

پھر فاروق صاحب اندر چلے آئے تو معذرت کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"زرناب! کیا ناپ شانپ بول رہی تھی تم بھائی صاحب سے، رشتے ایسے نہیں نبھائے جاتے۔۔۔؟"

باہر نکلتے ہی آسیہ بیگم نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"اس شخص کے ساتھ نبھا کسے کرنا ہے ممی؟ میں نے شادی نبھا کے لیے نہیں انس کی بقاء کیلئے کی ہے، شخصی طور پر میرا اس شخص سے ہمیشہ ایک ہی تعلق رہا ہے، نفرت کا اور وہی رہے گا۔۔۔"

وہ کہہ کر انھیں صدمہ زدہ سا چھوڑ آگے بڑھ گئی تھی۔

وہ اپنا ہدف لیکر اس گھر میں گئی تھی، جبران کی انس میں دلچسپی دیکھتے ہوئے اسے لگ رہا تھا بہت جلد وہ اپنا مقصد پالے گی، پھر انس کا مقام بھی مستحکم ہو جائے گا اور وہ اپنی زندگی میں بھی لوٹ آئے گی۔۔

دوسرا جبران عباسی کی اس گھٹیا حرکت کے بعد اس سے جڑی کسی شے کے متعلق سوچ کر بھی اس کی کنپٹیوں میں خون ٹھوکریں مارنے لگتا تھا۔

لہٰذا عباسی مینشن جا کر ان بے حس لوگوں کی شکل دیکھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

novel by j nikhat

"تم اور تمہاری منطق، کسی دن ایسا پٹوائے گی نا تمہیں میرے ہاتھوں کہ ساری زندگی یاد رکھو گی تم۔۔۔؟"

قریب ڈیڑھ گھنٹے سے احمقوں کی طرح سدرہ کے ہمراہ مال میں مٹر گشت کرتے ہوئے اب اس کے پیر اور ضبط دونوں جواب دینے لگے تھے۔

جو لے تو کچھ رہی نہیں تھی خواہ مخواہ ہر دکان میں گھس کر وقت گزاری کر رہی تھی۔

"یار! اب بندہ شاپنگ بھی نہیں کرے؟ شاپنگ تو واحد زندگی کی وہ خوشی ہے جو باخوشی پیسوں سے خریدی جاسکتی ہے۔۔"

سدرہ نے منہ بسورتے ہوئے اپنی منطق لگائی تھی۔

"لالچی خاتون! چند ہفتے قبل تم نے اپنی منگنی پر شادی کی بری جمع کرنے جتنی شاپنگ کی تھی، جسے طریقے سے پہنو تو اگلے پانچ سال تک تمہیں شاپنگ کی ضرورت نہ پڑے اور تم بے غیرتوں کی طرح واپس شاپنگ پر نکل پڑی ہو۔۔۔"

زرناب نے بنا لحاظ تیکھے انداز میں اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"بس بھی کردو، دادی اماں کی طرح میرے کپڑوں پر نظرِ بد ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، تم بڈھی روح ہو تو ضروری نہیں سب ہی آدم بیزار ہو جائیں۔اور ویسے بھی تم ہی تو کہہ رہی تھی نا تمہیں انس کی شاپنگ کرنی ہے اور انس ایک سال کا ہو گیا ہے تو اسے اب باہر کی دنیا دکھاؤ گی، یہاں کا پلئینگ ایریا اچھا ہے، چلو ہم وہاں چلتے ہیں۔۔"

فون پر مسڈ کال موصول ہوتے ہی انس کو اس کی گود سے لیتی وہ عجلتاً بولی تھی۔

"اُوواو! یومین تب سے لیڈیز سیکشن میں ہم انس کے لیے ڈزائینز ڈریسیز اور بیگز دیکھ رہے تھے؟ اور اب۔۔۔"

"چلو نا تم یار "!

اس کی کلائی تھام کر سدرہ نے اسے ساتھ گھسیٹا تھا۔

"کہاں لیکر جا رہی ہو، پلئینگ ایریا تو فورتھ فلور پر اُوپر ہے نا، ہم نیچے کہاں جا رہے ہیں؟"

"مجھے یاد آیا، میں نے نیچے ایک ایئرنگ دیکھی تھی ہم وہ لے کر جائیں گے، کہیں کوئی لے نہ اڑے اسے۔۔"

ایلیویٹر میں سوار ہوتے وہ تیز تیز بول رہی تھی جیسے ایئرنگ نہیں ایئروپلین چھوٹنے کا خدشہ ہو۔

"یہاں اتنے سارے لوگ اور۔۔۔۔"

حیرانی سے گراؤنڈ فلور پر انسانی سمندر کو ٹھاٹھے مارتا دیکھ اس کی پھٹی آنکھیں جوش و خروش سے چیخ پکار رہے لوگوں کی نظروں کے تعاقب میں گئی تو پھر جبڑے و اعصاب بھینچتے چلے گئے۔

وہ پوڈیم پر کھڑا تھا اور اس کی ایک جھلک دیکھنے، اپنے کیمرے کی آنکھ میں قید کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کے اُوپر چڑھنے سے بھی بعید نہیں کر رہے تھے۔

گارڈز نے درمیان میں گھیرا ڈال کر بہت مشکل سے لوگوں کو اس سے دور رکھا ہوا تھا ورنہ اس کے مداح تو شہد کی مکھیوں کی طرح اس سے چپک جانا چاہتے تھے۔

مال میں داخل ہوتے ہوئے جگہ جگہ اس نے اس کے بڑے بڑے پوسٹر زاور کٹ اوٹ کو دیکھا تھا جسے قصداً نظر انداز کرتی ہوئی وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

اور سدرہ اسے لیکر سیدھا تھرڈ فلور پر چلی گئی تھی جہاں آج اتوار کا دن ہونے کے باوجود مشہور لیڈیز برانڈز کی دکانیں بالکل خالی پڑی دیکھ اسے حیرت تو ہوئی تھی لیکن جھنجھلاہٹ میں اس نے زیادہ دماغ نہیں لگایا تھا۔

لیکن اب جواب مل گیا تھا۔

ساری احمق صنف تو یہاں لگے حسن کے بازار میں آنکھیں سیکنے میں مصروف تھی، دکانیں خالی نہیں ہوتی تو کیا ہوتی۔۔

انس کی نظر بھی باپ پر پڑ چکی تھی وہ سدرہ کی گود میں 'پا'' پا' چلاتا ہوا مچلنے لگا تھا۔

اتنے میں جبران کے گارڈز نے بھیڑ کو چیر کر اس کے لیے جگہ بنائی تھی وہ آنکھوں پر سن گلاسیز لگاتا ہوا ان کے بیچ سے شاہانہ چال چلتا، لڑکیوں کے دلوں پر بجلیاں گراتا نکلنے لگا تھا۔ جس کے آگے چوکسی کے ساتھ احمد چل رہا تھا۔

"چلو یہاں سے فوراً "!

زرناب تنفر سے مٹھیاں بھینچتی ہوئی پلٹنے لگی تھی کہ تبھی سدرہ کو احمد کا اشارہ ملا اور اس نے انس کو فوراً نیچے چھوڑ دیا تھا۔

گارڈز کو سارا سین پہلے ہی احمد سمجھا چکا تھا جیسے ہی سدرہ کے ہاتھ سے انس آزاد ہوا ویسے ہی گارڈز نے گھوم کر جبران کے ساتھ چل رہے ہجوم کے گرد گھیرا ڈالا تھا اور انس 'پا'، 'پا' کی گردان کرتا ہوا جبران کی طرف بے تابانہ انداز میں لپکا تھا۔۔

"پرنس "!

ادھر جبران کی انس پر نظر پڑی تو وہ سامنے چل رہے احمد کو پرے ہٹاتا دیوانہ وار اس کی طرف بڑھا تھا اور جھک کر اسے متاعِ زیست کی طرح باہوں میں بھرتے

ہوئے اردگرد کا ہوش بھلائے اس کے خوشی سے تمتاتے روئی گالے جیسے گالوں کا بوسہ لیتا نہال ہوا تھا۔

پر جوش ہجوم میں جبران عباسی کو یوں ایک چھوٹے سے بچے کے صدقے واری جاتا دیکھ سناٹا چھایا تھا۔ پھر کسی نے انس کو پہچان کر آواز بلند کی تو بھیڑ بے قابو ہو گی۔

آناً فاناً بنی صورت حال پر زرناب اسی جگہ ہونق سے کھڑی تھی جب بھیڑ کو اپنے گارڈز کو سنبھالنے میں ناکامیاب دیکھ جبران نے بڑھ کر اس کی کلائی کو تھاما تھا اور بس لحظے بھر کے لیے بھیڑ کی طرف مڑا تھا۔

"ایم سوری گائز! ای ہیو ٹو لیو، کیوں کہ یہ ٹائم میری وائف اور پرنس کا ہے، سی یو سون۔۔۔"

کہنے کے ساتھ ہی وہ تیز قدموں انٹرنس کی طرح مڑا تھا گارڈز نے دوڑ کر ان کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا۔

مال سے نکل کر گاڑی میں سوار ہونے تک مخدوش الحواس زرناب میکانکی انداز میں حرکت کرتی رہی تھی۔

گاڑی کے پیچھے پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی بھیڑ کو بہت پیچھے چھوڑ کر گاڑی فراٹے بھرتی کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

اب رفتہ رفتہ اس کا ذہن بیدار ہو رہا تھا۔

رونما ہوئی صورت حال کی ترتیب کو ذہن میں دہراتے ہوئے وہ اس میں احتیاط سے رچی گئی سازش کو بہت اچھے سے پڑھ پا رہی تھی۔

دنیا میں اتفاق ضرور ہوتے ہیں، لیکن ایک ہی جائے وقوع پر ایک ہی انسان کے ساتھ اتنے سارے اتفاقات وہ بھی ترتیب میں یکے بعد دیگرے ہونا فطرتاً ناممکن کی حد تک مشکل ہے، اگر اس میں انسانی دماغ نے چھیڑ چھاڑ نہ کی ہو تو۔

"سدرہ کی بچی! تمہیں یہ غداری بہت مہنگی پڑے گی۔۔"

دانت کچکچاتے اس نے واٹس ایپ پر سدرہ کو میسج بھیجا تھا۔

پھرتنے اعصاب کے ساتھ پہلو میں متوجہ ہوئی تو جبران کے ساتھ سرشاری سے کھیلنے میں مصروف انس کو دیکھ اس کے لبوں تک آئے ترش الفاظ وہیں ٹھہر گئے تھے۔

کیسی الوہی چمک تھی اس کے معصوم چہرے پر، وہ بٹن جیسی آنکھوں میں شرارت لیے بار بار جبران کے ٹھوڑی کا بوسہ لے رہا تھا۔ جواباً جبران اس کی رس گلے جیسی رس والی کسّی کو انگلی پر لیکر منہ بناتا تو اپنی معصوم شرارت میں کامیابی پر اس کی شفاف قلقاریوں کی کھنک سے گاڑی کی فضا جلترنگ سا دھن چھیڑ رہا تھا۔

کہنے کو انس فقط ایک سال کا بچہ تھا لیکن اپنے باپ کی اسے خوب پہچان تھی کسی بھی مرد کی آواز سن کر وہ دوڑتا ہوا جاتا ضرور تھا لیکن جبران کو ناپا کر وہیں سے الٹے قدموں مایوس لوٹ جاتا تھا۔ حتیٰ کے فاروق اور عباسی صاحب کے ہمہ وقت سامنے ہونے کے باوجود اسے باپ کی گود ہی چاہیے ہوتی تھی۔

اور اب مال میں اتنی بھیڑ میں اسے دیکھ کر جس طرح وہ مچلا تھا وہ منظر یاد کرتے زرناب کا دل گداز ہونے لگا تھا۔

نقوش کے تناؤخود بخود ڈھیلے پر گئے تھے۔

وہ انس کی خوشی کیلیئے تلخ کلامی کا ارادہ ترک کرتی ہوئی سامنے بیٹھے احمد سے مخاطب ہوئی تھی۔

"آگے سے جو بھی پہلا بس اسٹاپ وغیرہ نظر آئے گاڑی روک دینا۔۔"

اس کے سپاٹ انداز میں دیئے حکم پر احمد نے مڑ کر پہلے اسے پھر جبران کو دیکھا جس کا انس سے مل کر کھلا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"بھابی! پر پاس ہی چیف کا آفس ہے ہم پہنچنے ہی والے ہیں وہاں۔۔"

احمد سنبھل کر بولا تھا۔

"پہلی بات میں تمہاری بھابی نہیں ہوں، مجھے مس زرناب کہا کرو، اور دوسری بات، مجھے کہاں جانا ہے میں بہتر جانتی ہوں، گاڑی روک دینا آگے اسٹاپ آرہا ہے۔۔"

وہ قطعیت سے بولی تھی۔

"اسی ٹرنگ سے گاڑی موڑلو، آگے سگنل سے ٹرافک ملے گی، ٹرافک میں خوار ہونے سے تھوڑی تاخیر بہتر ہے۔۔"

اس نے تحکمانہ انداز میں ڈرائیور سے کہا تھا جوابا ڈرائیور نے مودبانہ انداز میں سر ہلایا تو وہ کلس کر اس کی طرف مڑی جو واپس سے انس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

انس کا واپس سے وہی کھیل شروع ہو گیا تو اسے دل مسوس کر رہ جانا پڑا تھا۔

novel by j nikhat

آفس آتے ہی وہ انس کو لیکر اتر گیا تو طوعاً و کرہاً زرناب کو اس کی پیروی کرنی پڑی تھی۔ وہ لفٹ میں سوار ہوا تھا اور لفٹ کھول کر اس وقت تک منتظر رہا جب تک زرناب نے اندر قدم نہیں رکھ دیئے۔

گراؤنڈ فلور پر آفس اور فرسٹ فلور پر اس کا شاہانہ رہائش کا انتظام تھا۔ ایک بیڈ روم، ہال اور کچن پر مشتمل یہ ویل فرنیشڈ فلیٹ اچھا خاصا کشادہ اور سلیقے سے سیٹ تھا۔

وہ بجائے صوفے پر بیٹھنے کے ایک جانب کھڑی ہو گئی تھی۔

انس کو اس نے نیچے اتارا تو وہ خوشی خوشی پورے ہال میں دوڑنے لگا تھا۔ پر جیسے ہی جبران کال سننے کیلئے جانے لگا وہ جھپٹ کر اس کے پیروں سے لپٹ گیا

تھا۔ جس پر وہ نفی میں سر ہلاتا ایک ہاتھ سے فون دوسرے سے انس کو سنبھالتا ہوا روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"مس! میں آپ سے دومنٹ بات کر سکتا ہوں۔۔؟"

احمد نے بڑی تگ ودو کے بعد ہمت مجتمع کی تھی۔

"ہمم" !

اس کی مسمسی شکل پر رحم کرتے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا ورنہ دماغ جتنا خراب ہو رہا تھا اس شخص کی من مانیوں سے وہی جانتی تھی۔

"آپ کے اور چیف کے بیچ میں جو مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے اس کی وجہ میری لاپرواہی ہے، اس میں چیف کی کوئی غلطی نہیں ہے۔۔۔!"

احمد نے گلا کھنکار کر اس کے چہرے پر درزیدہ نگاہ ڈالتے ہوئے اعتراف جرم کیا تھا۔

"ایکسکیوزمی؟"

زرناب کے ماتھے پر ان گنت ناگواریت کے بل پڑے تھے۔

"نیویارک کے ہوٹل سے چیک آوٹ ہوتے ہی چیف کے کلئیر انسٹرکشنز تھے کہ ہم ایئرپورٹ سے سیدھا پرنس سے ملنے جائیں گے، جبکہ عام طور پر فارن ٹرپز کے بعد ہم لوگ آفس یا پروڈکشن ہاؤس جاتے ہیں اور صبح آرام سے گھر جاتے ہیں۔۔"

"یہ تم مجھے کیوں بتارہے ہو۔۔؟"

زرناب نے اس کی تمہید باندھنے کے انداز پر ٹوکا تھا۔

"اس دن چیف کی طبیعت پہلے سے ہی ٹھیک نہیں تھی، فلائٹ میں بخار اور سر درد کی شدت بڑھ گئی تو وہ میڈیسنس لیکر سو گئے تھے، لینڈنگ کے بعد ایئرپورٹ سے نکل کر کار میں سوار ہوتے ہی وہ واپس غنودگی میں چلے گئے تھے، ساتھ میری بھی آنکھ لگ گئی، یوں میں تھکن کی وجہ سے چیف کے انسٹرکشنز ڈرائیور کو بتانا بھول گیا اور ہم لوگ باقی کاسٹ اینڈ کرو کیلئے ریزور کئے گئے ہوٹل پہنچ گئے، جہاں اتفاق سے شبرینہ میم کی پرائیویٹ برتھ ڈے پارٹی چل رہی تھی، باقی سب نے مجبوراً چیف کو اس میں شامل کرلیا، چیف بامشکل دو منٹ ٹھہر کر طبیعت کا عذر تراش کر وہاں سے نکل گئے تھے۔۔۔"

احمد نے بڑے ہی سلجھے ہوئے انداز میں تفصیلاً پس پردہ صورت حال بیان کر کے خائف نگاہ اٹھائی تو اسے ماتھے پر بل نمودار کیئے خود کو ہی گھورتا پا کر اس کے حلق میں گلٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"کہانی واقعی دلچسپ لگ رہی ہے، اور اندازِ بیاں بھی خاصا پُراثر ہے، لیکن میں خاصی بدذوق ہوں، تم چاہو تو مجھے یہ رام کتھا سنانے کی وجہ بتا سکتے ہو۔۔ شائد اس میں میری دلچسپی پیدا ہو جائے۔۔۔"

اطمینان سے آکر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے اس نے قصداً بے نیازی سے عدم دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ جیسے بات کے سچ ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا ہو۔

اس کے نافہم ردعمل پر احمد نے ڈگمگائے اعتماد کے ساتھ خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔ ان محترمہ نے اس کے چیف کو تیر کی طرح سیدھا کر دیا تھا پھر وہ تو ماتحت ہی تھا۔

"وہ میم! اس دن سے چیف مجھ سے ناراض ہیں، میرا بائیکاٹ کرر کھا ہے، اگر آپ سفارش کر دیں تو۔۔۔"

توقف لیکر وہ جتنی مسکینی ولاچاری خود پر طاری کر سکتا تھا کر چکا تھا۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں ڈائریکٹر صاحب! آپ جیسے ماسٹر مائنڈ کو بھلا مجھ ناچیز کی سفارش کی کیا ضرورت ہے، آپ ایک اور پرفیکٹ سین اپنی ہدایت میں بنا کسی غلطی کے کرئیٹ کر سکتے ہیں۔۔۔"

زرناب نے کٹیلے انداز میں جتایا تو احمد بیچارہ گڑبڑا گیا تھا۔ ایسے ہی اس کا دبنگ چیف اس دوشیزہ کے پیچھے خوار نہیں ہو رہا تھا بندی میں کس بل نکال دینے کی ساری صلاحیت موجود تھی۔۔

اس کی پیشانی یوں چوری پکڑی جانے پر عرق آلود ہو گئی تھی۔

"وہ میم! آپ اور پرنس سے مل کر چیف کا موڈ اچھا ہو گا تو میری جان خلاصی ہو جائے گی، اس لیے تھوڑا سا ڈرامہ کرنا پڑا۔۔"

احمد نے کھسیانے انداز میں صفائی پیش کی۔

"ہاں! اور اس تھوڑے سے ڈرامہ میں میری بیسٹ فرینڈ کو رول کیلئے کنوینس بھی کر لیا؟"

اس کے تیکھے لہجے میں استہزاء تھا۔

"وہ تو میم ایسے ہی۔۔۔"

احمد کے چھکے چو کے چھوٹے تھے اتنا تو وہ اپنے چیف سے آج تک کی تاریخ میں خائف نہیں ہوا تھا جتنا اس دبنگ لیڈی نے پانچ منٹ میں اس کی مٹی پلید کر دی تھی۔

"ماننا پڑے گا جبران عباسی کے صحبت یافتہ ہو، اپنی اداکاری سے حقیقت کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو۔ خیر! اگر چچا چوہدری بن لیا ہو تو مہربانی کر کے اندر سے انس کو لا دو، تاکہ میں جا سکوں یہاں سے یا آپ کا کوئی اور سرپرائز پلان ہو تو میری کیا مجال کہ بچ کے نکل جاؤں۔۔۔"

سنجیدہ لہجے میں واضح طنز کی آمیزش شامل تھی، وہ بیچارے بچے کو سہی شرمندہ کر رہی تھی۔

"میرے باپ کی توبہ! یہ پہلا اور آخری تھا۔۔"

گڑبڑا کر نفی میں سر ہلاتا ہوا وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

اس کے عین دروازے پر جا کر رک جانے پر زرناب نے بھویں اچکا کر پوچھا۔

"وہ چیف مجھ سے ناراض ہیں تو۔۔۔"

اتنی خاطر تواضع کے بعد احمد کا ہی حوصلہ تھا جو ہنوز اداکاری کے جوہر دکھا رہا تھا۔

"بات سنو میری، اپنی اس اداکاری سے اپنے چیف اور چیف جیسوں کو متاثر کرنا، میں جانتی ہوں کتنے بڑے میسنے ہو تم دونوں۔۔۔"

خطرناک گھوری سے نوازتی ہوئی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"افففف! فائنلی یہ معرکہ سر ہو ہی گیا۔۔"

بیٹا بہو کی صلاح کروانے کے بعد سکون کی سانس لینے والے ابا جی کی طرح احمد طویل سانس فضا کے سپرد کرتا ہوا جا کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

اس دن جبران کے اچانک غائب ہو جانے پر پریشان احمد اس کا نمبر ٹریس کرتا ہوا گارڈز کو لیکر اس تک پہنچا تھا۔اور دوسرے دن جبران کے خطرناک سنجیدگی کے ساتھ ایئرپورٹ والی رات کی بابت پوچھنے پر اسے اندازہ ہوا تھا کہ ان دونوں کے مابین اسی بات کو لیکر کوئی مسئلہ ہوا ہے۔

زرناب سے ملنا آسان نہیں تھا لہٰذا اس نے سدرہ سے رابطہ کر کے خوبصورتی کے ساتھ اس مسئلہ کا توڑ نکالا تھا۔

"ہا!! چیف کیا کیا کرنا پڑتا ہے آپ کیلئے اس بیچارے سے بچے کو، اسسٹنٹ سے اب فیملی وکیل بھی بن گیا ہوں میں۔ اگر مزید چند سیکنڈ رک جاتا آپ کی شیرنی مسز کے آگے تو ایکس اسسٹنٹ پلس لیٹ احمد بھی بننے کے قوی امکانات تھے۔ افففف! ویسے سہی ہے آپ جیسے اڑیل گھوڑے کو ایسی باغی مزاج لڑکی ہی لگام ڈال سکتی ہے۔۔"

خود کو اپنے چیف کا خیر خواہ کہنے والا احمد اس پر نازل ہوئی آفت پر کمینگی سے مسکرایا تھا۔

novel by j nikhat

وہ راجہ اندر کی طرح بیڈ کے بیچ و بیچ گردن کے پیچھے بازو دبا کر آرام دہ پوزیشن میں دراز تھا، انس وہیں اس کے فون سے کھیل رہا تھا۔

"انس! چلو گھر چلتے ہیں۔۔"

وہ اسے صاف نظر انداز کرتی ہوئی انس کو اٹھانے قریب آئی جو مستی کرتا ہوا کھلکھلاتا پہاڑ چڑھنے کے انداز میں جبران کے اُوپر چڑھ گیا تھا۔

"انس! کوئی شرارت نہیں، رات ہونے والی ہے نانو پریشان ہو جائیں گی، چلیں گھر چلتے ہیں۔۔"

اس نے واپس کوشش دہرائی تواب کے انس جبران کے گلے میں دونوں بازو حائل کر کے 'پا'، 'پا' کی گردان کرتا نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

اشارہ صاف تھا اتنے دنوں کے بعد اسے پاپا نظر آئے تھے وہ قطعی بھی انھیں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

"انس "!

"ہم یہاں سے نہیں جا سکتے، ہمیں آج کی رات یہیں ٹھہرنا ہو گا۔۔ "

اپنی گردن میں حسب عادت اپنی بات منوانے کیلئے ناک رگڑتے ہوئے احتجاج کر رہے انس کے بال سہلاتے اس نے اتنے وقت میں براہ راست اسے مخاطب کیا تھا۔

وہ کیسے اپنی ذات قابل رشک نہ سمجھے...؟

ہم جیسے نافرمان بھی جِس کی ٹھہر کر سنتے ہیں!

ایسا کرتے اسے خود پر حیرت بھی ہوئی تھی، بلکہ اپنا آپ اجنبی سا لگا تھا، وہ تو اس مزاج کا شخص تھا جس سے کوئی ذرا ٹیڑھے انداز میں بات کر لے تو دوبارہ وہ شخص سونے کا بن کر بھی آ جائے تو وہ منہ نہیں لگاتا تھا اور اب کس آرام سے اس نے اس لڑکی کو مخاطب کر لیا تھا جس نے اس کی شخصیت کے بخئیے ادھیڑ کر رکھ دئے تھے۔

"میں اپنی اور انس کی بات کر رہی ہوں، تم اپنے فعل میں آزاد ہو۔۔"

وہ چبا کر بولی تھی۔

"اور میں ہم تینوں کی بات کر رہا ہوں، ہم یہاں سے نہیں جا سکتے ہیں آج۔۔۔"

وہ اسی تحمل سے بولا تھا۔

"کون روکے گا مجھے؟"

اس کی تیوڑیاں چڑھی تھی۔

"میری تو مجال نہیں ہے، ایسا کرو نیچے جاؤ، اور پھر بھی تمہارا ارادہ جانے کا ہو تو میں خود انس کو لیکر پہنچ آ جاؤں گا۔۔۔"

"جبران عباسی! میرے ساتھ ہوشیاری مت کرو۔۔۔"

"چیف"!

زرناب اس کی عجیب منطق پر مشتعل ہونے ہی لگی تھی کہ احمد دھار سے دروازہ کھول کر اندر گھسا تھا۔

"ایم سوری بھابی! سوری چیف! لیکن وہ گارڈز کا کہنا ہے کہ کچھ میڈیا والے نیچے جمع ہوئے ہیں، آپ تینوں کی مال والی فوٹوز بھی سوشل میڈیا پر ٹرینڈ کر رہی ہے۔ منیجر صاحب کہہ رہے تھے کہ فلم ریلیز کا ٹائم ہے ہم انٹرٹیمنٹ میڈیا کے ساتھ سختی سے پیش آ نہیں سکتے، سوان کے آنے تک بہتر ہے کہ آپ لوگ انھیں اوائیڈ کریں یا پھر چاہیں تو جا کر ڈیل کر لیں۔۔۔"

احمد نے ایک سانس میں سب بتاتے آخری کے الفاظ زرناب کے بگڑے خدو خال دیکھ سنبھل کر ادا کئے تھے۔

جبران اثبات میں سر ہلاتا ہوا انس کو گود میں اٹھائے ہی گلاس وال تک گیا تھا۔ ٹی آر پی کو آسمان کی بلندیوں تک لیجانے کا اتنا شاندار موقع تھا میڈیا چوک کیسے سکتی تھی۔ زرناب بھی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پیچھے آئی۔

"اب یہ کیا ڈرامہ ہے؟"

نیچے لوگوں کو کیمرہ اور مائک لیے کھڑا دیکھ وہ ناگواریت سے مستفسر ہوئی تھی۔

"مم۔۔ میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے بھابی! ای سوئیر!" احمد نے فوراً اپنے دفاع میں دونوں ہاتھ کھڑے کر دئے تھے۔

"اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے سے کیا مراد ہے، پھر کس میں تمہارا ہاتھ تھا؟ "

جبران کی تیوریوں پر بل پڑے تھے۔

زرناب کی طرح اس نے مال والے اتفاق پر بالکل سیاسی دماغ نہیں لگایا تھا، وہ سرشار سا بیٹے میں مگن تھا۔ لیکن اب اس کے کھٹک جانے پر احمد کا حلق خشک ہوا تھا۔

"آپ۔۔ آپ۔۔ کیا میری بات پکڑ رہے ہو چیف! آپ یہ سوچو اس اسکینڈل سے کیسے ڈیل کرنا ہے، ہم تو یہاں سے میڈیا کو بھگا بھی نہیں سکتے۔۔۔"

احمد نے اصل مسئلہ کی جانب توجہ دلائی۔

"یہ اسکینڈل نہیں ہے احمد! اپنے لفظوں پر دھیان دو۔۔"

اس نے سختی سے احمد کو سرزنش کیا تو زرناب نے کچھ چونک کر ترچھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"ایم سوری چیف "!

احمد شرمندہ ہوا تھا۔

"تم دونوں کے مذاکرات میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے، مجھے کوئی بتائے گا میں اس مصیبت سے کیسے نکلوں گی۔۔؟"

انھیں آپس میں لگا دیکھ وہ جھنجھلائی تھی۔

"ایک راستہ ہے، اگر تم چاہو تو۔۔؟"

احمد کو جانے کا اشارہ کرتا وہ اس کی جانب مڑا تھا۔

"کونسا؟"

اس نے جھٹ پوچھا تھا۔

"میرے ساتھ نیچے جا کر ان لوگوں سے ملنا ہو گا۔۔"

"وہاٹ؟"

"ہاں! اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ میرا پہلا پبلک اپیئرنس تھا، جو کہ بالکل غیر متوقع ہونے کی وجہ سے کوئی ہمیں اچھے سے کیپچر نہیں کر پایا اور اب یہ میڈیا وہ کسر نکالنا چاہتی ہے، یعنی اگر یہاں سے نکلنا ہے تو کم از کم پانچ منٹ کیلئے ہمیں ایز آلونگ اینڈ کیئرنگ فیملی کی طرح پبلک اپیئرنس دینا ہوگا، مسکرا مسکرا ان کے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے تب کہیں جا کر جان خلاصی ہوگی، ورنہ وہ ایسے ہی ہمارے پیچھے پڑے رہیں گے، اور چونکہ باہر کی سڑک ہماری جاگیر نہیں ہے، لہٰذا ہم انھیں بھگا نہیں سکتے، تمہیں منظور ہے تو چلو۔۔"

کندھے اچکا کر کہتا وہ آرام سے جا کر واپس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم۔۔ تم۔۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو، اور کیوں دوں میں تمہارے ساتھ پبلک اپیئرنس، اپنے جیسا سامانِ نمائش سمجھا ہوا ہے مجھے کیا؟ اور یہ بیوی کون ہے تمہاری۔۔۔؟"

اس کا دماغ ٹھیک ٹھاک گھوم چکا تھا۔

"پرنس! اپنی مام کو بتائیں، ان کے زیرِ عتاب ہم جیسے بے ضرر لوگ آ سکتے ہیں، میڈیا ان کی پہنچ سے اُپر کی چیز ہے۔۔۔"

انس کو بیڈ پر بٹھاتا ہوا وہ سادگی سے بولا تھا۔

جبکہ زرناب کچھ سخت کہنے کی خواہش دباتی ہوئی کلس کر فون پر دھڑا دھڑ گر رہی نوٹیفکیشن کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔۔

"ذرا فون دیں، کھانا منگواتے ہیں اپنے لیے۔۔۔"

انس کو پچکارتے ہوئے اس نے اس کے ہاتھ سے فون لیا تھا اور سیر ہو کر بہترین ریسٹورنٹ سے انواع واقسام کے لوازمات منگوانے کی احمد کو ہدایت دی تھی۔

اتنے دنوں بعد آج حقیقت میں بھوک چمکی تھی اور وہ بناڈائٹ کی پرواہ کئے کھانا چاہتا تھا۔

دل خوش ہو تو سارا عالم حسین لگتا ہے، اس فلسفے کی اس لمحے جبران عباسی کے چہرے پر لوٹی شادابی عملی عکاسی کر رہی تھی۔

جبکہ زرناب کا چہرہ یکے بعد دیگرے موصول ہو رہے مسیجز دیکھ کر غیظ وغضب سے سرخ ہو رہا تھا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

اس نے جس شادی کو دو گز زمین میں دفن راز بنا کر رکھا تھا وہ اس وقت بریکنگ نیوز بن کر ہر طرف چھایا ہوا تھا، اور دوست، دشمن، ایرے غیرے نتھو خیرے سب انٹرٹیمنٹ میڈیا بنے حقیقت جاننا چاہ رہے تھے۔

"یہ شخص میرے ہاتھوں ایک قتل کروا کر ہی مانے گا۔۔"

غصہ سے فون سوئیچڈ آف کرتے قہر آلود نگاہ اٹھائی تو اس کے چہرے پر بکھرے سکون لبوں پر کھلتی تبسم کی کلیوں کو دیکھ شدت سے موبائل اس کے سر پر مارنے کا من کیا تھا۔

"میسنا آدمی"!

زور سے پیر پٹختی وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

پھر وہی شہرِ مسافت ھے وہی منزلِ راہ

پھر وہی بھاری قدم سے کہیں جاتا ہوا مَیں!

دن ڈھل چکا تھا، شام کا سرمئی آنچل رات کی سیاہ چادر اوڑھ کر چاند ستاروں کے جھومر ماتھے پر سجا چکا تھا لیکن بلڈنگ کے نیچے کھڑے لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے اب تو زرناب کی ضبط کی طنابیں ٹوٹنے لگی تھی ویسے بھی صبر کا مادہ اس میں پیدائشی کم تھا۔

"تم لوگوں کے پروفیشن میں پرائیویسی نام کی کوئی چیز ہوتی بھی ہے یا نہیں ہوتی ہے۔۔؟"

کمرے میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹتے وہ کھانا لیکر اندر آئے احمد سے مخاطب تھی۔

"پبلک فگرز کی کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی ہے بھابی۔۔"

اک نظر اطمینان سے بیٹھے چیف پر ڈال کر احمد کھسیانے انداز میں بولا۔

"لیکن میں زرناب جاوید کوئی پبلک فگر نہیں ہوں، میں کس لیے یہاں اس منحوس سے فلیٹ میں اپنی رائٹ ٹو پرائیویسی کا وائلیشن برداشت کر رہی ہوں، حد ہے، ان لوگوں کی کانسٹیوشن میں پبلک رائٹز کا ذکر ہے بھی یا نہیں۔۔۔؟"

اس کی جھنجھلاہٹ حد سے سوا تھی۔

"بے شک زرناب جاوید پبلک فگر نہیں ہے، لیکن زرناب جبران عباسی، جبران عباسی دی سُپر اسٹار کی ون اینڈ اونلی وائف ایک پبلک فگر ہے۔۔۔"

اس نے کمال طمانیت سے جواب دیا تھا۔

"اپنے نام کے ساتھ میرا نام مت جوڑو۔۔۔"

وہ دانت کچکچاتی ہوئی سرزنش کرتی بیڈ کے قریب آئی تھی۔

"چِلڈ واٹر؟"

بنا برا منائے ٹھنڈا منرل واٹر پیش کیا گیا۔

"جبران عباسی! مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔۔۔"

وہ ایک ایک لفظ کو دانتوں تلے پیس کر بولی تھی۔

"چلاّ یہاں کاٹنے کا میرا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے، لیکن مجبوری ہے، میں بھی تمہارے ساتھ پھنسا ہوا ہوں۔۔۔"

اس نے لاچاری سے شانے اچکائے تو شیر اور شیرنی کی پنجے بازی میں بلاوجہ زخمی وہ نہ ہو جائے سوچ کر دبے قدموں وہاں سے نکل رہے احمد نے دروازے سے

مڑ کر انتہائی تاسف سے اپنے چیف کی آنکھوں میں ناچ رہی کمینی شرارت کو دیکھا، جو بظاہر انس میں مصروف تھا مگر زرناب کی تذبذب سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

ورنہ وہ اتنے سالوں سے انڈسٹری میں تھا، میڈیا کے نمائندوں کو ہینڈل کرنا اس کیلئے کونسا مشکل کام تھا وہ چاہتا تو ابھی ایک منٹ کے اندر میڈیا کو رفع دفع کر کے یہاں سے نکل سکتا تھا۔ لیکن جان بوجھ کر بے بس لاچار پبلک فگر بنا بیٹھا تھا۔

"دیکھو، آرام سے بیٹھ جاؤ، کھانا آیا ہوا ہے کھالو آرام سے سو جاؤ، صبح تک وہ لوگ نہیں بھی گئے تو منیجر صاحب آکر ہینڈل کر لیں گے انھیں۔۔۔"

دوستانہ انداز اپناتے اس نے ایک مرتبہ پھر بوتل بڑھایا تھا۔

"وہاٹ؟ میں صبح تک یہاں رہوں گی وہ بھی تمہارے ساتھ، دماغ خراب نہیں ہوا ہے میرا، میں ابھی پولیس کمپلین کر کے انھیں سبق سکھاتی ہوں، ایسے کیسے وہ کسی کو یوں ان کے ہی گھر میں ہاؤس اریسٹ پر رکھ سکتے ہیں۔"

اس نے فوراً پرس سے فون برآمد کیا تھا۔

"دماغ درست ہے تمہارا۔۔۔؟"

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

جبران نے فوراً اُس کے ہاتھ سے فون چھینا تھا۔

"فون دو میرا۔۔"

وہ غرائی۔

"یہ سب معاملے ایسے ڈیل نہیں کئے جاتے، پولیس آ بھی گئی تو کچھ نہیں ہو گا۔۔"

وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیوں نہیں ہو گا، پبلک فگر کی بھی اپنی زندگی ہوتی ہے ایسے کیسے وہ لوگ اپنی مرضی کسی پر تھوپ سکتے ہیں"

وہ مشتعل ہوئی تھی۔

"تم نہیں جانتی اس لیے میں بتا رہا ہوں، یہ فلم سٹی کا ایریا ہے، یہاں سارے ایکٹر، ڈائریکٹر، پروڈیوسرز کے آفس ہیں، یہاں وہی میڈیا آتی ہے جنھیں باضابطہ اندر والوں نے ایکسیز دی ہوتی ہے، ایسے ہی منہ اٹھا کر کوئی نہیں آجاتا جو پولیس کمپلین کر کے نکال دیا جائے۔۔۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولا تھا۔

"تو یہ تمہارے بلاوے پر آئے ہیں؟"

اس کی بھویں خطرناک انداز میں سکڑی تھی۔

"ناٹ ایٹ آل! لیکن انھیں اجازت ہے، یہ سب چیزیں منیجر صاحب دیکھتے ہیں، میں اتنا ہی جانتا ہوں، اور یقین رکھو صبح تک میں ساری سوشل سائیڈ سے تمہاری اور انس کی ویڈیو اور فوٹو جو بھی ہے ہٹوا دوں گا۔۔۔"

اس کا بلڈ پریشر نارمل کرنے کیلیئے وہ یقین دہانی کراتا ہوا بولا تھا۔

"اور لوگوں کے دماغ سے؟"

اس کے تلخ سوال پر جبران کے اندر کچھ بہت اندر گہرائی میں جا کر ڈوبا تھا۔

"اتنا ناقابل برداشت ہے تمہارے لیے میرا حوالہ۔۔۔؟"

اس کی آواز گہری کھائی سے ابھری تھی۔

"اس سے بھی کئی زیادہ۔۔"

وہ موم کی لڑکی پتھر سے زیادہ سنگ دل رکھتی تھی اور لہجوں میں چمکتے ہوئے ایسے خنجر جو جگر میں اترے تو آر پار ہو کر بے دردی سے نکل جائے۔

"پھر شادی کیوں کی۔۔۔؟"

اس کی آواز میں شہر خاموشیاں ساویران سنناٹا گونج رہا تھا۔

"انس کو اس کی جگہ دلانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ تمہارے نام کا پاس استعمال کیا جائے۔۔۔"

وہ سفاکیت کی انتہا تک صاف گو تھی، وار کرتے ہوئے توقف بھی نہیں لیتی تھی۔ جبران کے اندر بہت کچھ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا تھا۔

"زرناب جاوید"!

ضبط کی سرحدوں میں یکایک ہی بغاوت کی طوفانی لہر اٹھی تھی، اور دوسرے ہی لمحے اس نے جھٹکے سے اپنی جگہ کھڑے ہوتے اسے کلائی سے کھینچ کر اپنے ساتھ لگاتے اس کے دونوں ہاتھوں کو کمر سے لگا کر بے بس کیا تھا، جب تک زرناب اس افتاد سے سنبھلی تھی وہ مکمل اس کے شکنجے میں پھسی کسمسانے سے قاصر تھی۔

"جبران عباسی! یہ کیا بیہودگی ہے۔۔۔؟"

اس کے سینے سے لگی بہت قریب سے اس کی بھوری آنکھوں میں مدوجزر کا شکار جذبات کا سمندر دیکھتی وہ غرائی تھی۔

"میں مانتا ہوں میں صدف کا گنہگار ہوں، میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، ان کے جائز حق سے انھیں محروم رکھا، حق تلفی کی، ان کی ذات سے لاپرواہ رہا، تم مجھے شقی القلب، سنگ دل، بے حس، کج ادا، ہر جائی، سب کہنے کیلئے کہیں نہ کہیں حق بجانب ہو، لیکن میں نے ان کے حق میں خیانت کبھی نہیں کی نہ ہی تمہارے حق میں بد دیانتی کی ہے، یہ سراسر الزام ہے مجھ پر کہ میں اس دن شبرینہ کی برتھ ڈے کیلئے آیا تھا، ارے! مجھے تو۔۔۔۔"

"تمہارا وکیل تمہاری صفائی پیش کر چکا ہے۔۔"

وہ مشتعل انداز میں اپنا دفاع کر ہی رہا تھا کہ اس نے استہزائیہ انداز میں ٹوک دیا۔

"میں نے کسی کو اپنا وکیل نہیں بنایا ہے۔۔"

وہ بے چین ہوا تھا۔

"مجھے چھوڑو جبران عباسی۔۔"

اس کی آواز میں خون منجمد کر دینے جیسی سرد مہری شامل تھی۔

"زرناب میں۔۔۔"

مجھے چھوڑو جبران عباسی۔۔۔"

وہ پوری قوت لگا کر اس کے حصار سے آزاد ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں بحر بیکراں نا فہم سی دیوانگی، بے ترتیب لہجے میں باغی لہروں سی تباہیاں لیکر اٹھتی بے تابیوں نے زرناب کو بری طرح جھنجھوڑا تھا۔ سامنے کھڑا شخص اس جبران عباسی سے قطعی مختلف تھا۔

"آئندہ میرے دس قدم کے دائرے میں قدم مت رکھنا، ورنہ جان لے لوں گی میں تمہاری۔۔۔"

بری طرح ہانپتی ہوئی وہ پیشانی پر نمودار ہوئی بوندوں کو صاف کرتی منتشر اعصاب سنگ واش روم کی جانب دوڑی تھی۔

کون مرنے کو ترے کوچے میں خود آتا ہے
پر یہ بے تابی دل ہے، کہ اڑا لاتی ہے۔۔۔

وہ احمد کے چلے جانے کے بعد بھی کافی دیر تلک ہال میں بیٹھا اسکرپٹ کے اوراق کی گردان کرتا رہا تھا۔اگر کہا جائے کہ نس نس میں اس کے کانچ سے چبھتے لہجے و الفاظ سے اتری زہر آلود تلخی کا دوا کرتا رہا تھا تو شائد زیادہ مناسب رہے گا۔

گھڑی کے دوڑتے بھاگتے کانٹوں نے ساڑھے بارہ بجے کا اعلان کیا تھا جب منتشر ذہن پر دن بھر کی بلکہ اتنے دنوں کی اعصابی تھکن غالب آنے لگی تو وہ سرد سانس خارج کرتا ہوا کمرے میں آیا تھا۔

انس پرسکون نیند سو رہا تھا جبکہ وہ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے لیپ ٹاپ میں مصروف تھی۔

قریب ڈیڑھ مہینے بعد ایسا مکمل و دل آویز منظر دیکھ کر جہاں اس کے بنجر دل میں تراوت اتری تھی،وہیں آنکھیں ناسمجھی سے سکڑی بھی تھی۔

کیونکہ اس مکمل منظر میں اس کی جگہ غائب تھی،ان دونوں کے بیڈ کے بیچ و بیچ قابض ہونے کا انداز کچھ ایسا تھا جس کے بعد جبر ان کی جگہ کسی سائیڈ بھی نہیں بن سکتی تھی۔

"ایک جانب ہو جاؤ مجھے سونا ہے۔۔"

وہ بیڈ کے قریب چلا آیا تھا۔

"لیکن یہاں تو جگہ ہے ہی نہیں"

اس نے مصروفیت ترک کیے بغیر جواب دیا تھا۔

"تو میں کہاں سوؤں گا۔۔؟"

جبران کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"غالباً ہال اور اندر کمرے میں بھی صوفہ موجود ہے اپنے کمفرٹ کے حساب سے چوز کرلو۔۔۔"

اس کے اطمینان بخش جواب پر جبران نے جھٹکے سے مڑ کر پہلے پیچھے صوفے کو پھر اس سنگ دل لڑکی کو دیکھا تھا۔

"آر یو سیریس ؟ میں اتنا لمبا چوڑا آدمی اس اتنے سے صوفے پر سوؤں گا، مذاق کر ہی ہوں تم میرے ساتھ۔۔؟"

"میرے اور تمہارے تعلق میں ایسی تازگی نہیں ہے جو اس میں مذاق کے پھول لگیں، لہٰذا میں سو فیصد سنجیدہ ہوں، یہاں میں تمہاری وجہ سے پھنسی ہوں تو آف کورس میں اپنا کمفرٹ دیکھوں گی۔۔۔"

Click On The Link Above To Read More Novels / / 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

کی بورڈ پر تسلسل سے مخروطی انگلیاں چلاتے اس نے غضب بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

"زرناب پلیز! کل میرا شوٹ ہے ابھی کے لیے ہم بحث ملتوی کرتے ہیں، صبح واپس سے شروع کر لینا۔۔"

وہ مصلحتانہ انداز اپناتا ہوا بولا۔

"لیکن تم اپنے فلموں میں تو بہت اچھے سے تکیہ اٹھا کر جینٹل مین بنے صوفے کا رخ کر لیتے ہو۔۔"

اب کے اس نے عدسہ کے پار سے تیکھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"یار دو منٹ کا شوٹ ہوتا ہے وہ۔۔"

وہ پریشان ہوا تھا۔

"آج کی رات سو کر دیکھو پتا لگ جائے گا کاغذ کا شیر اور کہانی کا جینٹل مین بننے میں اور اصل میدان میں طبع آزمائی میں کتنا فرق ہوتا ہے۔۔۔"

وہ شانے اچکا مزے سے بولی تھی۔

"میں۔۔"

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

آگے وہ کچھ بولتا کہ اس نے ایئر برڈز کو اندر تک کان میں ٹھوس لیا تھا۔

جبران چند ساعت تو اسی جگہ کھڑا اس ظالم لڑکی کی انتقامی کارروائی پر ششدر کھڑا دیکھتا رہا پھر تکیہ اور دو کشن اٹھا کر صوفے کی جانب قدم اٹھانے لگا۔

ڈراموں میں جینٹل مین بن کر بنا تکیے کے ہی ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر مہان ہیرو بننے اور اصل زندگی میں اسی سین کو جینے میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے آج اس منجھے ہوئے اداکار کی خوب سمجھ آرہی تھی۔

"اب آیا نا مزہ "!

بظاہر لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف متوجہ زرناب اسے تکیہ اور کشنز کو الگ الگ ترتیب سے کبھی ہاتھ، کبھی پیر تو کبھی سر کے نیچے دباتے ہوئے آرام دہ پوزیشن کی تلاش میں خوار ہوتا دیکھ خوب محفوظ ہو رہی تھی۔

دماغ جو یہاں بلاوجہ پھنس کر گرم انجن کی طرح دھواں چھوڑ رہا تھا اب وہاں ہمالیہ کی حسین وادیوں جیسا حسین موسم ہو رہا تھا۔

وہ آرام سے لیپ ٹاپ آف کر کے سائیڈ پر رکھتی ہوئی پانی پینے کے غرض سے انگلیاں چٹخاتی کھڑی ہوئی تھی۔

جب بے چینی سے کبھی ادھر تو کبھی ادھر ہو رہے جبران کی نگاہ اس کے سراپے پر پڑی۔۔

"یہ۔۔یہ تو میری ٹی شرٹ ہے۔۔۔؟"

وہ یکدم سے صوفہ چھوڑ کر اس کے قریب آیا تھا۔

"ہاں! تو میں نے کب کہا میری ہے۔۔۔"!

اس نے ناقدانہ نگاہ ٹی شرٹ پر ڈالی۔

"پر۔۔۔۔"

اس کے الٹے ہی جواب پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"تمہارے وارڈروب میں اس کے علاوہ کوئی دوسری شرٹ پیکڈ نہیں تھی سارے ہینگ کیے ہوئے تھے، اور میں کسی کی استعمال شدہ شے استعمال نہیں کرتی، سو مجبوراً مجھے یہ پہننا پڑا آخر یہاں پھنسی بھی تو میں سپر اسٹار صاحب کی مہربانی سے ہی ہوں نا، بٹ ڈونٹ وری میں لوٹا دوں گی۔۔"

بوتل لبوں سے لگاتے اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"استعمال شدہ شے میں بھی استعمال نہیں کرتا۔۔۔"

وہ جتا کر بولا تھا۔

"میں اپنی استعمال شدہ شے کسی کو دیتی بھی نہیں ہوں، میں نئی دلوانے کی بات کر رہی ہوں۔۔۔"

اس نے شانے سے نادیدہ گرد جھاڑنے کے انداز میں جواب دیا تھا۔

"تم۔۔تم جانتی بھی ہو اس شرٹ کی اہمیت۔۔"

"نہیں "!

وہ اپنی جگہ دراز ہو کر لائٹ آف کر چکی تھی۔

وہ ایک مرتبہ پھر کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔

یہ لڑکی اس کا خون جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی اور جب موقع ملتا نہیں تو وہ خود بنا لیتی تھی۔اس نے سختی سے جبڑوں کو بھینچ لیا تھا۔

کل پروموشن کے لیے اسے یہ ٹی شرٹ پہننی تھی،اس ٹی شرٹ کا فلم کی کہانی کے ساتھ خاص تعلق تھا۔فلم کے پوسٹر پر بھی اس نے یہی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

اس فلم کی پوری ٹیم کل یہی ٹی شرٹ پہننے والی تھی یہ بات احمد نے اس کے سامنے ہی وارڈروب میں ٹی شرٹ رکھتے ہوئے بالخصوص اسے یاد کروائی تھی۔۔

جس کا مس بھاپ انجن کے خرافاتی دماغ نے فائدہ اٹھایا تھا۔

یوں بھی اس کے دل جلاتے انداز ہی پتا لگ رہا تھا یہ ٹی شرٹ اس نے فقط اسے پریشان کرنے کے لیے پہنی ہے۔ ورنہ وہ جس سوٹ میں تھی گھر میں کتنی ہی مرتبہ اسے اس نے اسی میں سوتے دیکھا تھا۔

novel by j nikhat

"گرما گرم، لذیز، ذائقہ دار خشبودار، کسی حسینہ کی کالی گھٹاؤں جیسی زلفوں سے بھی کالی آنکھوں میں سجتے کاجل سے بھی کالی بلیک ٹی۔۔ آہا! ہا"!

سدرہ بلیک کافی کی خوشبو نتھنوں کے زریع اندر اتارتی ہوئی اس کے کیبن میں گھسی تھی۔

اس کے کافی کی تعریف کرنے کی کوشش میں اس بری طرح سے جنازہ نکالنے پر زرناب نے بس لحظے بھر کو نگاہ اٹھائی تھی۔

"یار! اس بدذائقہ، بدرنگ، اُبلے پھیکے پلس کڑوے پانی کی تعریف ذرا مشکل ہے، پھر بھی میں نے کوشش کی، کنیز کی کوشش کو سراہا جائے۔۔"

ادب سے کافی پیش کرتے اس نے مسمسی سی شکل ڈالی تھی۔

"تھوڑی اور کوشش کریں اس دروازے سے باہر جانے کی۔۔"

وہ سپاٹ انداز میں بولی تھی۔

ایک ہفتہ سے اس نے سدرہ کا بائیکاٹ کر رکھا تھا وہ منانے کے سارے حربے اپنا چکی تھی لیکن زرناب ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی، کتنے ہی بار تو اس کا احمد کو فون کر کے عزت افزائی کرنے کا من کیا تھا لیکن فائدہ اس کا کچھ نہیں تھا۔

"ملکہ عالیہ! پلیز نوش فرمالیں آپ کا پسندیدہ مشروب ہے، جو کنیز نے اپنے ان کومل کومل سول انجینئر ہاتھوں سے بنائی ہے، جو کہ آپ کو بے حد لبھاتی ہے۔۔۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر کپ کو اس کی جانب کھسکایا تھا۔

زرناب اپنی نشست چھوڑ کر فائل سمیت دوسری جانب بڑھ گئی تھی۔

"پی لونا یار! آج تک اپنے اکلوتے فیانسی تک کو کافی بنا کر نہیں پلائی ہے اور اتنے سالوں سے تمہیں ثواب سمجھ کر اپنے خدمات پیش کر رہی ہوں، اور اب ایک غلطی پر تم یوں بے رخ ہو گئی ہو، میں بتا رہی ہوں اب میں رونا شروع کر دوں گی۔"!!

روہانسی ہو کر جذباتی تقریر کے بعد وہ سوں سوں کرنے لگی تھی اب یہی ایک راستہ بچا تھا اس پتھر کو پگھلانے کا۔

"اچھا ہے، دل جمعی سے پریکٹس کرو، شائد افاقہ ہو ہی جائے، ورنہ رخصتی پر تمہاری آنکھوں سے آنسو نکلنا تو اس صدی کا معجزہ ہی ہونے والا ہے۔۔۔" پتھر پگھلتے نہیں ہیں، البتہ اس سے ٹکرانے والے کا سر ضرور پھوٹ جاتا ہے۔اس کے طمانیت بھرے جواب پر سدرہ نے نادیدہ آنسو کو صاف کرتے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

"یار ہو گئی نا غلطی؟ اب اس کے لیے اپنی اکلوتی دوست کو گولی تھوڑی مارو گی تم۔۔؟"

"گولی مارنا مسئلہ نہیں ہے، لیکن گولی آئے گی کہاں سے مسئلہ ہے۔۔۔"

زرناب"!

اس کے برجستہ انداز پر سدرہ نے صدمہ سے اس بے نیاز کو دیکھا۔

"ایک اکلوتی سہیلی ہوں میں تمہاری، ایسی خطرناک سوچ ذہن میں لاتے ہوئے دل نہیں کانپا تمہارا؟"

"اکلوتی سہیلی کا دل کانپتا تھا غداری کرتے ہوئے، دشمن کی سازش میں ملوث ہو کر اپنی دوست کو دھوکہ دیتے ہوئے۔۔؟"

زرناب نے الٹا اسے کٹہرے میں کھڑا کیا تو سدرہ بغلیں جھانکنے لگی تھی۔

"یار! میں تو بس تم دونوں کی مس انڈراسٹینڈنگ دور کرنا چاہتی تھی، تم دونوں کی صلح کروانا چاہتی تھی، اور تو کچھ نہیں۔۔"

سدرہ نے شرمندہ شرمندہ انداز میں صفائی پیش کی۔

" کیا بکواس ہے یار "!

بجائے متاثر ہونے کے وہ مشتعل ہوئی تھی۔

"فار گاڈ سیک! خدا کا واسطہ ہے، تم لوگ اس بندے کی

اداکاریوں سے متاثر ہو کر جذباتی مت ہوا کرو۔۔ نہیں! کیا رشتہ ہے میرا اس شخص سے جو غصہ، ناچاکی، انڈر اسٹینڈنگ یا مس انڈر اسٹینڈنگ سے کوئی فرق پڑے؟"

وہ جھنجھلائی تھی۔

"اور شادی سے پہلے اس شادی کے فیصلے کے پیچھے کی یعنی اس سو کالڈ رشتے کی کلئیرٹی میں نے تمہیں اچھے سے دی تھی، اس کے بعد کم از کم میں تم سے ایسی کی حماقت کی امید نہیں رکھتی یار!"

وہ خفگی سے کہتی ہوئی جاکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"پر یار سب تو ٹھیک ہو رہا ہے نا، اس بندے نے اپنے اندر اتنا کچھ بدل لیا ہے، وہ انس کے ساتھ اتنا اچھے سے رہ رہا ہے، تم نے کہا تھا تم انس کو اس کا حق پدرانہ محبت و شفقت دلانا چاہتی ہو، وہ سب وہ دے رہا ہے، پھر مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟"

سدرہ اس کے سخت معترض انداز پر الجھ گئی تھی۔

"مسئلہ یہی ہے کہ میں نے انس کیلئے سب کچھ چاہا تھا، اور میں انس کیلئے 'ہی' سب چاہ رہی ہوں، ذاتی طور پر میں اس سے راست یا بلواسط کچھ بھی توقع نہیں رکھتی

ہوں، یہ بات میں نے اکٹھے اور پھر علیحیدہ علیحدہ بھی تم سب کو سمجھا چکی ہوں، لہٰذا فضول کی کوششیں مت کرو۔"

اس نے سر اٹھا کر اپنے ہنوز اسی موقف پر اسی مصمم ارادے کے ساتھ کھڑا ہونے کی مضبوط انداز میں تصدیق کی تو سدرہ چند ساعت تک حق دق سی اس کا چہرہ دیکھے گئی تھی۔

"تت۔۔ تمہارا کہنے کا مطلب ہے اگر وہ بندہ پوری طرح تمہاری جانب لوٹ بھی آیا تو۔۔۔"

"تو۔۔۔؟"

اس نے سپاٹ نگاہ اٹھائی تھی۔

"زرناب!۔۔ میں۔۔ میں سمجھ سکتی ہوں، جب تم نے شادی کا فیصلہ لیا تھا تب حالات قطعی مختلف تھے، اور صدف کے ساتھ اس شخص کے روا رکھے گئے سلوک کے پیش نظر ہم بہتر کی امید کر بھی نہیں سکتے تھے، لیکن ان گزرے سات آٹھ ماہ میں جس قدر اس شخص کا رویہ بدلہ ہے، اب تو سوچا جا سکتا ہے نا؟ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

سدرہ اس کے تیوروں کے پیش نظر زبان لبوں پر پھیرتی ہوئی جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے نقوش میں اترے تناؤ، آنکھوں میں ٹھہری استہزاء کو دیکھنے لگی تھی۔

"بچپن سے میرے اور صدف کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہونے کے باوجود ہم دونوں کی پسند میں کافی مماثلت رہی ہے، اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ ہماری نظر انتخاب ایک ہی چیز پر ٹھہر جاتی تھی، لیکن بجائے وہ چیز خود لینے یا اپنا من مار کر دوسرے کو دینے کہ، یا تو ہم ویسا ہی ایک چیز اور تلاش کرتے تھے یا دونوں چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ ہمارے رشتے کا کوڈ تھا 'یا تو دونوں کو ملے یا کسی کو نہیں'۔۔ یاد ہوگا تمہیں، ایک مرتبہ صدف نے دو گھڑی آرڈر کی تھی پر ایک ہی رسیو ہوا اس کے بعد وہ اسٹاک میں ہی ختم ہو گیا، اس کے بعد باوجود بہت پسند ہونے کے صدف نے اس گھڑی کو کبھی نہیں پہنا۔۔۔"

فائل کی سطح کو ناخون کی مدد سے کھرچتے ہوئے صدف کی یادیں دہراتے اس کے لہجے میں حزن و ملال کا موسم ٹھہرا ہوا تھا لیکن اس کے زریعہ جو وہ سدرہ کو سمجھانا چاہتی تھی وہ سدرہ کو اندر تک ہلا گیا تھا۔

"اتنی شدت پسند مت بنو زرناب"!

سدرہ بھاری دل کے ساتھ اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"میں ہمارے بیچ کا کوڈ نہیں توڑ سکتی، جو صدف کو جان لٹا کر بھی نہیں ملا وہ مجھے مفت میں بھی نہیں چاہیے۔۔۔"

وہ سر جھٹک کر دل شکنی سے مسکراتی کڑوی کافی کے گھونٹ بھرنے لگی تھی۔

ⓝⓞⓥⓔⓛ ⓑⓨ ⓙ ⓝⓘⓚⓗⓐⓣ

یہ اکیسوی صدی کا معجزہ تھا یا عباسی مینشن میں اترا کرشمہ جو اتفاق سے ڈائننگ ٹیبل پر ڈنر کے لیے سارے ہی لوگ موجود تھے۔

زرناب حسب عادت عباسی صاحب کی دائیں جانب بیٹھی تھی جبکہ بائیں جانب جبران تھا پھر بلا ترتیب دونوں بہنیں اور ماں تھی، جبکہ زرناب کی سائیڈ ثمرن کے دونوں بچے تھے۔

ماں بیٹیوں کے بیچ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ ہوا تھا پھر رائتہ کا برتن اپنی جانب کھسکاتے ہوئے زینت بیگم گویا ہوئی تھی۔

"میں، صنوبر اور ثمرن کل رات کی فلائٹ سے صنوبر کے سسرالیوں کے ساتھ دوبئی جا رہے ہیں ایک ہفتہ کیلیۓ، وہاں شاپنگ وغیرہ کریں گے اور وقت ملا تو

تھوڑا گھوم پھر بھی لیں گے، کافی عرصہ ہو گیا ہے کہیں گئے،اس دوران باتوں ہی باتوں میں صنوبر کی شادی کے متعلق بھی ان کے ارادے جان لوں گی۔۔۔"

خلافِ مزاج انھوں نے بڑے ہی متحمل بلکہ حلاوت آمیز انداز میں بتاتے شوہر کو دیکھا تھا۔ جس پر تعجب سے عباسی کی بھویں قریب آئی تھی، یہ آج سورج کس جانب طلوع ہوا تھا؟ ورنہ توان کے نکل جانے کے بعد کہیں جا کر عباسی صاحب کو خبر لگتی تھی۔

حیرانی چھپاتے ہوئے انھوں نے اس انقلاب پر اثبات میں سر کو جنبش دیا تھا۔ زرناب ہنوز لاتعلق بنی کھانے میں مصروف تھی جیسے یہاں موجود ہی نہ ہو۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے اکرام بزنس کے سلسلے میں مصروف ہوتے ہیں، ان کے گھر آنے جانے کا کوئی وقت ہی مقرر نہیں ہوتا،اور ثمرن کی ساس نند سے تو خیر کی امید ہی عبث ہے، نینی بھی رات نہیں ٹھہرتی تو بچے اس دوران یہیں رہیں گے، نینی دن کیلئے یہی آجایا کرے گی،اور رات۔۔"

انھوں نے جملے کا تسلسل توڑتے براہ راست نگاہ زرناب کی طرف اٹھائی تبھی زرناب کی بے تاثر نگاہ بھی ان کی جانب اٹھی تھی، صرف زرناب کی ہی نہیں سبھی کی، جبران نے بھی چمچ کی حرکت کو روک کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"انکل! میرا ہو گیا آپ لوگ انجوائے کیجیے۔۔"

وہ نیپکین سے انگلیاں صاف کرتی کھڑی ہوئی تھی۔

"اور رات میں بچوں کو دیکھنا ہوتا ہی کیا ہے آپ اور زرناب ہوں گے ہی تو۔۔۔"

زینت بیگم نے جلدی سے ادھورا جملہ مکمل کرنا چاہا تھا لیکن اس کے یکدم سے نیپکین کو پلیٹ میں چھوڑنے پر ان کے کھلے لب کھلے ہی رہ گئے۔

"ایکسکیوز می؟ کیا کہا آپ نے؟"

اس نے بھوؤں کو استفہامیہ انداز میں جوڑتے انھیں دیکھا۔

"آ۔۔ایسے کیا دیکھ رہی ہو جیسے کوئی انہونی بات کر دی ہو، صدف بھی دیکھا کرتی تھی بچوں کو، بلکہ صدف کو تو ثمرن کے دونوں بچوں سے انتہا کی محبت

تھی۔وہ تو ضد کیا کرتی تھی ثمرن سے بچوں کو یہاں چھوڑنے کے لیے تاکہ اس کا دل بہلا رہے۔۔"

زینت بیگم نے نخوت سے ناک سکیڑتے فخر سے یوں بتایا تھا۔جیسے کتنا بڑا احسان کرتے تھے وہ صدف پر،ہر چوتھے دن دونوں بچوں کو اس کے حوالے کر کے نت نئی دنیا کی دریافت میں نکل کر۔

صدف کے ذکر پر جبران نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا،عضلات میں واضح تناؤ اترا تھا کیونکہ زرناب کے نقوش میں کھنچاؤ اور تنفر کی لالی وہ دیکھ سکتا تھا۔

"اول تو میرے پاس دل بہلانے کے لیے فرصت کی بڑی قلت ہے،دوئم،فرصت میسر آجائے تو بہت سے مشاغل ہے میرے پاس،اور میرا پرنس تو ہے ہی،سو میں اس سعادت سے محروم ہی بھلی۔۔"

وہ بدمزگی سے پرہیز کرتی شانے اچکا کر کہتی مڑی تھی۔

"ارے!ایسا کون سا میں نے تمہیں اپنے بچوں کی نیپی بدلنے کیلئے کہہ دیا ہے جو ایسے لُکس دیکر جا رہی ہو؟اکلوتی ممانی ہو میرے بچوں کی،حق ہے ان کا تم پر،ایسے کیوں بدک رہی ہو صدف تو نہیں بدکتی تھی۔۔"

ثمرن کو اس کے انداز نے پتنگے لگائے تو وہ باپ اور بھائی کی موجودگی بھلائے تن کر اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔

"بار بار صدف کا نام مت لایا کرو تم لوگ اپنی زبان پر، ڈز رو نہیں کرتے تھے تم لوگ اسے۔۔"

اس نے ترش انداز میں انگلی اٹھا کر کہتے کٹیلی نگاہ لب بھینچے بیٹھے جبران پر لیجا کر روکی تھی۔

"اور نا، صدف جیسے اچھے لوگوں کی مثال 'ہوا' جیسی ہوتی ہے، جب ہو آس پاس تو نظر نہیں آتی، لیکن نہ ہو تو آکسیجن کی اہمیت سمجھ آجاتی ہے، پر میں 'آنسو گیس' جیسی ہوں، مجھ سے الجھنے والے خون کے آنسو روتے ہیں اور ایک آخری بات۔۔۔"

ثمرن کلس کر منہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اس نے جملہ وہیں سے واپس جوڑ دیا۔

"اور جو اولاد پیدا کر کے اسے وقت اور توجہ نہیں دے سکتا، اسے اولاد پیدا ہی نہیں کرنی چاہیئے۔۔۔"

تینوں ماں بیٹی کو سر سے پیر تلک سلگاتے ہوئے وہ فاتحانہ قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"دد۔۔دیکھا تم نے اتنی سی۔۔اتنی سی بات کیلئے کیسے ہمیں دانہ پانی گن کر گئی ہے،اور آپ دونوں بیٹھے ثواب سمجھ کر اس کی تقریر سنتے رہے۔۔۔؟"

زینت بیگم ثمرن کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دیکھ کر شوہر اور بیٹے کی طرف مڑی تھی۔

"مام پلیز! شاپنگ کوئی ایسا ضروری کام نہیں ہے جس کیلئے بچوں کو چھوڑا جا سکے،اور یہاں پر بھی ایک سے بڑھ کر ایک شاپنگ برانڈز اویلیبل ہے،اور صدف اس کا ٹریگر پوائنٹ ہے،بہتر ہے آپ اس نام کو اوائیڈ کریں۔۔"

وہ سنجیدہ نظر ماں کے طنطناتے نقوش پر ڈال کر کرسی کھسکاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جبران تم۔۔۔تم۔۔۔"

بیٹے کے صاف سیدھے انداز میں موردالزام ٹھہرانے پر زینت بیگم کے الفاظ ہی سارے گم ہو گئے تھے۔جبکہ عباسی صاحب نے فخر سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"آپ ہنس لیں، آپ کو تو مزہ آتا ہے نا جب ہماری وہ بے عزتی کر کے جاتی ہے، بلکہ آپ ہی کی شہ تو ہے اسے، اور ماشاءاللہ سے بیٹے کو بھی زن مریدی کے اسباق خوب رٹائیں ہیں، اب ماں بہن کے آنسو پر وہ بیوی کی چرب زبانی کو دفاع کرے گا، یہی تو دیکھنا باقی تھا نا زندگی میں۔۔"

زینت بیگم زخمی ناگن کی طرح پھوں پھاں کرنا شروع کر چکی تھی۔ جبران تو جا ہی چکا تھا عباسی صاحب بھی اطمینان سے اپنی نشست چھوڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔

"پروفیسر صاحب! آج تو بتا ہی دیں، آخر کس گناہ کی سزا کے طور پر اس لڑکی کو نازل کیا ہے آپ نے ہم پر؟"

ان کو آرام سے وہاں سے نکلنے کو پر تولتا دیکھ وہ آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو لیے سامنے حائل ہوئی تھی۔

"جنت نشیں ابا حضور دنیا سے چلے گئے میں نے تو ان سے کبھی یہ سوال نہیں کیا۔۔؟"

پشت پر دونوں ہاتھ باندھتے انھوں نے متبسم لہجے میں زرناب اور جبران نے جو کسر چھوڑدی تھی وہ پوری کی۔

"آپ۔۔۔"

مارے صدمے کے زینت بیگم بیہوش ہونے لگی تھی۔

"اور ثمرن بیٹا! بے شک زرناب کا طریقہ غلط تھا لیکن بات تو درست ہی ہے نا، ماں باپ کی محبت و توجہ سے بھرا بچپن ملنا ہر بچے کا پیدائشی حق ہے، زرناب جاب کرتی ہے پھر بھی گھر آکر اپنا سارا وقت انس کے نذر کر دیتی ہے، اور آپ فارغ رہ کر بھی بچوں کو نینی کے بھروسے چھوڑ رکھا ہے، اس طرح بچوں میں اعتماد نہیں پنپ پاتا ہے، آپ خود دیکھ لو، ابھی انس ڈیڑھ سال کے بھی نہیں ہوئے ہیں، کتنے ایکٹو ہیں، کتنی باتیں کرتے ہی، اور دانیہ ساڑھے تین سال کی ہو کر بھی اب تک بات نہیں کر رہی۔۔۔۔۔۔"

دانیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انھوں نے رسان سے بیٹی کو سمجھایا تھا۔

"وہ۔۔ ہم نے چائلڈ سائیکاٹرسٹ سے رابطہ کیا ہے بابا۔۔۔"

دل ہی دل پیچ و تاب کھاتے ثمرن نے بتایا تھا۔۔

"آپ اور اکرام بچی پر توجہ دو سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔"

وہ کہتے ہوئے خود کو خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی زوجہ کو صاف نظر انداز کرتے واک آؤٹ کر گئے، پیچھے تینوں بنا بات کے ہوئی مٹی پلید پر جلتی کڑھتی رہ گئی تھی۔

"آپ لوگ؟"

ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی حیرت کی زیادتی سے اس کی آواز بلند ہوئی تھی۔

اس نے تحیر سے پھیلی آنکھیں گھما کر ایک ایک فرد پر ڈالی فاروق صاحب، جاوید صاحب، آسیہ بیگم اور فرزانہ (جاوید صاحب کی دوسری بیوی) کے ساتھ عباسی صاحب اور انس کو گود میں لیے مودب سے اداکار صاحب بھی محفل کا حصہ تھے۔

یہی کچھ آدھے گھنٹے پہلے کی بات تھی جب عباسی صاحب نے فون کر کے اسے جلد از جلد گھر پہنچنے کیلئے کہتے بنا اسے کچھ پوچھنے کا موقع دیے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

چونکہ جبران کا آج کوئی شوٹ نہیں تھا وہ گھر ہی رہنے والا تھا تو وہ انس کو گھر چھوڑ کر گئی تھی تبھی افرا تفری میں سدرہ کو آدھے دن کی لیو لگانے کا کہتی وہ انا فانا گھر پہنچی تھی لیکن یہاں تو الگ ہی باغ بہار محفل سجی ہوئی تھی۔

"مم۔۔ مما۔۔ مم۔۔ مما"

انس کی پرجوش آواز نے اسے بے یقینی کے سمندر سے نکالا تو وہ خفت زدہ سی اس کی جانب بڑھی تھی۔

"اب ہماری بیٹی کو تو فرصت ملتی نہیں ہے ہم سے خود آکر ملنے کی، ہم نے سوچا ہم خود مل آتے ہیں، کیسا لگا پھر سرپرائز؟"

جاوید صاحب نے اپنائیت بھرا شکوہ کیا تھا۔

"وہ۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے بابا۔۔"

وہ جبران کی گود سے نکل کر اپنی جانب بڑھے انس کو گود میں اٹھائے ان کی جانب بڑھی انھوں نے اپنا مشفق ہاتھ اسی مان و محبت کے ساتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔

اس کے بعد وہ فاروق صاحب کے آگے دعا لینے کے لیے جھکی تھی پھر مسکراتی ہوئی آسیہ بیگم اور فرزانہ بیگم کے درمیان جا کر نشستہ ہو گئی تھی۔

"اب آپ دونوں خواتین بتائیں ماجرا کیا ہے؟"

سلام دعا جیسی اخلاقیات کے بعد وہ سید حامد عاپر آئی تھی۔

"کیوں بھئی؟ ہم اپنی بیٹی سے ملنے اس کے سسرال نہیں آ سکتے؟"

فرزانہ بیگم نے مصنوعی خفگی سے پوچھا تھا۔ آسیہ بیگم نے بھی سر ہلا کر ان کی تائید کی تھی۔ لیکن زرناب بھی کائیاں تھی۔

"جانے کو تو آپ دونوں خواتین چاند پر بھی جا سکتی ہیں، لیکن بغیر کسی بہت ہی ضروری کام کے آپ دونوں سے آپ کے شوہرِ نامدار بھی دہلیز عبور نہیں کروا سکتے ہیں۔ لہٰذا مدعا پر آئیں، آپ لوگوں کی یہ ہنگامی آمد وہ بھی بغیر ذکر واطلاع کافی مشکوک ہے؟"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر دونوں پر باری باری نظر ڈالی۔

"ایک نمبر کی بدمعاش ہو، تمہارے ولیمے کی بات کرنے آئے ہیں۔۔"

"وہاٹ۔۔"

"ششش"!!

اس کے یکدم سے جھٹکا کھا کر اپنی جگہ سے اٹھنے سے قبل ہی دونوں نے بازو تھام کر اسے روکا تھا۔

"آرام سے؟"

"کیا آرام سے یار؟ اب یہ ولیمے کا چیپٹر کیسے کھل گیا؟"

اس نے دبی آواز میں پریشانی سموئے خاص نظر آسیہ بیگم پر ڈالی۔

"کیا مطلب ہوا چیپٹر کیسے کھل گیا؟ نکاح کے بعد ولیمہ سنت ہے، تمہارا نکاح جن حالات میں ہوا تھا تب حالات مناسب نہیں تھے ولیمے کی فوری تقریب کے لیے، لیکن اب تو خیر سے تمہاری شادی کو بھی آٹھ سے نو مہینے ہونے کو آئے ہیں، انس بھی ڈیڑھ سال سے اُوپر کا ہو گیا ہے تو اب ولیمہ ہو جانا چاہیے۔۔۔"

آسیہ بیگم نے رسان سے سمجھایا تھا۔

"اصل بات بتائیں؟"

وہ اس روایتی سے جواب سے ذرا مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"زرناب ہر بات میں بال کی کھال نہیں نکالا کرو۔۔۔"

ایک نظر خوش گپیوں میں مصروف مرد حضرات پر ڈالتے آسیہ بیگم نے اسے ڈپٹا تھا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تو فرزانہ بیگم بولی۔

"وہ چند ہفتے قبل شائد تمہاری اور انس کی کوئی تصویر وائرل ہوئی تھی، جس کے بعد تمہاری شادی کو لیکر خاندان میں عجیب و غریب قیاس آرائیاں شروع ہو گئی ہے، اور تمہارے تایا تو اس شادی کے پہلے مخالف تھے، ان کے کانوں تک بات پہنچی تو حسب توقع انھوں نے بھی ٹھیک ٹھاک ہنگامہ ڈال دیا ہے کہ خاندان کی بچی کی ایک بچے کے باپ سے لاوارثوں کی طرح نکاح پڑھوا دیا وغیرہ وغیرہ، سو منہ سو بات، ان کے مزاج سے تو واقف ہی ہو تم، تمہارے بابا نے پریشان ہو کر تمہارے نانا کو کال لگائی یہی سب بتانے اور اتفاق سے تمہارے سسر بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے وہی ڈسکس کرنے آج بالخصوص بہت اصرار کر کے ہم سب کو بلایا ہے۔"

بنا پوری بات جانے اسے چین آنا نہیں تھا لہذا بغیر آنا کانی کیے فرزانہ بیگم نے سارا پس منظر واضح کیا تھا۔

جواباً اُس کی سپاٹ نگاہ جبران پر اُٹھی تھی، یہ شخص یہاں کس خوشی میں نوشابنا تابعداری کے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔۔؟

اس کا دماغ الگ ہی سوال میں الجھا تھا۔

کیونکہ موصوف اپنے پہلے ولیمے میں بھی سیاسی لیڈر کی طرح سب سے آخر میں تشریف لائے تھے، آج شروع سے ڈسکشن میں شرکت کی بھلا کیا تک نکلتی ہے؟

اسے تو ان تین لوگوں کو اگلے دو سال تک ایک گھنٹے کا اسکیجیول بھی خالی نہیں ہے کہہ کر رفع دفع کرنا چاہیے تھا۔

زرناب کی حیرانی کا سلسلہ یہی نہیں رکا تھا۔ لنچ کے دوران بھی مردوں میں یہی موضوع زیرِ بحث رہا تھا۔

فاروق اور عباسی صاحب کی یونیورسٹی میں امتحانات ہونے والے تھے، طے یہ پایا تھا کہ امتحانات کے بعد آرام سے کوئی تاریخ طے کریں گے۔ اس مرتبہ بھی جبران نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

novel by j nikhat

"یہ بندہ آخر چاہتا کیا ہے؟ ہر جگہ اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے ہیں، انکار نہیں کر سکتا تھا سیدھے سیدھے، بڑا شوق ہو رہا ہے بار بار نوشا بننے کا، بلکہ اصل زندگی کو بھی موصوف نے فلمی سیٹ سمجھ رکھا ہے، جتنے موقع آئے ہیر و صاحب بھگتا دیں گے، لوگوں میں امیج اچھی بننے سے مطلب ہے نا۔۔؟"

پورچ میں اس کی گاڑی کھڑی دیکھ کر وہ بڑبڑاتی ہوئی ہی نیچے اتری تھی۔

اس دن مہمانوں کے ساتھ وہ بھی روانہ ہو گیا تھا اور دوبارہ زرناب کو باز پرس کا موقع ملا نہیں تھا کہ اس نے ولیمہ کی جھنجھٹ سے چھٹکارا کیوں حاصل نہیں کیا؟

"چھوٹے صاحب کہاں ہے؟"

ہال میں متحرک ملازمہ سے اس نے سیدھا سوال کیا تھا۔

"جی وہ چھوٹے بابا کے ساتھ سوئمنگ پول کی سائیڈ گئے ہیں۔۔"

ملازمہ نے گلاس ڈور کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"یہ میرے کمرے میں رکھ دو۔۔"

بیگ ملازمہ کی سمت بڑھاتی وہ وہیں سے اس کی خبر گیری کرنے نکل گئی تھی۔

novel by j nikhat

"یا وحشت"!

کانوں کے پردے ہلاتی آواز میں بجتا 'بابا بلیک شیپ' اور سوئمنگ پول میں اچھلتے کودتے دو 'جل پرے' کو دیکھ زرناب جہاں کی تہاں صدمے سے ساکت ہوئی تھی۔

لیکن اپنی ہی مستیوں میں مشغول ان دونوں کو اس کی موجودگی کی بھنک تک نہیں لگی تھی۔

وہ بار بار پانی سے انس کو اُوپر اچھال رہا تھا وہ قلقاریاں مارتا ہوا واپس آکر اس کی باہوں میں گرتا پانی میں ہاتھ پیر چلاتا خوشی سے لال ہو رہا تھا۔

ادھر غروب آفتاب کے دلچسپ نظارے سے لطف اندوز ہوتے ساتھ انھیں بھی ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگاتا دیکھ کر، رات سردی سے ہونے والی لال ناک اور آنکھ کا سوچ کر غصہ سے زرناب کا چہرہ بھی لال بھبھوکا ہوا تھا۔

وہ تن فن کرتی ہوئی سیدھا ساؤنڈ سسٹم کے پاس گئی تھی اور کھٹ سے بٹن کو آف کیا تھا۔ یک بیگ سے فضا میں خاموشی چھائی تو دونوں نے ہی اپنے کھیل میں مخل ہوئے جرات مند کو دیکھنے مڑے اور سامنے کمر پر ہاتھ جمائے فارمل گرے

پتلون پر وائٹ شرٹ اِن کئے خشمگیں تاثرات لیے دبنگ لیڈی کو کھڑا دیکھ دونوں تیر کی طرح سیدھے ہو گئے تھے۔

اس کے برہنہ وجود پر نگاہ گئی تو جزبز ہوتے زرناب کو نگاہ کا زاویہ بدلنا پڑا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟"

پول کے قریب آکر دریافت کرنے کا اس کا انداز خالصتاً تھانیدارنی جیسا تھا۔

"سوئمنگ پول میں کوئی مچھلی تو پکڑ نہیں سکتا ہے، تو۔۔۔"

اس کے گریز سے حظ اٹھاتے جبران نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"تو آپ دونوں نے سوچا ہم پانی کی تنہائی دور کرتے ہیں اور 'جل پری' بن جاتے ہیں، رائٹ؟"

اس نے آنکھیں نکال کر جملہ مکمل کرنا چاہا پر جھلا کر آنکھیں میچ گئی۔

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ! جینڈر تو مت بدلو کم از کم۔۔"

جبران نے جھرجھری لی تھی۔

اس دوران انس نے بڑی ہی شرافت سے شوہر بیوی کی بحث میں مداخلت پر خاموش کو ترجیح دیتے اپنے تئیں عظیم سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔ جو ہمارے معاشرے کے بڑے بڑے سمجھدار بھی نہیں دے پاتے ہیں۔۔

"وہ میں نہانے جارہا تھا، انس بھی پانی کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے تو سوچا انھیں بھی تھوڑا انجوائے کروادوں۔۔"

اس کی اس درجے متاثر کن وضاحت پر زرناب نے اس پر بھسم کرتی نگاہ ڈالنے کی خواہش دباتے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی جو ساڑھے پانچ کا وقت بتا رہی تھی۔

انس کو سردی جلدی لگتی تھی اس لیے وہ اسے شام میں منہ بھی گرم پانی سے دھلواتی اور یہ بندہ یہاں اسے ایک نیکر پہنا کر پانی میں چھپا چھپ اچھال رہا تھا۔

"جبران عباسی! آج تو تم بتا ہی دو تم چیز کیا ہو؟ مطلب کون بندہ شام کے وقت بلکہ کون باپ اس وقت اپنی پدی سی اولاد کو سوئمنگ پول میں اولیمپک چیمپئن شپ کے لیے تیار کرتا ہے۔۔۔؟ افففف"!

وہ سر ہاتھوں میں گرا کر اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔

کیونکہ جس حالت میں وہ تھا وہ چاہ کر بھی اس پر نینوں کے جلتے تیر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

"شام میں کیا مسئلہ ہے؟ بندے کا موڈ وقت دیکھ کر تھوڑی نا بنتا ہے۔ ہے نا پرنس؟"

اس نے انس کی رائے چاہی۔

"بچے کو سردی لگ جاتی ہے سپر اسٹار صاحب"!

وہ چڑ گئی تھی۔

ان دنوں اس کے ساتھ سب الٹ ہو رہا تھا وہ اس بندے کا خون جلانے جاتی تھی اور خود اپنا سیر وں خون جلا آتی تھی۔

"پہلی پہلی بار باپ بنا ہوں، تجربہ نہیں ہے کوئی۔۔۔"

کیا معصومانہ وضاحت تھی۔

"میں تو دو درجن بچوں کو ابھی کنڈر گارڈن سے لے کر آرہی ہوں۔۔ اففف"!!

اس نے تپ کر نگاہ اٹھائی پھر اس کے کسرتی جسم پر نگاہ جاتے ہی گھبرا کر چہرہ ہی موڑ گئی تھی۔

"اب آ بھی جاؤ باہر۔۔۔"!

"ایسے ہی آ جاؤ؟"

اس کے احتراز پر جبران کے لہجے میں لطیف سی شوخی اتری تھی۔

"نہیں! میں جا کر رسکیو ٹیم کو لے کر آتی ہوں۔۔"

اس نے دانت کچکچائے۔

"تم آ جاؤ، ٹیم کہاں اتنی جلدی پہنچ سکے گی۔۔"!

"تم۔۔۔ تم فلرٹ کر رہے ہو میرے ساتھ۔۔اففف"!!

وہ غصہ سے سرخ چہرہ لیے مڑی تھی پر اس پر نگاہ پڑی تو لال ٹماٹر گالوں کے ساتھ اب کے رخ موڑنے کے آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

"اگر میں کہوں ہاں تو؟"

"تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔۔۔"!

"لے تو چکی ہو۔۔۔"!

اس کے لہجے میں گمبھیر ذومعانویت اتری تھی۔

"تم۔۔۔ تم چپ چاپ سے باہر آؤ نہیں آ سکتے تو انس کو دو مجھے اسے سردی لگ جائے گی، میری بلا سے پھر تم جتنے گھنٹے چاہو یہاں پڑے رہو۔۔"

اس کا خون کھول رہا تھا۔

"پیچھے سے باتھ روب اور ٹاول اٹھا کر دو تو ہم آئیں، ایسے آیا تو میں تو باہر آ جاؤں گا پر تم شرطیہ پانی میں چھلانگ لگا دو گی، اور پھر واپس سے مجھے تمہیں بچانے کے لیے کودنا پڑے گا، ڈبل کام۔۔"

وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھاتا پر وثوق انداز میں بولا تھا۔

"تم۔۔ تم ایک نمبر کے گھٹیا آدمی ہو۔ پکڑو اور بچے کو دو۔"

وہ دھپ دھپ کرتی جا کر باتھ روب اور ٹاول لیکر کنارے آئی تھی۔

"کیسے؟"

"کیسے کا کیا مطلب ہوا؟ دو ہاتھ سلامت کندھوں سے لگے ہیں تمہارے۔۔"

وہ تذبذب کا شکار ہوئی تھی۔

"دو سلامت ہاتھوں سے بچے کو تھام رکھا ہے، ہاتھ روب لینے کے لیے تیسرا ہاتھ کہاں سے لاؤ؟ پھر سوکھے کپڑے پانی میں تھوڑی پہنے جاتے ہیں اس کے لیے مجھے باہر آنا ہو گا اور۔۔۔"

وہ غالباً اس کی ضبط و برداشت کا امتحان لینے کی قسم کھا چکا تھا۔

"تم۔۔ تم ایک نمبر کے میسنے آدمی ہو، کرو جو کرنا ہے، میں جا رہی ہوں اندر مجھے پوچھ کر نہانے کا شوق نہیں پالا تھا۔"

اس سے قبل کے پریشر ککر کی طرح وہ پھٹ جاتی وہ کپڑے واپس سے چیئر پر اچھال کر بنا انس کو لیے ہی دھپ دھپ کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ عقب سے جبران کا بھاری محظوظ کن قہقہہ دل جلانے کے لیے دور تلک اس کے تعاقب میں دوڑا تھا۔

"بھاپ انجن"!

اس نے نفی میں سر ہلایا تو نظر خود کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ کم گھور رہے انس پر ٹھہر گئی۔۔

"بھاپ انجن کوئی غلط بات نہیں ہوتی ہے۔۔۔"

شانے اچکا کر ماں کے بیٹے کو صفائی دیتا ہوا وہ پانی سے باہر نکلا تھا۔

novel by j nikhat

اس نے احتجاجاً دونوں باپ بیٹے کا بائیکاٹ کرتے دوبارہ روم میں قدم نہیں رکھا تھا۔البتہ ان کے آنے سے قبل ہی انس کے کپڑے نکل کر بیڈ پر رکھ گئی تھی۔ مغرب عشاء پھر ڈنر کے بعد بھی اس نے اسٹڈی کا ہی رخ کیا تھا۔ لیکن فکر تھی کہ ایک پل چین لینے نہیں دے رہی تھی۔

بلاآخر جھنجھلا کر اپنا سامان اٹھائے کمرے میں آئی تو خلفشار خون واپس سے اسی تیزی سے بڑھ گیا۔

کیونکہ۔۔۔

اس کے سامنے اس وقت دو بچے کمفرٹر سر تک اوڑھے چہرے پر دنیا جہاں کی بھولپن سجائے سرخ ناک کے ساتھ سوں سوں کرتے ہوئے، سردی سے سرخ ہو رہی آنکھوں کو معصومیت سے جھپکا جھپکا اسے متاثر کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ جو اس پر الٹا ہی اثر کر رہا تھا، اسے دونوں پر ہی شدید تپ چڑھی

ہوئی تھی،اور وہ دونوں کو ہی سبق سکھانا چاہتی تھی،خواہ وہ اس کے سسر کا 'چھ فٹ دو انچ کا بچہ 'ہو یا اس کا اپنا 'ڈیڑھ فٹ کا سپوت '

"آپ دونوں۔۔۔"

"آچھو!ایم سوری"!

اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پھر دونوں نے چھینک ماری تو وہ دیدے گھما کر رہ گئی۔

یہ بھی ٹھیک تھا کہ دونوں چھینک بھی ساتھ میں مار رہے تھے، جس وجہ سے جبران کو اپنے اور انس کے ناک پر ٹشو رکھنے میں سہولت ہو رہی تھی۔

"بہت شوق ہے نا آپ دونوں کو سوئمنگ پول میں 'جل پرا' بننے کا،شاباش! اٹھیں اور جا کر اپنا شوق پورا کریں،میں ہر گز چھینک کی دکان کو کمرے میں نہیں سلا رہی۔۔"

جبران کے گود میں انس اور انس کے گود میں ٹشو باکس رکھے اُوپر سے کمفرٹر کو ٹینٹ کی طرح اوڑھے خود کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے دونوں کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ تپے تپے انداز بولی تھی۔

"اور میرے چینج کر کے آنے تک کا وقت ہے آپ دونوں کے پاس۔۔"

ان کے منہ کھولنے سے قبل ہی انگلی اٹھا کر وارن کرتی وہ وارڈروب سے کپڑے لیکر تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

دروازہ بند ہوتے ہی انس نے گردن موڑ کر باپ کو دیکھا کہ اب آگے کیا؟ ملکہ کی جانب سے کمرہ بدر کا اعلان ہوا ہے۔

جواباً جبران نے معصومیت سے شانے اچکاتے ایک مرتبہ پھر چھینک ماری، جس پر انس نے ہونٹ لٹکائے تھے۔

اگر اسے بولنا آتا تو وہ لازمی کہتا۔

"کیا آدمی ہو پاپا یار! خود تو توپ کے نشانے پر تھے ہی اب اپنی اولاد کو بھی کھینچ لیا ہے کوئی بیک اپ پلان جیسی چیز بھی ہوتی ہے دنیا میں، میری ماں جیسی زبان کی پکی ہے، سچ میں بوریا بستر لیکر نکال دیا تو میں ان کے بغیر کیسے سوؤں گا۔۔؟"

"پرنس پلیز! رونا مت یار، پہلے ہی سردی کی وجہ سے دماغ بند ہو رہا ہے، یہ لو فون لے لو۔۔"

جبران نے جھٹ اپنا فون اسے تھمایا جسے اس نے فوراً دوسری جانب اچھال دیا تھا۔

"سچے مرد ایسے عین وقت پر مورچہ نہیں چھوڑا کرتے۔"

اس نے پچکارا۔

جس پرانس کے ہونٹ کچھ اور لٹکے جیسے کہہ رہا ہو

"میں مرد نہیں، چھوٹا سا، پیارا سا، معصوم سا، ڈیڑھ سال کا بچہ ہوں، جسے مورچہ نہیں ماں چاہیے۔"

"پرنس ایسا کرتے ہیں، ہم ان کے آنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں، آپ کی ماں جتنی بھی دبنگ لیڈی ہوں اٹھا کر تو نہیں ہی پھینکیں گی۔۔۔"

اس نے جھک کر حل بتایا تھا۔

"اور اگر جو پھینک دیا تو۔۔۔؟"

"تو ہم۔۔۔"

وہ پرجوش سا آواز کی سمت مڑا عین پشت پر وہ ماتھے پر بل لیے سینے پر بازو باندھے کھڑی تھی۔

باپ سے کوئی امید تھی نہیں لہٰذا اپنی مدد آپ کے تحت ماں پر نظر جاتے ہی انس نے گلا پھاڑنا شروع کر دیا تھا۔

"میرا بچہ "!

غصہ بھلائے اس نے فوراً ہی ممتا سے چور جذبات سے نہال ہوتے اسے جبران کی گود سے لیکر خود میں سمویا تھا۔

پھر کتنی ہی دیر تلک انس صاحب بڑی ہی چالاکی سے ماں سے لاڈ پیار اٹھواتے رہے تھے۔

وہ اب گود سے اترنے کے لیے رضامند نہیں تھا۔

زرناب نے بنا جھنجھلائے، بغیر ماتھے پر شکن لائے انس کو اٹھائے ہی کبرڈ سے گرم کپڑے نکالے تھے، اس کے کپڑے بدلوائے تھے، نیبلائزر دیا تھا، انس کے بار بار کھانا تھوک دینے کے باوجود اسے پچکارتے ہوئے کھانا کھلایا تھا اور پھر اسے گود میں لیکر ٹہلتی ہوئی سلانے کی کوشش کرنے لگی تھی جو ناک بند ہونے کی وجہ سے بے چین ہو رہا تھا۔

جبران اسی جگہ بیٹھا بڑی ہی تفصیل سے اس کی ایک ایک کارروائی دیکھ رہا تھا۔

وہ بھاپ انجن ممتا کے روپ میں ڈھلی لگ ہی اس قدر دل فریب رہی تھی کہ وہ چاہ کر بھی اس سے نگاہ نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

اس کی پوری کائنات، اس لمحے میں، اس منظر میں، اس وجود کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں میں مقید ہو گئی تھی، دھڑکنوں کا زیر وزبر، سانسوں کا تسلسل، نگاہوں کا ارتکاز اس کے سراپے سے الجھ گیا تھا۔

اس نے صنف مخالف کو ہر روپ میں دیکھا تھا۔

پر لاشعوری طور پر جو روپ دیکھنے کی خواہش اس کی روح میں تشنگی بن کر برسوں سے اتری ہوئی تھی، جس غیر شعوری تلاش نے اس کے من کو بے کلی و بے چین کا بحر بیکراں، بنا کر اسے بنجارہ بنا دیا تھا، جو اپنے اندر کے شور کو چپ کرانے کے لیے دنیا کے شور میں گم ہونے لگا تھا، خودی اور خود سے جڑی ہر شے سے دور بس اندھا دھند اس شور میں اپنا اصل کھونے لگا تھا۔

اور جب اس نے اس لڑکی کو اپنی حسرتوں کی بے رنگ تصویر میں حقیقت کا رنگ بن کر اپنی زندگی میں مستحکم حیثیت و کردار کے ساتھ پایا تو چونک گیا تھا، اپنی تشنہ خواہش کو سراپا حقیقت بنا اپنے مقابل کھڑا دیکھ ٹھٹھک کر رک گیا

تھا،اس کے اندر کا شور،اس کی بے چینی بے کلی،فرار سب اس کے ممتا کے نور میں نہائے پُر منور سراپے کو دیکھ کر، محسوس کر، محو ہو گئے تھے اور وہ طلسم زدہ سا اس کی ذات کی اسرار میں الجھتا گرفتار ہوتا خودی سے بے خود ہوتا چلا گیا تھا۔

انسانی نفسیات کے ماہروں کی ثابت کردہ دلیل ہے کہ لڑکوں پر ممتا اور لڑکیوں پر پدرانہ شفقت بہت گہرا اثر ڈالتی ہے۔ان کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اور زینت بیگم کو ہمارے معاشرے کی بہت سی ماؤں کی طرح سوائے اپنے نصیب کو کوسنے کے کبھی ان باریکیوں پر توجہ دینے کی توفیق ہی نہیں ملی تھی۔

بچپن سے وہ گھر سے نہیں بھاگ رہا تھا بلکہ اس خشک فضا سے فرار حاصل کر رہا تھا جس میں ماں کی محبت کی تراوٹ کبھی اس نے محسوس نہیں کی تھی۔

وہ ماں کا وہ جذباتی روپ ڈھونڈ رہا تھا،وہ وسیع آنچل جس میں ہر غم، ہر تھکن زائل ہو جاتی ہے،دل مائل ہو جاتا ہے۔

جیسے انس اس کے سینے سے لگ کر ہو جایا کرتا تھا۔

اور جب سے اس نے اس روپ کو دیکھا تھا، اپنے گھر کے در و بام میں شفقت و انس کی وہ دل فریب خوشبو محسوس کی تھی، وہ بنجارہ، وہ بھٹکا ہوا مسافر، وہ گھر کے نام سے متنفر شخص شدت سے گھر چاہنے تھا۔

ایک ایسی جگہ جو رگ و پے میں دوڑتی بے سکونی کو راحت میں بدل دے، جو تشنہ روح میں رچی بسی اضطراب کو پر سکون کر دے۔

اور اس کی تلاش بلا آخر 'زرناب جاوید' پر ختم ہو گئی تھی۔

اس نے چھوٹے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے خود سے اعتراف کیا تھا، ہاں! وہ گھر چاہتا تھا، اس لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ سادہ سا گھر۔

اس کی آنکھوں میں چمک اتری تھی، لبوں پر تبسم کی کلیاں چٹخی تھی، خدوخال میں سرشاری کے رنگ بڑی فراخدلی سے اترے تھے۔

"اس آدمی کا دماغ خراب ہو گیا ہے، خود ہی ہنس رہا ہے۔۔"

کب سے اس کی خود پر گڑی نگاہوں سے تذبذب کا شکار زرناب اسے یوں مسکراتا دیکھ بڑبڑائی تھی۔۔

"ہٹو، بچے کو سلانا ہے۔۔"

بڑبڑاتی ہوئی وہ بیڈ کے قریب آئی تھی۔

جبران اسی خوابدیدگی کی کیفیت میں حکم حاکم مرگ مفاجات کی طرح فوراً اپنی جانب کھسکا تھا۔زرناب نے آرام سے انس کو اس کی جگہ لٹایا پھر اس پر کمفرٹر برابر کرتے اس کی پر حدت پیشانی پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔

"تم بھی جا کر میڈیسن وغیرہ لے لو۔۔"

اپنی جگہ دراز ہوتے اس نے عدم توجہی سے کہا تھا۔

"تمہیں میری فکر ہو رہی ہے؟"

اس کی آنکھوں کی چمک چار گنا بڑھی تھی۔

"جی نہیں! مجھے اپنی فکر ہو رہی ہے جراثم پھیل گئے تو کل میں بھی نا'آچھو' کرتی پھروں۔۔۔"

وہ ناک سکوڑ کر بولی اس کی آنکھوں کی جوت تیزی سے بجھی تھی، لیکن ادھر پرواہ کسے تھی۔

"اور ویسے بھی میں ایک معمولی سی ایمپلوئے ہوں کوئی سپر اسٹار نہیں، لہٰذا ہمارے کام کا اسکیجیول ہمارے مزاج کے حساب سے نہیں بنتا اور نہ ہی ہم بن بلائی بیماری افورڈ کر سکتے ہیں۔۔۔"

اپنے سائیڈ کا لیمپ آف کرتے اس نے آنکھیں موندلی تھی۔

جبران کتنی دیر تلک اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔

کچھ ایسے چونکا دینے والے خاص خدوخال، رنگ وروپ، نہ رکھ کر بھی وہ لڑکی اسے اپنے پیچھے ذلیل وخوار کرنے کی ساری صلاحیت اپنے اندر رکھتی تھی۔

اور وہ دی سپر اسٹار جبران عباسی جو پروڈیوسر کے لہجے میں برتری کا عنصر، ڈائریکٹر کے انداز میں تحکم یا خواہ مخواہ کا رعب، ساتھی اداکاروں کی کسی بھی انداز سے بلاوجہ کا اٹیٹیوڈ فقط خود کو محسوس ہونے پر بھی وجہ بنا کر پروجیکٹ سے یا تو انھیں نکلوا دیتا تھا یا خود نکل جاتا تھا۔

وہ بنا ماتھے پر شکن لائے اس عام سی شکل وصورت کی مالک لڑکی کی ٹیڑھی، میٹھی، کڑوی، کسیلی بلکہ نفرت، بیزاریت، تضحیک آمیز رویہ تک امرت رس کی طرح حلق سے اتار جاتا تھا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

نجانے اس کی وہ انا، وہ تکبر، وہ کروفرانہ مزاج کہاں جا سوتا تھا اس کے مقابل۔

یونہی آنکھوں کو بھا گیا وہ شخص
ہم نے محبت کرنے کا کہاں سوچا تھا

"تو یہ طے شدہ بات تھی زرناب جاوید، کہ مجھ باغی و سرکش آدمی کو تم زیر کرو گی، اور میں سارا طنطنا، سارا زعم بھلا کر تمہارے پیچھے خوار ہوں گا۔۔۔"

آنکھیں موند کر درد سے پھٹتے سر پر بازو رکھتے وہ آنکھیں موند گیا تھا۔

خود سے حقیقت کا بلا ہیل و حجت اعتراف کرنے کے بعد اندر ڈھیروں سکون اترا تھا، لیکن وہ جانتا تھا اس کے پہلو میں دراز لڑکی قطعی اس کی شکست کو یا اپنی فتح کو کھلے باہوں سے قبول نہیں کرے گی۔ بلکہ اسے ناکوں چنے چبوائے گی، اور اسے چبانے پڑیں گے بھی، کیونکہ چارہ کہاں تھا کوئی دوسرا۔

وہ اپنی شکست پر خود ہی فاتحانہ انداز میں مسکرایا تھا اور اس کے بند قلعے سے دل کی فاتح سکندر رکس بے نیازی سے اپنی جگہ دراز نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

کسی کے واسطے ترکِ تعلق مشغلہ ٹھہرا

ہمارے دل پہ جو گزری ہے وہ پوچھے کوئی ہم سے!

پھر کتنے ہی دن یوں ہی بے کیفی کے نذر ہو گئے تھے۔

وہ اعتراف کیے بغیر بھی اس لڑکی کی زندگی میں بے معنیٰ تھا اور اعتراف کے بعد بھی بے مول ٹھہرا تھا۔

وہ لڑکی شائد سینے میں دل رکھتی ہی نہیں تھی جو اس کے جذبات کی حدت، اس کی کوششوں سے پگھل جائے۔۔۔

اس نے واپس خود کو کام کی مشین بنالیا تھا لیکن بے سود، اب وہ پہلے سی سرفروشی کہاں سے لاتا ہر قدم پر تو وہ دشمنِ جاں تمام تر نفرت و بیگانگی کے ساتھ تصور میں اتر آتی تھی۔

جبران عباسی کا حساب ویسا ہو گیا تھا جیسا کہتے ہیں۔

شیشے سے ٹکرانے والا پتھر اس وقت تک ٹوٹ کر کرچی کرچی ہونے کی اذیت نہیں سمجھ سکتا ہے جب تک اس کا واسطہ کسی بے حس سنگ تراش کی ہتھوڑی اور چھینی سے نہ پڑ جائے۔اور جبران عباسی کے لیے زرناب جاوید وہی بے رحم سنگ تراش ثابت ہو رہی تھی۔

اس نے اپنے لفظوں کی چھینی پر بے درد لہجے کی ہتھوڑی سے ضربیں لگا کر اس کے وجود سے ساری، اکڑ، انا، لاپرواہی، خودی اور زعم نکال کر اسے اس روپ میں ڈھال دیا تھا جیسا وہ اسے بنانا چاہتی تھی۔

لیکن یہ بھی تو ظالم سنگ تراش ایک ادا ہے نا کہ وہ اپنے تراشے ہوئے مجسمے کو اپنے پاس نہیں رکھتا ہے اسی طرح اس جانِ ادا نے بھی اسے تراش کر چھوڑ دیا تھا۔

اور وہ بے بس سا اس کی سنگدلی پر بس آہ بھر رہا تھا۔

پہلے وہ اسے نظر میں رکھ کر نظر انداز کرتی تھی اور اب وہ اس پر نظر ڈالنے سے بھی گریزاں تھی۔

وہ کروڑوں دلوں کی دھڑکن سپر اسٹار جبران عباسی، دیس بدیس میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں جس کے مداحوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، جس کی وجاہت، جس کی آواز، جس کی ایک جھلک کے لیے صنفِ نازک دیدِ دل فرش کیے رہتی تھی، جس کی چاروں جانب چاہنے والوں کا شور مدھر سرگم کی طرح بجتا تھا، وہ ایک لڑکی کی بے اعتنائی پر اپنے اندر خلاء محسوس کرنے لگا تھا۔

روشنی سے بھی تیز سفر کرنے والی اس کی محنت سے کمائی گئی شہرت کی دنیا سے پشت موڑ کر وہ اس لڑکی کے لیے ٹھہرنا چاہتا تھا۔ پر وہ اس کی ہم خیال نہیں تھی۔

کس قدر عجیب بات تھی نا، اس کا جدت سے حاصل کردہ ستاروں کا شبستاں پلکیں بچھائے اس کا منتظر تھا اور وہ اندھیروں کا مسافر بننا چاہتا تھا کہ وہ لڑکی اپنا ہاتھ بڑھائے اس کے جانب۔

دل کے معاملات عملی منطق سے ہمیشہ سے ہی متنفر رہے ہیں اور یہ بات اب اس بے نیاز شخص کے بھی سمجھ آنے لگی تھی۔

novel by j nikhat

تشنگی میری طرح تُو بھی قلندر نِکلی!
کبھی قطرے پہ تصدّق، کبھی دریا سے گریز...

آج وہ پھر گھر لوٹا تو اسے زرناب کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ گزشتہ دنوں سے زرناب نے اس سے احتراز کا یہ نیا طریقہ ڈھونڈا تھا وہ حتیٰ الامکان اس کی موجودگی میں منظر سے غائب رہنے لگی تھی۔ پر اتفاق سے آج اس کا فون چارج میں لگا ہوا تھا تو وہ منہ دھونے تک کی زحمت اٹھائے بغیر اس کی تلاش میں نکل گیا تھا۔

"کچھ۔۔کچھ چاہیے تھا سر۔۔۔؟"

ہال اور اسٹڈی سے ناکام لوٹنے کے بعد اس نے سیدھا کچن کا رخ کیا تھا جہاں اسے پہلی بار کچن دہلیز پر کھڑا دیکھ شام کی چائے سے لطف اٹھا رہے سارے ملازم کھڑے ہو گئے تو وہ خجل سا ہو گیا تھا۔

"آپ۔۔آپ لوگ کنٹنیو کیجیے، مجھے بس پوچھنا تھا کہ سب کہاں ہیں؟"

اس نے سرسری سے انداز میں بٹلر سے پوچھا تھا۔

"بڑی بیگم تو چھوٹی اور بڑی بی بی کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہیں، بڑے صاحب ابھی آئے نہیں۔۔۔"

"اور وہ۔۔۔؟"

وہ جھجک گیا تھا۔

"وہ۔۔۔؟"

بٹلر کی یا تو سمجھ نہیں آئی تھی یا وہ محظوظ ہونا چاہتا تھا۔

"انس کی مام کہاں ہیں۔۔؟"

اس نے لہجے میں کرختگی کو شامل کیا تھا۔

"جی! آپ چھوٹی بیگم کی بات کر رہے ہیں؟"

"انس کی کتنی مائیں ہیں۔؟"

اس کی تیوریاں چڑھی تو بٹلر فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"وہ چھوٹی بیگم تو پچھلے لان میں انس بابا کے ساتھ سائیکلنگ کر رہی ہیں۔۔۔"

بٹلر کے مودب انداز میں بتانے پر وہ سر ہلاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

novel by j nikhat

فلسفانہ سا جملہ ہے کہ

'لوگ حسین نہیں ہوتے ہیں، دیکھنے والے کی نگاہ حسین ہوتی ہے، اور نگاہ بھی یوں ہی ہر کسی کے لیے حسین نہیں ہوتی ہے، جب تک وہ فردِ خاص دل کا چنندہ مکین نہ رہا ہو'

ایسے دل موہ لینے والے جملے تب تک لبوں پر پُر لطف تبسم بن کر ٹھہرنے کا سبب بنتے ہیں جب تک دل کی دنیا میں تغیرات رونما نہیں ہوئے ہوں، ایک بار اس سلطنت کا تختہ پلٹ جائے تو پھر کتابی باتیں، فلسفی کلام اور لفاظی جملے حقیقت کا عکس بن کر زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔

بہت کوئی حسین نہیں تھی وہ لڑکی، نہ دودھ ملائی سی چاند کو شرماتا ہوا رنگ و روپ تھا، نہ آئینہ کو حسد میں ڈال دینے والے خدوخال سے نوازی گئی تھی، عام سے نین ونقش کی مالک ہو کر بھی اس نے اس حسن کی دنیا کے ہر دیس کا پانی پی آئے شخص کو ٹھکا دیا تھا۔

میرے ہاتھوں میں اگر چاند ستارہ ہوتا

باخدا ______ روز تیرا صدقہ اتارا ہوتا

سائیکل پرانس کو بٹھا کر چلانے کی کوشش کرتی ہوئی اپنے اناڑی پن پر خود ہی کھلکھلاتی وہ اس لمحے اس شخص کو کرۂ ارض کی سب سے حسین شے لگی تھی، اتنی کہ اس کی آنکھیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ حسن دیکھ کر کہیں نہیں ٹھہری تھی اس کے وجود کی تجلیوں کے آگے پسپائی اختیار کر اس پر جمود طاری ہو گیا تھا۔

وہ لبوں پر نرم سی مسکراہٹ لیے ان کی جانب بڑھا تھا۔

زرناب اس کے وجود سے یکسر بے خبر انس کو سیٹ پر بٹھا کر خود پیچھے اسٹینڈ پر بیٹھتی پیڈل مارنے کے بجائے دونوں پیر زمین پر اٹکا کر سائیکل آگے بڑھانے کی تگ ودو میں ہلکان تھی۔

"پیڈل مارنے کے لیے ہوتا ہے۔۔۔"

بے حد قریب آکر اس نے مخمور سرگوشی کی تھی۔

"تت۔۔تم۔۔۔"

اچانک اتنے قریب سے آواز ابھرنے پر وہ بری طرح بدکی تھی نتیجتاً اس کے ہاتھ سے سائیکل چھوٹا تھا انس پر گرفت مضبوط تھی پر سائیکل کی وجہ سے اسے بھی گرتا دیکھ زرناب کے حلق سے دلخراش چیخ نکلی تھی۔

ساتھ وہ چھوٹتے حواس کے ساتھ جبران کی شرٹ کو سختی سے مٹھی میں جکڑتی اس کے بازو سے سر ٹکاتی آنکھیں میچ گئی تھی۔

جیسے ایسا کرنے سے کائنات کی گردش تھم جائے گی؟

ویسے کائنات کی گردش تو تھمی تھی، لیکن جبران عباسی کے لیے اس کے اس درجے قریب آجانے سے۔۔

"اب تم آنکھیں کھول سکتی ہو۔۔۔"

توقف سے کان کے قریب ہوئی گمبھیر سرگوشی پر اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ حواس کو سمیٹ کے سر اٹھایا تھا۔

"انس! میرا بچہ۔۔۔"

انس کو جبران کے دوسرے بازو میں محفوظ دیکھ اپنی موجودہ پوزیشن کی جانب دھیان دیے بغیر اس نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر شکر کا کلمہ پڑھتے لبوں سے لگایا تھا۔

جس پر انس نے بھوؤں کو اٹھا کر پیشانی پر شکن نمودار کرتے سوالیہ نگاہ باپ پر ڈالی کہ

"تھکے ہارے آپ لوٹے ہو اور مام والہانہ ٹریٹمنٹ مجھے دے رہی ہیں، کہیں انجانے میں کوئی مہان کام تو نہیں کر دیا نا میں نے۔۔؟"

جس پر جبران دل مسوس کر محض سوچ سکا تھا۔

"بیٹا! تم نے پیدا ہو کر ہی ان محترمہ کی سات نسلوں پر احسان کر دیا ہے، بے وقعت تو ہم راہوں میں پڑے پتھر ہیں جنھیں آپ کی مام انجانے میں کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے سوچ کر دیکھ کر نظر انداز کرتی ہیں۔ عنایتوں کی توقع تو بندہ بشر کرے ہی نا۔۔۔"

اس نے دکھی دل سے اپنے بے حد قریب کھڑی لڑکی کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھا تھا جو ازلی جلالی انداز میں اب اس کی جانب مڑی تھی۔

"سب تمہاری غلطی ہے، ابھی بچہ گر جاتا، چوٹ آجاتی تو۔۔۔"!

"میں نے کیا کیا ہے میں نے تو تم دونوں سمیت سائیکل کو بھی بچایا ہے۔۔"

شکریہ نہ سہی کم از کم بلاوجہ کی تواضع کی توقع تو وہ نہیں رکھتا تھا تبھی روہانسا ہوا تھا۔

"کیا کیا ہے؟ انسان ہو یا جنات ایسے کون نازل ہوتا ہے۔۔؟"

وہ دانت کچکچا کر اس پر حاوی ہونے لگی تھی کہ احساس ہوا وہ اس کے مضبوط بازوں کی آہنی گرفت میں اس کی سانسوں سے قریب تر کھڑی اس پر بگڑ رہی ہے۔

بری طرح کسمساتے ہوئے اس کا دھیان پاس ہی گارڈن کی چھٹائی کر رہے مالی بابا اور ان کے ساتھ کام کر رہی ان کی بیوی اور بیٹی پر گئی تو اس کی پیشانی پر دھوپ چمکنے لگی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔۔"

وہ اب کے نیچی آواز میں بولی تھی۔

"سائیکلنگ کرنی تھی نا تم دونوں کو، آؤ میں کرواتا ہوں۔۔"

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

وہ اس کے تیور نظر انداز کرتا حلاوت سے بولا تھا۔

"جبران عباسی! اوور سمارٹ نہیں بنو، مجھے سائیکلنگ نہیں کرنی تھی، انس خوش ہو رہے تھے چوکیدار چچا کے پوتے کی سائیکل دیکھ کر تو میں انھیں بٹھا کر چلا رہی تھی۔۔۔"

اس کی دبی آواز میں شعلے سلگ رہے تھے جسے محسوس کرنے کی جبران نے ہرگز کوشش نہیں کی تھی۔

لبوں پر وہی جانثار مسکراہٹ سجائے انس پر گرفت مضبوط کرتے خود سائیکل پر سوار ہوا تھا اور قبل اس کے کہ زرناب اس کی اگلی حرکت کا اندازہ لگاتی اسے کمر سے تھام کر آگے بٹھاتا پیڈل مارنا شروع ہو گیا تھا۔

اور پھر وہ چیختی رہ گئی تھی، کان میں روئی ڈالے دونوں باپ بیٹے بلند بانگ قہقہہ لگاتے ہوئے پورے گارڈن کا چکر مکمل کرنے تک نہیں رکے تھے۔۔۔

"جبران عباسی! قسم سے اب اگر تم نہیں رکے تو میں تو گروں گی ہی، ساتھ تمہیں بھی گرادوں گی۔۔۔"

چیخ پکار واسطہ ترلے کچھ کام نہیں آیا تو اس نے روہانسی ہو کر دھمکی دی تھی۔

سائیکل اس کا بچپن کا خوف تھا، اگر انس نے اس بچے کی سائیکل دیکھ کر ضد نہ لگائی ہوتی تو ہرگز وہ سائیکل کو ہاتھ نہیں لگاتی، لیکن یہ شخص۔۔۔

"مجھے نہیں پتا تھا خونخوار جنگلی بلی کو سائیکل سے ڈر لگتا ہے۔۔"

سائیکل روکتے وہ اس کا غصہ و خوف سے سرخ عرق آلود پیشانی دیکھ مزے سے بولا تھا۔

"تم۔۔۔ تم ایک نمبر کے کمینے آدمی ہو۔۔۔"!

منتشر دھڑکنوں کو برابر کرتی وہ غرائی تھی۔

"آپ کہتی ہیں تو سچ ہی ہوگا مسز کمینے آدمی۔۔"

وہ بنا برا منائے شانے اچکا گیا تھا۔

"میں تمہاری مسز نہیں ہوں۔۔"!

اس نے مٹھیاں بھینچی تھی۔

"تو پھر کیا ہو، محبوبہ۔۔۔؟"

اس نے شرارت سے بھری آنکھیں پٹپٹاتے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"تمہیں زندگی پیاری نہیں ہے نا؟"

اس کے وارفتہ انداز پر وہ جی جان سے جلنے لگی تھی۔

"پیاری ہوتی تو بھاپ انجن کے ہاتھوں تھوڑی نا سونپتا۔۔"

اس کے شانے پر جھک کر وہ آہ بھرتا ہوا بولا تھا۔

"مرو تم منحوس آدمی۔۔۔"

مزید خون جلانے کے بجائے وہ واک آوٹ کر گئی تھی۔

"آپ کی مام کا ڈر نکال رہا تھا میں، انھیں ڈرا نہیں رہا تھا۔"

ماں کے بیٹے کو ماتھے پر بل نمودار کیے ناخوش نگاہوں سے خود کو گھورتا دیکھ جبران نے خوشامدی ہنسی کے ساتھ صفائی پیش کی۔ لیکن مقابل مطمئن ہوا نہیں تھا۔

"واقعی میں، میں آپ کی مام کو نہیں ڈرا رہا تھا بھلا ڈر کو بھی کوئی ڈرا سکتا ہے۔۔۔؟ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ کے ہوتے آپ کی مام کو کون ڈرا سکتا ہے، ہم تو بس بات کر رہے تھے۔۔۔"

اس نے فوراً کھسیانی ہنسی کے ساتھ بات سنبھالی۔ پرانس ہنوز غیر مطمئن لگ رہا تھا۔

"بے شک اچھی شکل بہترین سفارش ہوتی ہے، لیکن آپ کے پاپا کی اچھی شکل کو آپ کی مام نے بلیک لسٹ کیا ہوا ہے سو ہمیں اٹینشن پانے کے لیے تھوڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔

مرد ہو بڑے ہو کر سمجھ آجائے گی یہ خواری بھی۔۔۔"

اس کے پھولے پھولے گالوں سے ناک رگڑتے ہوئے وہ واپس اس پر گرفت مضبوط کر کے سائیکل چلانے لگا تھا پھر کتنی ہی دیر تلک دونوں باپ بیٹے گارڈن کا چکر لگاتے رہے تھے۔

جبران عباسی کو گھر کے احاطے میں یوں بے فکر ہو کر ہنستا کھلکھلاتا دیکھ ہر آنکھ حیران تھی۔ تبدیلی آنے نہیں والی تھی تبدیلی آگئی تھی۔

بے شک وجود زن سے ہی کائنات میں رونق بھی ہے اور اینٹ روڑے سے بنا سونا مکان 'گھر' بھی بنتا ہے۔

novel by j nikhat

دوسرے دن صبح وہ بھرپور نیند لیکر جاگا تو دو بڑے بڑے بیگ پیک کیے وہ انس کو کیپ پہنا رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

بیگ کے سائز دیکھ کر اس کا دل اندر کہیں ڈوبا تھا۔

"ایک سیکنڈ یہیں بیٹھیں آپ، خبردار جو اترنے کی کوشش کی تو۔۔۔"

سنی ان سنی کرتی وہ انس سے کہتی کبرڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہاں جا رہی ہو اور یہ اتنے بڑے بڑے بیگ کیوں پیک ہوئے ہیں؟"

وہ بے چین سا اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"میں تمہیں کب سے جوابدہ ہو گئی۔۔۔؟"

کبرڈ سے کاغذات نکال کر چیک کرتے اس نے اچٹی سی نظر اٹھائی تھی۔

"زرناب"!

اس نے اس کا بازو تھامنا چاہا پر وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"مت لیا کرو میرا نام، مجھے نہیں پسند تمہاری زبان سے اپنا نام۔۔۔"

کس قدر بے گانگی و بیزاریت تھی اس کے انداز میں۔

"اب کیا کر دیا ہے میں نے۔۔۔؟"

اس بنت حوا کی بے اعتنا انداز پر وہ آدم زادیوں تڑپ اٹھا تھا جیسے آخری سانسیں گن رہا شخص ایک بوند پانی کے لیے تڑپتا ہے۔

"انس کو ویکسین دلوانی ہے، اس کے بعد بچوں کو بخار وغیرہ آتا ہے وہ پریشان کریں گے، آفس اور انس دونوں کو سنبھالنا مشکل ہو گا، اس لیے ممی کے پاس جارہی ہوں، تاکہ ہم دونوں مل کر سنبھال سکیں۔۔"

آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی تبھی اس نے کرارا جواب دیکر اسے مزید تڑپانے کے اصل وجہ بتائی تھی۔

"تو اس میں ممی کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم سنبھال لیں گے نا ساتھ میں۔۔۔"

اس نے فوراً خوش ہو کر پیش کش کی تو زرناب نے لب بھینچ کا اس کے یکدم سے کھل اٹھے خدوخال کو دیکھا۔ یہ روشن آنکھیں، یہ مسرتوں کے رنگ اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا، کہاں؟

دماغ نے زور ڈالا تھا۔

"صدف کے چہرے پر "!

Click On The Link Above To Read More Novels / ✆ / ✉ 0344 4499420
https://www.zubinovelszone.com/

دل نے پر ملال سی سر گوشی کی تھی۔اس شخص کا ذکر کرتے ایسے ہی قوض قزح کے رنگ اس کے چہرے پر بکھرتے تھے۔

اس کا چہرہ تیزی سے سپاٹ ہوا تھا وہ زور سے آنکھیں میچ کر کھولتی ہوئی سارے ہی کاغذوں کو موڑ توڑ کر فائل میں ٹھونسنے لگی تھی۔

"ایسا کرو تم پانچ منٹ رکو میں تم دونوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔"

اس کی خاموشی سے رضامندی اخذ کرتے وہ مسرور سا بولتا عجلتاً واش روم کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

"اتنا ٹائم نہیں ہے، مجھے ہسپتال سے انس کو ویکسین دلاتے ہوئے ممی کے گھر چھوڑ کر آفس بھی جانا ہے۔۔۔"

وہ جھلا کر کہتی فائل بیگ میں ڈالنے بڑھی تھی۔

"تو ہم پہلے ہسپتال چلے جائیں گے، ویکسین دلا کر آنٹی کے پاس۔۔۔"

"انف! انف ایز انف۔۔۔"

زور سے فائل کو نیچے پٹختی وہ بھپر کر اس کی جانب مڑی تھی۔

"انف جبران عباسی، بس! مت کیا کرو میرے سامنے اداکاری، جانتی ہوں بہت منجھے ہوئے اداکار ہو، لیکن مت کیا کرو ایسی اداکاری میرے سامنے، جیسے تمہیں بڑی فکر ہے، پرواہ ہے، خیال کرتے ہو، اپنی دنیا اپنے سارے سو کالڈ اہم کام چھوڑ کر اپنی فیملی اپنے اپنوں کیلئے وقت نکال سکتے ہو، مت کیا کرو، سیریسلی گھن آتی ہے مجھے ایسے دوغلے لوگوں سے۔۔۔"

اس کے اندر پک رہا کا انتشار و اضطراب نمی بن کر اس کے جھلائے لہجے میں شامل ہوا تھا۔اس کے چہرے و آنکھوں میں کرب کے سیاہ سایہ اترے تھے۔

وہ شخص نہیں سمجھ سکتا تھا اس کا نرم حلاوت سے پُر، اپنائیت سے لبریز جانثار انداز اس لڑکی کی روح پر چابک کی طرح پڑتا ہے، اس کی روح بلبلا اٹھتی ہے، اور صد افسوس وہ شخص کبھی محسوس کر بھی نہیں سکتا تھا اس اذیت کو۔

جب جب وہ اس پر نظرِ التفات ڈالتا تھا، جب جب وہ حدود سے تجاوز کر فاصلہ سمیٹنے کی کوشش کرتا تھا اسے کے کانوں میں صدف کا حسرت میں ڈوبا لہجہ گونجتا اس کی سماعت لہولہان کر جاتا تھا، آنکھوں میں اس کا اداس چہرہ اتر کر اس کا کلیجہ چیر لیتا تھا۔

"میں اداکاری نہیں کر رہا، مجھے واقعی تمہاری پرواہ ہے۔۔۔"

وہ اس کے چہرے پر بکھری اذیتوں کی پرچھائیاں دیکھ کر یقین سونپتا ہوا قریب آیا تھا۔

"نہیں چاہیے بھئی مجھے تمہاری پرواہ! معاف کرو مجھے، اور کہاں تھی تمہاری یہ نام نہاد پرواہ تین سال پہلے، کتنی مرتبہ گئے تھے صدف کے ساتھ گائینا کے پاس؟ جانتے بھی ہو پہلی بار جب ایک لڑکی پریگننسی رپورٹ لیکر گائینا کے پاس جاتی ہے تو اسے سب سے زیاد کس کی مورل سپورٹ کی ضرورت پڑتی ہے؟ نہیں جانتے نا؟ تو مت کیا کرو سب جاننے کی اداکاری۔۔۔"

زور سے اسے دور دھکیلتی وہ فائل اٹھا کر انس کو سنبھالتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

دیکھ ہم ضبط کے کس موڑ پہ جا پہنچے ہیں ..
اتنی وحشت تھی مگر پھر بھی پکارا نہ تجھے...

"تو مجھے اپنی بے اعتنائیوں کی سزا تم ایسے دو گی زرناب، مجھے اسی خاردار راہ پر آبلہ پا گھسیٹ کر، میں غلط تھا لیکن مجھ سے نادانستگی میں ہوئی تھی وہ غلطی۔۔۔۔"

وہ شکستہ سا بیڈ پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

novel by j nikhat

کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام
اس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا !

ZNZ Zubi Novels Zone

کہانی وہی تھی، کردار بدل گئے تھے، اب وہ صدف کی جگہ آ گیا تھا اور زرناب نے اس کی جگہ لے لی تھی، لیکن وہ اس کہانی کا وہی انجام نہیں ہونے دے سکتا تھا، وہ ہر گز بھی صدف کی طرح زرناب کے خود متوجہ ہونے کا، اس کا من مائل ہونے کا، اس کی کارِ جہاں کی مصروفیت سے فرصت میسر آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کہانی کوئی بھی نئی نہیں ہوتی ہے کرداروں کی ہیر اپھیری کہانی کو نئی جدت عطاء کر نئی پہچان، انوکھا انجام دے دیتی ہے اور وہ بھی اس کہانی کو نیا انجام دینے کا ٹھان چکا تھا۔

دوسرے ہی دن اس نے احمد سے کہہ کر اپنا اسکیجیول فری کروایا تھا اور زرناب کی کمپنی کا پروجیکٹ جو دو مہینے بعد کے لیے ترتیب پایا تھا اسے آگے کروادیا تھا۔ کافی مشکل پیش آئی تھی ایسا کرتے سب الٹ پلٹ ہو گیا تھا لیکن زندگی کا سکون تلپٹ ہونے کے آگے یہ بے ترتیبی کچھ نہیں تھی۔

اور اب وہ زرناب کے آفس بلڈنگ میں آرام سے بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا ابھی چند ساعت پہلے ہی باس صاحب اس کی اس ذرہ نوازی پر تعظیم و تکریم پیش کر کے گئے تھے۔

اس نے بالخصوص منیجر صاحب سے سے کہلوایا تھا کہ وہ پرفیکشن کا قائل ہے، اسے کام میں جھول بالکل پسند نہیں ہے لہٰذا ایڈ سے پہلے وہ اس فیلڈ کے متعلق تھوڑا سمجھنا چاہے گا۔

جس پر باس نے ذہانت کا ثبوت دیتے فوراً زرناب کو پیش کر دیا تھا۔

"اور کچھ چاہیے آپ کو؟"

باس کے خصوصاً میری واپسی تک مہمان کے پاس اچھے میزبان کے خدمات انجام دینے کے لیے تعینات کرنے پر سدرہ نے مودب انداز میں پوچھا تھا۔

"انس کی مام۔۔۔"

وہ بلا توقف بولا تھا۔

"جی؟"

سدرہ کی آنکھیں اُبل کر باہر آئی تھی۔

"چیف کہہ رہے ہیں کہ بھابی کو بھیج دیں، وہی بریف کریں گی نا انھیں۔"

احمد نے اس پر طاری شادی مرگ کا وضاحتاً علاج کیا تھا۔

"ج۔۔جی میں ابھی لے کر آتی ہوں۔۔۔"

سدرہ پیٹ میں اڑ رہی تتلیوں کو سنبھالتی بامشکل امڈ آئی مسکراہٹ کو لب بھینچ کر دباتی ہوئی آفس سے نکلی تھی۔

novel by j nikhat

جاری ہے۔۔

اگر آپ ناول پڑھنے کے شوقین ہیں تو ہم آپکے لیئے لائے ہے دنیا کا سب سے بڑا
ناولز کا مشہور ویب سائٹ جہاں سے آپ دنیا جہاں کے مزے کے ناولز پڑھ اور
ڈاؤنلوڈ کر سکتے ہے جو ناولز آپکو کہی کسی اور ویب سائٹ سے نہیں ملے گے

ZUBINOVELSZONE.COM 👉 ZNZ.LIFE

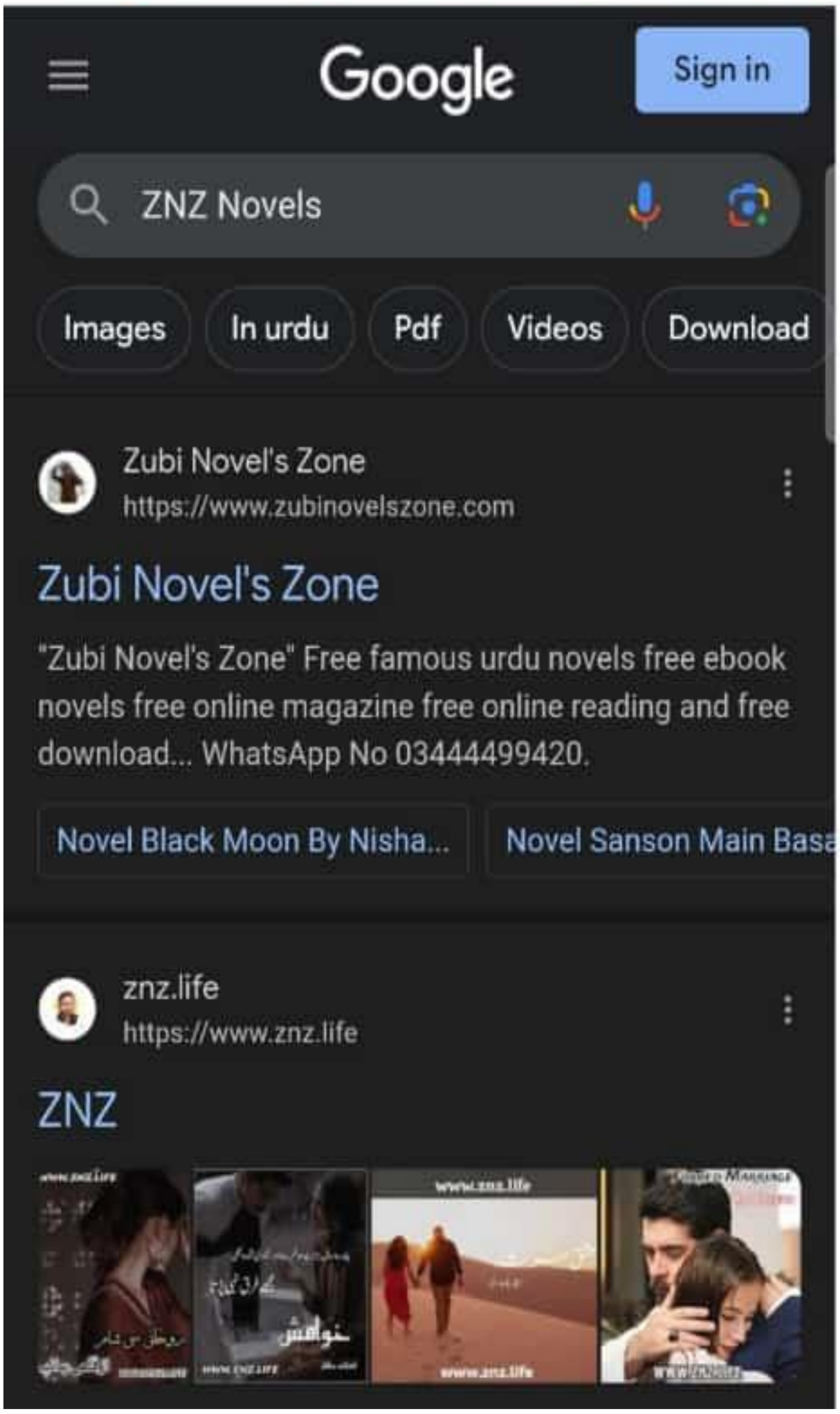

تو دیر کس بات کی ابھی گوگل پر
جائے اور ٹائپ کریں

ZNZ NOVELS

ٹوپ پر دو ویب سائٹ آجائے
گے جسکی سکرین شاٹ آپ
سامنے دیکھ سکتے ہے کوئی بھی
ایک سائٹ وزٹ کریں اور
اپنے پسند کا ناول سرچ کر کے
باآسانی ڈاؤنلوڈ کر کے پڑھ لیں
مزید کے لیئے رابطہ کریں

0344 4499420

موجود کیٹیگری والے ناولز پڑھنے کے لئے ناول نام یا کیٹیگری نام پر کلک کریں

Novels Categories

Web Special

Short Novels

Long Novels

Digest Novels

Romantic Novels

Facebook Novels

Ebook Novels PDF

Youtube Novels PDF

For Free Ebook Novels Link

https://heylink.me/ZUBI_NOVELS_ZONE

اسلام علیکم !

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا

تک پہنچانا چاہتے ہیں تو زوبی ناولز زون

https://www.zubinovelszone.com

https://www.znzlibrary.com/

https://www.znz.today/

آن لائن ویب سائٹ آپکو پلیٹ فارم فراہم کر رہا ہے اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا ناول، افسانہ، کالم آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ای میل کریں۔

ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل اور وٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کر سکتے ہیں

وہاٹسپیپ پر رابطہ کرنے کے لئے نیچے لنک پر کلک کرے

0344 4499420

https://www.facebook.com/zubairkhanafridi2020

انتباہ! اس ناول کے تمام جملہ حقوق زوبی ناولز زون کے پاس محفوظ ہیں کسی بھی طرح کاپی کرنے سے گریز کیا جائے۔

https://www.facebook.com/groups/Z.Novel.Zone

WHATSAPP CHANNEL LINK

Channel Join Now